شمائم العنبر



اعلیٰحضرت مولانا شاہ محمد احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ



شمائم العنبر

ضروری گذارش

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ادارہ نوری کتب خانہ لاہور نے حتی الامکان آپ کی خدمت میں جو کتب پیش کیں ان میں جدید طرز طباعت اور معیار کو برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ اس میں ہم کس حد تک کامیاب رہے آپ ہمیں اس سے آگاہ فرمائیں۔

ہر کتاب کی پروف ریڈنگ بارہا کئی علمائے دین سے کروائی گئی ہے مگر اس کے باوجود اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو ہمیں نشاندہی کر کے ممنون فرمائیے تاکہ اسے آئندہ ایڈیشن میں درست کیا جاسکے

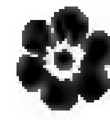
خیر اندیش

پیرزادہ سید محمد عثمان نوری

ناظم نوری کتب خانہ۔ لاہور

شمائم العنبر فی آدب الندا امام المنبر

شمائم العنبر



اعلیٰحضرت الشاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ العزیز

تحقیق و ترجمہ

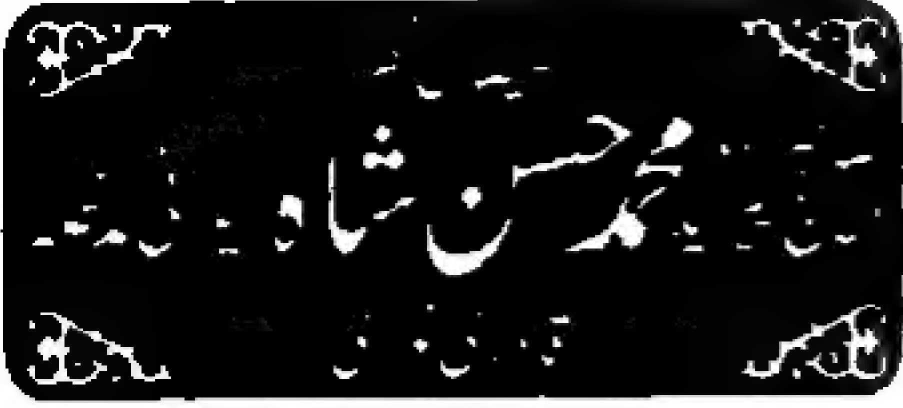
بحر العلوم العلامۃ المفتی عبد المنان الاعظمی

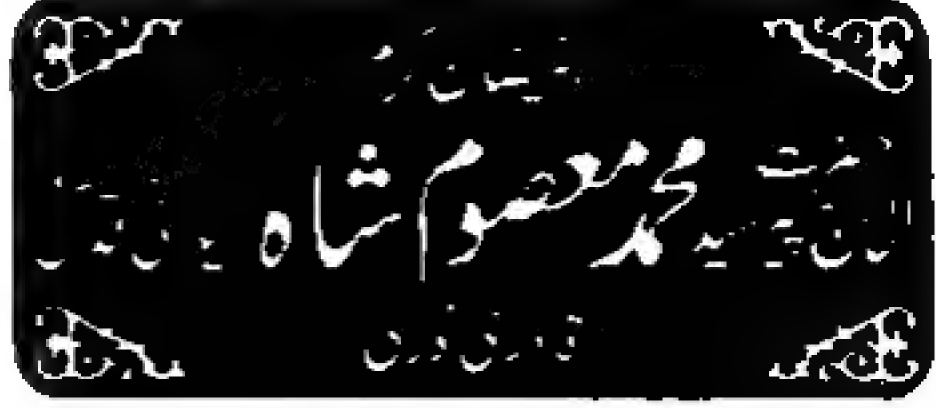
حسب الارشاد

ابو المسعود الحاج صاحبزادہ پیر سید محمد حسن شاہ گیلانی قادری نوری مدظلہ



نوری کتب خانہ





اہتمام اشاعت
پیرزادہ سید محمد عثمان نوری

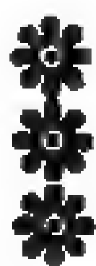
2004

ناشر : نوری کتب خانہ، لاہور
طابع : موٹروے پرنٹرز، لاہور

قیمت 120 روپے

تقسیم کار

نوری کتب خانہ
معصوم شاہ روڈ بالمقابل ریلوے اسٹیشن، لاہور
فون: 042-6366385



نوری بک ڈپو
دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ، لاہور
فون: 042-7112917

نوری کتب خانہ

☆ ایک ادارہ ☆ ایک تحریک

1945ء کا دور اہل سنت کے لئے ابتلاء کا دور تھا۔ مخالفین اہل سنت کا لٹریچر وافر تعداد میں دستیاب تھا۔ مگر اہل سنت کا اشاعتی میدان خالی تھا۔ مسلک کے افق پر گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس اندھیرے میں روشنی کی ایک کرن ابھری۔ دربار داتا گنج بخش" میں متیم مسجد گنج بخش میں سالہا سال سے حضرت داتا صاحب کی لافانی کتاب "کشف المحجوب" کا درس دینے والے سلسلہ قادریہ کے جلیل القدر فرزند اور درویش منش بزرگ مخدوم اہل سنت الحاج ابو الحسن پیر سید محمد معصوم شاہ گیلانی قادری نوری نے اس کمی کا احسان کرتے ہوئے ایک دینی اشاعتی ادارے "نوری کتب خانہ" کا اجراء کیا جہاں سے پاکستان میں پہلی بار برصغیر پاک و ہند میں مسلک عشق رسول کے ترجمان اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کی معرکتہ الاراء تصانیف کو عوام اہل سنت کے سامنے پیش کیا گیا۔ یہ کتب ہر موضوع پر ایک مکمل دستاویز کی حیثیت رکھتی ہیں۔ علماء نے جب انہیں پڑھا تو جھوم اٹھے اس زمانہ میں نوری کتب خانہ نے فاضل بریلوی قدس سرہ کی چھوٹی بڑی یک صد سے زائد کتب شائع کیں۔ مخدوم اہل سنت کی یہ خدمت و مساعی درخشاں و تاباں ہے۔ اسی ادارہ نے آگے چل کر شیخ عبدالحق محدث دہلوی' حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی گجراتی' علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی' علامہ محمد شریف نوری' مولانا نعیم الدین مراد آبادی' قاضی ثناء اللہ پانی پتی' علامہ محمد نور بخش توکلی و دیگر اکابرین اہل سنت کی تصنیفات اوران کے اردو تراجم شائع کئے۔ اس علمی خلاء کو "نوری کتب خانہ" لاہور نے جس انداز سے پر کیا وہ ایک تابندہ کارنامہ ہے۔

1951ء میں حضرت مخدوم اہلسنّت الحاج ابو الحسن پیر سید محمد معصوم شاہ گیلانی قادری نوری کے ایماء پر حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی گجراتی نے فاضل بریلوی قدس سرہ کے مشہور زمانہ ترجمہ القرآن "کنز الایمان" پر تفسیری حاشیہ "نور العرفان" تحریر فرمایا جس کو آپ کے ادارہ نوری کتب خانہ نے سب سے پہلے شائع کرنے کا شرف حاصل کیا۔

آج برصغیر میں فاضل بریلوی کی تصنیفات کو شائع کرنے میں کئی اشاعتی ادارے مصروف ہیں مگر بریلی شریف کے بعد جو اولیت "نوری کتب خانہ" کو حاصل تھی وہ مقام کسی بھی ادارے کو حاصل نہیں ہے۔ آج پھر اعلیٰ حضرت محدث بریلوی کے تحقیقی رسائل کو منظر عام پر لانے کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی تاکہ آپ کی تعلیمات کو عام کیا جا سکے۔ قابل صد تحسین ہیں وہ لوگ جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے اس عشق رسول سے سرشار مشن کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ہم نے مخدوم اہل سنت کے فرزند عالی مرتبت پیر سید محمد حسن شاہ گیلانی قادری نوری کی سرپرستی میں دوبارہ "مطبوعات نوری کتب خانہ" کے نام سے خصوصاً اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تمام چھوٹی بڑی کتب از سر نو شائع کر کے معیاری انداز میں اعلیٰ طباعت و کتابت کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

اب علماء اہل سنت و عوام اہل سنت کا بھی فرض ہے کہ وہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی کتب کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں خرید کر تبلیغ دین کے لئے تقسیم کر کے مسلک حق اہل سنت کی ترقی و کامرانی میں اپنا فرض ادا کریں۔ تقسیم کرنے والے اداروں اور افراد کے لئے خصوصی رعایتی پیکج کا اہتمام کیا گیا ہے۔ آج ہی رابطہ فرمائیں۔

والسلام

سید محمد فیصل عثمان نوری

ناظم ادارہ "مطبوعات نوری کتب خانہ" لاہور۔

فہرست

شیخ محقق حضرت علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی شہرہ آفاق تصنیف

جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب

کا مستند و مکمل ترین اردو ترجمہ

تاریخِ مدینہ

مترجم

حضرت علامہ مولانا محمد صادق نقشبندی مدظلہ

ناشر

نوری کتب خانہ لاہور

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۱ء مبارکپور ضلع اعظم گڈھ سے پہلی بار فتاویٰ رضویہ حصہ سوم شائع ہوئی، اس کے ناشر و مہتمم حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب بلیاوی نائب شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ علیہ الرحمۃ نے عرض ناشر کے عنوان سے جو ابتدائیہ تحریر فرمایا تھا۔ اس میں انھوں نے یہ بتایا تھا کہ اس جلد میں شامل دس رسالے دستیاب نہ ہوسکے انھیں رسائل میں شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر بھی تھا۔

راقم الحروف غالباً ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء میں بریلی حاضر ہوا تو حضرت مولانا توصیف رضا خاں صاحب نے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے چند رسائل تصحیح و تبییض کی غرض سے دیئے انھیں رسائل میں شمائم العنبر کا ایک ناقص اور بوسیدہ نسخہ بھی تھا۔ اعلیٰ حضرت کی اس تحریر کا ذکر میں بہت سے لوگوں سے سن چکا تھا۔ اس لئے سب سے پہلے اسی پر کام شروع ہوا۔ اور تبییض کے لئے اس کو مولانا سبحان اللہ صاحب علیہ الرحمہ کو دیا۔ انھوں نے جنوری ۱۹۹۱ء میں مبیضہ واپس کیا۔ تو اپنی طاقت و وسعت کے مطابق تصحیح و ترجمہ کرکے میں نے گذشتہ عرس رضوی کے موقع پر مسودہ، مبیضہ اور ترجمہ سب کچھ حضرت مولانا توصیف رضا خاں صاحب کی خدمت میں پیش کردیا۔ مولانا نے نہایت سرعت کے ساتھ اس کی کتابت بھی معتد بہ حصہ تک کرائی اور تصحیح کے لئے اسے ہمارے عزیز مولانا محمد حنیف صاحب بریلوی رضوی مصباحی کو دیا۔

مولانا الحاج عبدالستار صاحب ہمدانی کی مہربانی سے ان کے پاس مکمل رسالہ کی زیروکس کاپی موجود تھی۔ انھوں نے مکمل رسالہ میرے پاس بھیج دیا کہ بقیہ دو مقالوں کا ترجمہ بھی کردیا جائے اس طرح اب امید ہوگئی ہے کہ جلد ہی یہ گنج شائیگاں مکمل ہدیہ ناظرین ہوگا۔

رسالہ کا موضوع۔ اذان خطبہ کا موقع اور محل ہے۔ اس کی تاریخ یہ رہی ہے کہ عہد رسالت وعہد شیخین بلکہ عہد جملہ خلفائے راشدین اور اس کے بہت بعد تک بھی یہ اذان مسجد کے دروازے پر ہوتی رہی۔ اور فقہ و فتاوی کی متعدد کتابوں میں تصریح ہے کہ مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے۔ ان عبارتوں میں نہ تو کسی اذان کا استثنا ہے نہ تخصیص۔

لیکن زمانہ مابعد میں نہ معلوم کب سے اس کے خلاف رواج پڑ گیا۔ خطبہ کی اذان خاص مسجد میں منبر کے متصل ہونے لگی، اور پنج وقتہ اذانوں کا رواج بھی عام طور سے مسجد کے اندر ہی ہوگیا۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کا استفتا ہوا۔ آپ نے اپنی تحقیق کے موافق جواب دیا "یہ اذان مسجد کے اندر مکروہ اور سنت کے خلاف ہے" بہت سے دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی علمائے دیوبند نے اعلیٰ حضرت کا خلاف کیا۔ علمائے اہلسنت میں بھی کئی لوگوں نے آپ کی مخالفت کی لیکن خاص طور پہ بدایوں شریف کے علمائے اہلسنت کی طرف سے قائم ہوا۔ جو اکثر مسائل فرعیہ میں بھی اہل بریلی کے مؤید اور ان کے موافق تھے۔ طرفین سے بہت ساری تحریروں کا تبادلہ ہوا۔ اہل بریلی کی طرف سے اس رسالہ کے علاوہ سات رسائل کی تو اعلیٰ حضرت نے نشان دہی کی ہے، اور سمت مخالف میں تو مختلف فرقوں اور مختلف علاقوں کا متحدہ محاذ تھا۔ جتنی تحریریں بھی شائع ہوئی ہوں کم ہیں۔

اس کے بعد بعض اہل بدایوں نے امام اہل سنت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ کیا کہ مولانا کی فلاں فلاں تحریروں سے ہماری ہتک عزت ہوتی ہے۔

لہذا انھیں قرار واقعی سزا دی جائے۔ سمن جاری ہوا۔ اعلیٰ حضرت نے اپنی عادت کے موافق کچہری کی حاضری سے انکار کیا۔ پھر وارنٹ بھی ایشو ہوا۔ اور ڈر ہوا کہ زبردستی بذریعہ پولیس آپ کو کچہری میں حاضر کرایا جائے۔ تو مسلمانان اہلسنت بریلی نے محلہ سوداگران جانے والے تمام راستوں کا گھراؤ کیا۔ کہ پولیس کسی طرح آپ تک پہونچ نہ سکے۔ پھر آپ کو حاضری کی چھوٹ مل گئی، اور مقدمہ کا فیصلہ بھی آپ کے موافق ہوا۔ جس میں حاکم نے آپ کو باعزت بری کیا۔

اس قضیہ میں جزوی طور پر سادات مارہرہ بھی اعلیٰ حضرت کی حمایت میں رہے۔ ان کی شکل یہ تھی کہ علماء بدایوں ان کے بزرگوں کے مرید تھے۔ اور خود یہ حضرات علمائے بدایوں کے شاگرد تھے۔ مسئلہ شرعی میں ان کی رائے امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے موافق ضرور تھی۔ لیکن ان قدیم علاقوں کی وجہ سے علمائے بدایوں سے مسئلہ اذان میں اختلاف کے باوجود یہ حضرات نہایت معتدل اور محتاط رہے۔ اور اس قضیے میں ان حضرات کی حیثیت ایک غیر جانبدار گواہ کی ہے۔

ذیل میں ہم مسند نشین مارہرہ حضور ابوالقاسم محمد اسماعیل حسن الملقب بہ شاہ جی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مکتوب گرامی کا حوالہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جس سے اس مسئلہ میں طرفین کے کردار پر تاریخی حیثیت سے بھرپور روشنی پڑتی ہے۔ اور مسئلہ کی شرعی حیثیت پر بھی ایک بے لاگ نقطہ نظر سامنے آتا ہے۔

مکتوب ۱۹ بنام نواب سید سردار علی صاحب بہادر حیدرآباد دکن مرسلہ ۲۴ ذوالحجہ ۱۳۳۲ھ مندرجہ اہلسنت کی آواز ص۴۳ تا ص۵۰ جلد ۳ اکتوبر ۱۹۹۶ء

اس معارضہ عالیہ سے چند باتیں صاف ظاہر ہیں۔

(۱) اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ۔ اذان خطبہ بیرون مسجد، کے خلاف بریلی کا نپور کے وہابیوں اور اہل رامپور کی تحریریں شائع ہو چکی تھیں۔ اہل بدایوں اس قضیہ میں اس وقت شریک

ہوئے۔ جب اس مسئلہ پران کی گفتگو سادات مارہرہ سے ہوئی۔

(۲) اہل بدایوں نے صاحب سجادہ حضور شاہجی میاں صاحب کی کوشش کے باوجود اعلیٰ حضرت سے اس مسئلہ پر بالمشافہ گفتگو کرنے سے انکار کیا۔ (جو عرس نوری کے موقع سے مارہرہ آئے تھے) البتہ بدایوں واپس ہوکر اہل مارہرہ کے حوالے ایک فتویٰ اذان اندرونِ مسجد کی حمایت میں جاری کیا۔

(۳) اولادرسول حضرت محمد میاں صاحب قادری علیہ رحمۃ الباری نے مفتی صاحب کو ایک خط کے ذریعہ اسی وقت مطلع کردیا تھا۔ کہ فتویٰ کی تحریر و اشاعت کا باعث ہمیں قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

(۴) اس فتویٰ کا جواب مارہرہ شریف سے شائع ہوا نہ بریلی شریف سے۔ اس کے بعد اہل بدایوں نے دو مزید اشتہار اور رد شائع کئے۔ تب اہل بریلی کی طرف سے اسکا جواب شائع ہوا۔ (اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ اہل بدایوں و بریلی میں جو معاہدہ ایک دوسرے کے رد نہ کرنے کا ہوا تھا۔ اس کو پہلے کس فریق نے توڑا۔)

(۵) حضرات سادات مارہرہ کی رائے میں اس قضیہ میں حق اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی طرف ہے۔

زیر نظر رسالہ اس تمام بحث کا گویا نچوڑ ہے۔ جو اس موضوع پر برسوں چلتی رہی۔

پہلے آپ نے اپنے دعویٰ کے مندرجہ ذیل دلائل پیش فرمائے۔

(۱) صحیح حدیث میں ہے کہ۔ عہد رسالت و مابعد میں اذان خطبہ منبر کے سامنے دروازہ مسجد پر ہوتی تھی، اس روایت کا دارو مدار صاحب مغازی محمد بن اسحاق پر ہے۔ مخالفین نے ان کی تنقید کی کہ یہ قابلِ بھروسہ راوی نہیں ہیں۔ ان پر تشیع کا الزام ہے۔ اوران پر مرجیہ ہونیکی تہمت بھی ہے۔ اور یہ مدلس بھی ہیں۔ اسلئے یہ روایت قابلِ سند نہیں۔

امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس رسالہ کے مقالۂ اولیٰ میں بیس اعلام ائمہ حدیث سے محمد بن اسحاق کی تائید و توثیق نقل کی۔ ان کا ثقہ، ثبت اور حجۃ ہونا پایۂ تحقیق کو پہنچایا۔ اور ان پر لگائے گئے الزاموں کی بے حقیقتی ظاہر کی۔ ارجاء اور تشیع کی حقیقت واضح کی ہے۔ اور خاص باب تدلیس میں ایسی تحقیق فرمائی کہ اس باب میں علم اصول حدیث کا مزعومہ منظر نامہ ہی بدل گیا۔

اس کے بعد مخالفین نے اس حدیث شریف کو اپنے ظاہر سے پھیرنے کے لئے جو رکیک تاویلیں کی ہیں ان کا پردہ فاش فرمایا۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ تاویلیں نہیں ہیں طفل تسلیاں ہیں۔ گویا ؎

بہلا رہے ہیں اپنی طبیعت خزاں نصیب
دامن پہ کھینچ کھینچ کے نقشہ بہار کا

دوسرے شمارہ فقہ میں آپ نے بیس ائمہ فقہ و اصحاب فتاویٰ کے اقوال پیش کئے ہیں۔ جن میں تصریح ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ مسجد میں اذان نہ دی جائے،

ان عبارتوں پر مخالفین نے حد درجہ مضحکہ خیز اعتراضات کئے ہیں۔ مثلاً یہ مسئلہ باب الاذان میں تو تحریر ہے باب جمعہ میں نہیں۔ یہ عبارتیں عام ہیں خاص اذان خطیب کے بارے میں کوئی نص نہیں۔ یہ روایتیں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی نہیں۔ کسی نے زچ ہو کر کہا ہے کہ اذان خطبہ دراصل اعلان ہے یہ اذان نہیں۔ تو حکم اذان میں داخل نہیں۔ کچھ نے کہا کہ اقامت کو بھی تو اذان کہا جاتا ہے۔ تو وہ کیوں مسجد کے اندر ہوتی ہے۔

اعلیٰحضرت جب ان کج بحثیوں کی گتھیاں کھولتے ہیں تو ہنسی آتی ہے کہ یہ مخالفین علم و دانش سے کس درجہ تہی دامن ہیں۔

پھر آپ نے قرآن و حدیث اور اقوال فقہ کی روشنی میں مسجد کے تین اطلاقات کا ذکر کیا ہے

اور مختلف نصوص کے ظاہری تضاد کو دور فرمایا ہے ۔

کچھ لوگوں نے اس کا سہارا لیا تھا کہ فقہ کی بعض کتابوں میں اس مسئلہ کو لفظ لا ینبغی سے بیان کیا ہے تو یہ زیادہ سے زیادہ ایک غیر مناسب بات ہوئی تو اس کے خلاف یہ واویلا کیوں ؟

اعلیٰ حضرت نے ینبغی کے معنی اور اس کے اطلاقات کی شہادتیں پیش کرنا شروع کیا ہے تو عالم یہ ہے ۔

حق وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

تیسرے مقالہ قرآنیہ میں آیات کی روشنی میں یہ واضح کیا ہے کہ اندرون مسجد اذان دربارِ الٰہی کی بے حرمتی ہے ۔ اور مسجد میں آواز بلند کرنا ممنوع اور اس کو زمانہ کے عرف و دستور سے مؤید اور مضبوط فرمایا ہے ۔

یوں تو پوری کتاب ہی آب زر سے لکھنے کے لائق ہے ۔ لیکن اس کا چوتھا شمارہ جس میں مخالفین کے دلائل پر تنقید فرمائی ہے ۔ علم و عرفان کا لہریں لیتا ہوا سمندر ہے ۔

ایسے نکات جس پر تمام مخالفین متمدین ان کی تعداد آپ نے پانچ بتائی ہے ۔

(۱) اذان خطبہ کے سلسلہ میں بین یدیہ کا لفظ آیا ہے ۔ جس کے معنی سامنے اور متصل منبر ہے ۔

(۲) بعض عبارتوں میں عند کا لفظ ہے ۔ یہ تو بالکل پاس کیلئے ہی آتا ہے ۔

(۳) کچھ عبارتوں میں اذان علی منبر کا لفظ آیا ہے ۔ یہ اپنے معنی حقیقی کے لحاظ سے خاص منبر پر اذان ہونے کا مقتضی ہے جو یہاں ناممکن ہے ۔ لامحالہ قریب منبر مراد ہے ۔

(۴) اذان کے منبر کے پاس مسجد کے اندر ہونے پر دنیا کے مسلمانوں کا اتفاق ہے ۔

(۵) اور یہی رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متوارث ہے ۔

آپ نے پہلے بین یدیہ کے لغوی معنی کی تحقیق فرمائی ہے ۔ پھر قرآن عظیم کے ۲۸ مقامات سے لفظ بین یدیہ کے محل استعمال اور معنی کی تفصیل فرما کر یہ ثابت کیا ہے کہ لفظ بین یدیہ کے

معنی صرف حاضر اور مشاہد کے ہیں۔ اور مختلف محل استعمال کے اعتبار سے قرب و بعد کے مختلف مراتب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

مسئلہ دائرہ میں بحکم شرع اذان جب بیرون مسجد ہونا چاہئے تو بین یدیہ کے وہی معنی مراد لینے ہوں گے جو اس حکم شرع سے متصادم نہ ہو۔

لفظ عند کے لئے بھی لغوی، نحوی، عرفی سارے ہی دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس کا معنی تو بین یدیہ سے بھی عام ہے۔ تو اس سے مؤذن کے متصل منبر کھڑے ہونے کا ثبوت کیسے ہوگا۔ اور یہی حال لفظ علی کا ہے۔ تو اس موقف پر لفظ بین یدیہ عند اور علی سب بے دست و پا ہیں۔

مخالفین کے دعویٰ اجماع پر بڑی دلچسپ گرفت فرمائی ہے، امام مالک اور ان کے بہت سے متبعین کے نزدیک اندرون مسجد اذان خطبہ مکروہ و بدعت ہے۔ اور ائمہ احناف کے اقوال ہم بیان کرتے ہیں۔ تو کون سا اجماع ہے جو ان ائمہ کرام کے اختلاف کے باوجود متحقق ہوگیا! ؎

گر یہی بے خبری حضرت والا ہوگی ؎ تار و پود پدری سب تہ و بالا ہوگی

ادعائے توارث کے جواب میں آپ نے توارث کی مختلف قسمیں ان کے معانی اور احکام کی تحقیق فرمائی اور یہ ظاہر فرمایا کہ مسئلہ ما نحن فیہ میں تو توارث کی جڑ ہی منقطع ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اس کے خلاف عملدرآمد تھا۔ پھر اس کو توارث سے کیا تعلق؟ یہ تحقیق اس لائق ہے کہ علاحدہ سے یاد رکھی جائے دوسرے بہت سے مسائل شرعیہ کے حل میں اس سے مدد ملے گی۔ شاید غالب نے ایسے ہی موقع کے لئے کہا تھا۔

لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار ؎ خبر کرو میرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

مخالفین نے اعلیٰ حضرت کے ان قاہر دلائل سے زِچ ہو کر ایک جذباتی بات کہی۔

۔ اگر اذان اندرون مسجد خلاف شرع ہے۔ تو یہ اذان لامعلوم صدیوں سے عالم اسلام میں اندرون مسجد رائج ہے۔ اس طویل عرصہ میں ہزاروں ائمہ دین، علمائے ربانیین بزرگان اسلام، و اولیائے کرام ہو گذرے۔ کسی نے اسے منع نہیں کیا۔ تو کیا انہیں یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا؟ آپ ہی سب سے بڑے عالم ہیں۔ یا سب نے حق پوشی اور مداہنت فی الدین اختیار فرمائی۔ اور آپ ہی سب سے بڑے حق گو اور دیندار ہیں؟

اس جذباتی بات کا سیدھا جواب تو یہی تھا کہ منصوص مسائل کے خلاف کسی کے کلام یا خموشی سے سند نہیں پکڑی جا سکتی سند تو اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام سے ہے۔

لیکن آپ نے اس کے بجائے نہایت شیریں اور سنجیدہ تحقیقی جواب دیا۔ جس نے بھڑکے جذبات پر تسکین کا مرہم رکھ دیا۔ آپ فرماتے ہیں:

اذان بیرون مسجد کا یہ کوئی تنہا مسئلہ نہیں ہے۔ تاریخ اسلام میں بار بار ایسے مواقع آئے ہیں کہ لوگوں نے احکام اسلام کو پس پشت ڈال دیا۔ اور مدتیں بیت گئیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے کسی بندۂ خدا کو توفیق بخشی جس نے اس دینی مسئلہ کے احیاء کی کوشش کی۔ اس درمیان بہت سے علماء آئے جن سے کسی جدوجہد کا تاریخی ثبوت نہیں۔ ایسی صورت میں جدوجہد کرنے والے علماء و مشائخ تو اجر و ثواب اور مدح و تحسین کے مستحق ہیں۔ لیکن خموش رہنے والے علمائے دین پر بھی کوئی الزام نہیں ان کا عذر بھی معقول ہے۔

(۱) اہل حق غلط امور پر نکیر کرتے ہیں۔ لیکن ان نو ایجاد امور کی اشاعت کیلئے حکومت اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتی ہے۔

(۲) سرکش نفوس ان کے رواج دینے پر آمادہ ہوتے ہیں۔

(۳) علماء دین یہ خیال کرتے ہیں کہ لوگ اتباع نفس میں ایسا گرفتار ہیں کہ ہماری بات سننے کو

تیار نہیں۔ ہم اس سلسلہ میں ہدایت کا حق ادا کر چکے۔ اب ہم خموش بھی رہیں تو ہم پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ اور کچھ دنوں کے بعد لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہی متوارث ہے۔

آپ نے تاریخ اور شواہد سب کی مثالیں پیش کی ہیں پھر بڑے مزے میں مخالفین کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں۔ اس واقعی توجیہ میں ہمارا کوئی فائدہ تھوڑا ہی ہے، ہم نے اسے اس لئے بیان کیا ہے کہ اس میں آپ کے بھی بہت سے علماء و مشائخ اور اساتذہ کے سرسے امر بالمعروف نہ کرنے کا الزام دفع ہوتا ہے اگر آپ کو یہ توجیہ پسند نہیں تو آپ ہی کچھ کرکے دکھائیے۔ جذبات بھڑکانے سے کام نہیں چلے گا۔

مانو نہ مانو آپ کو یہ اختیار ہے ٭ ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

متفرق دلائل میں مندرجہ ذیل سات باتیں مخالفین نے ذکر کی ہیں۔

(۱) اثر جویبر جس میں تصریح ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی اذان مسجد سے باہر دلائی۔ اور فرمایا یہ اذان ہم نے اس لئے ایجاد کی ہے کہ دور کے مصلیوں کو اطلاع ہو جائے اور اذان خطبہ کے لئے سامنے دینے کا حکم فرمایا اور کہا کہ یہ اذان عہد رسالت میں اسی طرح ہوتی تھی۔

اس اثر سے یہ استدلال کیا کہ خارج مسجد کے مقابلہ میں لفظ سامنے سے بطور مفہوم مخالف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اذان داخل مسجد تھی اور زمانہ رسالت میں اس کا یہی دستور تھا۔

(۲) طلق ابن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اور ان کے ساتھی حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک جھوٹے کا تبرک لے کر اپنے علاقہ میں آئے، گرجا گھر کو ڈھایا۔ اور اس زمین پر وہ مبارک پانی چھڑکا اور اسے مسجد بنایا۔ اور اس میں اذان دی۔

(۳) حدیث عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کہ وہ اذان کا خواب دیکھ کر حضور صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ اور اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے اذان کا طریقہ خواب میں دیکھا

آپ نے حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت بلال کو حکم دیا کہ مسجد کی طرف جاؤ۔ یہاں مسجد کی طرف کا معنی مخالفین نے مسجد کے اندر قرار دیا۔

(۴) ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اعلان حج کا حکم دیا۔ آپ نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر حج کا اعلان کیا۔ روایت ہے کہ وہ پتھر اس وقت حرم کے اندر مطاف میں تھا۔

(۵) آیتِ قرآنی ہے۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰہِ ان یذکر فیہا اسمہ

اس آیت سے ظاہر ہے کہ مسجد کے اندر ذکر الٰہی سے روکنا بہت بڑا ظلم ہے۔ اور اذان بلاشبہ ذکر الٰہی ہے۔ تو اسے مسجد میں روکنا کیوں ظلم نہ ہوگا۔

(۶) حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک غلط فہمی سے استدلال۔

(۷) علامہ قہستانی نے شرح نقایہ میں فرمایا۔

۔ دوبارہ اذان خطیب کے سامنے دی جائیگی۔ یعنی منبر یا امام کے دائیں بائیں دونوں متوازی جہتوں کے درمیان امام سے قریب، تو موذن زاویہ قائمہ، زاویہ حادہ اور زاویہ منفرجہ جس میں کھڑا ہوگا سبھی صورتوں میں امام کے بین یدیہ ہوگا۔ اور یہ زاویے ان دونوں جہتوں سے نکلے ہوئے خطوط سے پیدا ہوں گے۔

اس عبارت پر پانچ مخالفین نے طبع آزمائی کی ہے۔

(الف) ایک شخص نے کہا قہستانی کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ موذن اور خطیب کے درمیان من کل الوجوہ محاذات ضروری نہیں۔

(ب) دوسرے نے قہستانی کے لفظ قریباً منہ سے سند پکڑی۔ اور موذن کے بالکل متصل منبر ہونے پر استدلال کیا۔

(ج) تیسرے نے جو ایک طالب علم ہے۔ موذن کے قریب منبر ہونے پر ہی استدلال کیا۔ اور ساتھ ہی ایک افتراء کیا کہ قہستانی کی عبارت میں لفظ قریباً منہ سے پہلے ای عند المنبر کا لفظ بھی ہے۔

(د) بقیہ دو نے اپنی ریاضی دانی کا ثبوت دیتے ہوئے قہستانی کے کلام کی یہ تقریر کی۔ مثلث کا وتر منبر کا عرض ہوگا۔ اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے منبر کا عرض دو ہاتھ تھا اب اگر اس کے دونوں کناروں سے اتنے ہی بڑے دو خطوط نکال کر ایک مثلث متساوی الاضلاع بنے تو اس مثلث کے تینوں زاویے حادہ ہوں گے۔ اور وتر اور زاویہ کہ اس کے درمیان دو ہاتھ سے کم کا فاصلہ ہوگا۔

اور اگر انہیں دو کناروں سے دو خط زاویہ حادہ سے نیچے ایسی جگہ ملا دیں کہ نقطۂ اتصال پر نوے ڈگری کا زاویہ پیدا ہو، تو یہ زاویہ قائمہ ہوگا۔ اور اس کے وتر کے درمیان سابق الذکر سے بھی کم فاصلہ ہوگا اور زاویہ منفرجہ کی صورت میں دونوں کناروں سے پیدا ہونے والے خطوں کا نقطۂ اتصال زاویہ قائمہ سے بھی نیچے ہوگا۔ اور زاویہ اور وتر کا فاصلہ اور بھی کم ہو جائے گا۔

اور بقول قہستانی موذن کے کھڑے ہونے کی جگہ انہیں تینوں زاویوں کے اندر ہے۔ تو لامحالہ موذن کا قیام منبر کے ملاصق ہوگا۔ کہ وتر اور زاویہ کا فاصلہ دو ہاتھ سے بھی کم ہے۔ اور انسانی قدم سوا بالشت کا ہوتا ہے۔

ہاں زاویہ حادہ کو مسجد کے صحن تک بھی لے جایا جا سکتا ہے۔ لیکن اتنی دوری پر اس زاویہ کی چوڑان اتنی کم ہو جائے گی کہ اس کے بیچ ایک پتلی لکڑی بھی نہ سما سکے۔ تو اس میں موذن کے دونوں قدم کیسے سما سکینگے؟ اس لئے امکانی صورت وہی ہے جو ہم نے اوپر تحریر کی۔ اور اس صورت میں موذن کا ملاصق منبر ہونا ضروری ہے۔

(ا) اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے اثر جو سبر پر آٹھ رخ سے کلام کیا اور مخالفین کے استدلال کو تحت الثریٰ میں پہونچا دیا۔

- اس اثر کا لفظ۔ سامنے، بطور مفہوم مخالف ہی سہی، متصل منبر کے معنی میں متعین نہیں، کیونکہ

مسجد کے تین اطلاق ہیں جیسا کہ گذشتہ اوراق میں بیان ہوا۔ اور اذان اول بالاتفاق تینوں اطلاقات سے باہر دلائی گئی۔ تو اس کے اعتبار سے سامنے کا مطلب دوسرا اور تیسرا اطلاق بھی ہو سکتا ہے۔ جس کے ہم خود مدعی ہیں۔

- یہ اثر حدیث ابن اسحاق کے مقابلہ میں پرکاہ کے بھی برابر نہیں۔ حدیث ابن اسحاق صحیح ہے۔ اور یہ اثر منقطع۔ گویا فرمن المطر وقام تحت المیزاب والی صورت ہے کہ حدیث صحیح سے فرار اختیار کیا۔ اور اثر منقطع کو تسلیم کر لیا۔
- ان بھلے مانسوں نے فتح الباری سے یہ اثر نقل کیا۔ اور صاحب فتح نے اس پر جو جرحیں کی تھیں۔ ان سے صاف آنکھیں بچا گئے۔
- یہ اثر مشہور روایات کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اس میں ہے کہ اذان اول کی ابتدا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی اور یہ امر مسلّم ہے کہ اس کی ایجاد و ابتداء کا سہرا حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہ کے سر جاتا ہے۔ وغیرہ

(۲) حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے سلسلہ میں آپ نے فرمایا کہ یہ اور اس قسم کی دوسری حدیثوں کا جواب دینے کی ہمیں ضرورت نہیں خود ائمہ فقہ و حدیث نے یہ جواب دیا ہے کہ ایسی حدیثوں میں فی المسجد کا مطلب فی حدود المسجد ہے۔ لکراھۃ الاذان فی المسجد (فتح القدیر دا تعالی) یہاں صاحبان کی کیسی دیدہ دلیری ہے کہ مسئلہ اذان میں احناف کا مسلک معلوم جن حدیثوں سے مسجد کے اندر اذان ہونے کا شبہ ہو ائمہ کی طرف سے اس کا جواب معلوم اور خود حنفی ہونے کے مدعی پھر بھی خلاف مذہب پر اصرار بھی ہے۔

(۳) یہی حال حدیث عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اس کے الفاظ تو یہ ہیں اخرج مع بلال الی المسجد بلال کے ساتھ مسجد کی طرف جاؤ اور ان مستدلین نے اس کو مسجد میں جاؤ بنا لیا۔ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اُخرج اور یہ کہتے ہیں

اُدخل آپ نے فرمایا الی المسجد، اور ان کی رائے ہے کہ فی المسجد۔ ایسے ہی حضرات کے لئے فرمایا گیا یحرفون الکلم عن مواضعہ۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر اعلان حج کرتے اور اس مقدس پتھر کے اس وقت مسجد حرام میں ہونے کے سلسلہ میں آپ نے ایک طویل بحث فرمائی ہے جسے پڑھ کر مخالفین پر ترس آتا ہے کہ جب ان کو تفصیل معلوم نہ تھی تو زبان کھولنا کیا ضروری تھا۔

(۵) یونہی اذان کے ذکر الہی ہونے اور مسجد میں اس کے روکنے کی بحث بھی بہت دلچسپ ہے۔ ہم تو یہ سمجھے تھے کہ مخالفین نے اپنی کم فہمی سے ذکر اور رفع ذکر میں فرق نہیں سمجھا۔ مگر اعلیٰحضرت کی تفصیل سے یہ معلوم ہوا یہ تجاہل عارفانہ ہے۔

(۶) اب حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی غلط فہمی کا حال ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کے اکثر ماننے والوں کے نزدیک مسجد کے اندر خطیب کے سامنے اذان دینا مکروہ ہے۔ اور دیگر اذانوں کی طرح اس کو بھی منارہ پر دینا مسنون ہے۔ ان کے نزدیک روایتوں سے ایسا ہی ثابت ہے۔

مگر محققین مالکیہ کو اس سے اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک بھی اذان خطبہ خطیب کے سامنے ہی مسنون ہے۔ اپنے جمہور کے خلاف انھوں نے اسی حدیث ابن اسحاق سے استدلال کیا۔ مگر نام بخاری کا لیا۔ کیونکہ یہی روایت بخاری میں ہے۔ لیکن اس میں بین یدیہ کا لفظ نہیں ہے۔ اس پر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور مالکیہ کی تائید اور محققین مالکیہ کی رد میں یہ کہا کہ بخاری جس کا نام ان حضرات نے بین یدیہ کی تائید میں لیا۔ اس میں تو بین یدیہ کا لفظ ہی نہیں۔ اور انھوں نے یہ سمجھا کہ حدیث ابن اسحاق میں آئے ہوئے لفظ علی باب المسجد سے جانب شمال کا کوئی دروازہ مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ شمالی دروازہ جو منبر کے سامنے تھا حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سے ڈیڑھ سو سال پہلے بند ہو گیا تھا۔ اس لئے لامحالہ یہ دروازہ شرقی

یا مغربی دیوار میں رہا ہوگا۔ ایسی صورت میں لفظ علی باب المسجد اور لفظ بین یدیہ میں تعارض ہوا اور حنفی ہونے کے ناطے ان کا مذہب بھی یہی تھا کہ اذان خطیب کے محاذات میں ہونی چاہیے۔ اس لئے علی باب المسجد اور بین یدیہ کے درمیان تطبیق کے لئے فرضی احتمالات قائم کئے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :

ممکن ہے عہد رسالت میں مسجد کے دروازہ پر اذان کے بجائے کوئی اعلان ہوتا رہا ہو۔ اور وہی اعلان اذان عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اصل ہو۔ اور اذان خطبہ ہمیشہ خطیب کے سامنے دی جاتی رہی ہو۔ اس پر اعتراض ہوا کہ اذان اول کے بارے میں تو روایتوں میں ہے کہ اس کی ایجاد حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے کی تو پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کے ہونے کا کیا مطلب ؟ تو اس کے دفعیہ کیلئے آپ نے ایک اور احتمال کا سہارا لیا۔ ممکن ہے حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آخری عہد میں یا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی یہ اعلان بند ہو گیا ہو۔ پھر حضرت عمر یا حضرت عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسے اذان کی صورت میں جاری فرمایا ہو۔ اور اسی کو ایجاد سے تعبیر کیا ہو۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان احتمالات کے لئے نہ کوئی تاریخی شہادت فراہم کی نہ احادیث سے ثبوت دیا بلکہ یہ احتمالات جس تعارض کو رفع کرنے کے لئے بیان کیا تھا۔ خود وہ بھی تو سراسر غلط فہمی کی پیداوار تھا۔ کیونکہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اس ایک اذان خطبہ کے لئے ہی باب المسجد اور بین یدیہ دونوں لفظ بول رہے ہیں۔ تو اس کو اعلان اور اذان دو الگ محل پر حمل کرنے کا کیا جواز ؟ مگر ڈوبنے والے ہمیشہ تنکے کا سہارا لیتے آئے ہیں۔ کچھ یہی حال ان اذانی حضرات کا تھا۔ ایک صاحب فرماتے ہیں۔ ملا علی قاری علیہ الرحمہ تصریح فرماتے ہیں کہ دروازہ پر اعلان ہوتا تھا اور منبر کے پاس خطبہ کی اذان ہوتی تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اور علامہ قہستانی کی عبارت سے غیر ریاضی داں حضرات کا استدلال از قسم بین یدیہ وعلی المنبر۔ عند المنبر اور قریبا منہ تھا۔ جس کا جواب گذشتہ اوراق میں بھرپور ہو چکا ہے۔ البتہ ریاضی داں حضرات کی نکتہ آفرینیوں پر آپ نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اور اس کے لئے پانچ مقدمات ترتیب دیئے ہیں۔ جس میں دو مقدمات لغوی اور فقہی مباحث میں ہیں۔ اور تین مقدمات میں ریاضی کے اصول سے بحث کی ہے۔

پہلے مقدمہ میں آپ نے عقلی اور نقلی دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ بین یدیہ میں ہ کی ضمیر کا مرجع خطیب ہے، اگر کسی عبارت میں منبر کی تصریح بھی ہے تو وہاں مجازی اطلاق ہے۔ مراد اس سے بھی خطیب ہی ہے۔ اس کے بعد آپ فرماتے ہیں پس آپ نے جو منبر کی چوڑان کو مثلث متساوی الاضلاع کے وتر کی لمبان قرار دیا تھا۔ اس میں آپ کو ترمیم کرنی پڑے گی۔ اور وہ بجائے دو ہاتھ کے خطیب کے دونوں مونڈھوں کے بیچ کی چوڑان ہو گی جو عموماً ایک ہاتھ مانی جاتی ہے۔ اور اس پر جو مثلث زاویہ قائمہ والا یا زاویہ منفرجہ والا بنایا جائے گا۔ اس کے وتر اور زاویہ کے درمیان کی لمبان ایک بالشت اور اس سے بھی کم ہو گی۔ اور انسان کا قدم ایک بالشت سے زائد ہوتا ہے۔ پس آپ کے مفروضہ کی بنیاد پر کہ یہ مثلث منبر سے متصل ہی بنائے جائیں، اور موذن اس کے اندر کھڑا ہو تو زاویہ قائمہ اور زاویہ منفرجہ کی صورت میں موذن اس کے اندر کیسے کھڑا ہوگا۔ جب اس کے اندر پاؤں رکھنے بھر جگہ ہی نہیں۔ حالانکہ علامہ قہستانی کے قول کے بموجب تینوں زاویوں میں کھڑے ہوکر اذان دی جائیگی۔ اور اسی کو انھوں نے اذان بین یدیہ خطیب مانا ہے۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان تینوں مثلثوں کے مقام حدوث میں بھی۔ اور یہ جو آپ نے ان تینوں زاویوں کو ایک ہی خط وسطی مستقیم پر تلے اوپر فرض کیا ہے۔ اس میں بھی آپ نے قہستانی کے بیان مرادیں غلطی کی ہے۔

علامہ قہستانی نے دراصل یہاں موذن اور خطیب کا درمیانی فاصلہ بتانے کے لئے تینوں زاویوں کا ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ وہ موذن کے خطیب کے استقبال کرنے کی حد بتانا چاہتے ہیں۔ فاصلہ کی حد تو حدیث و فقہ سے متعین ہو چکی ہے کہ خارج مسجد ہے، اور علامہ قہستانی بھی لفظ قریبا سے اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔ یہاں تو علامہ قہستانی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ موذن کا خطیب کی ناک کے بالکل سیدھ میں حاذ وسط پر زاویہ قائمہ پر کھڑا ہونا ضروری نہیں اس کے دائیں بائیں جہاں زاویہ حادہ یا منفرجہ پیدا ہوں وہاں بھی کھڑے ہوں تو خطیب کے محاذی ہوں گے، جس طرح استقبال قبلہ کے سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ کعبے باہر والے ٹھیک سمت قبلہ سے ۴۵۔۴۵ درجہ کے اندر دائیں بائیں مڑ کر کھڑے ہوں تب بھی وہ قبلہ کا ہی استقبال کرنیوالے مانے جائیں گے۔ اور ان کی اس طرح پڑھی ہوئی نماز قبلہ کے رخ پر مانی جائے گی۔ آپ نے اقلیدس کی عملی مثالوں سے اپنے بیان کی وضاحت کی ہے۔ اور دعویٰ کو مقام اثبات تک پہونچایا ہے۔ اور مخالفین پر حجت تمام کر دی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ جو شخص انصاف و دیانت اور غیر جانبداری کے ساتھ آپ کے بیان کا بغور مطالعہ کرے گا۔ تو اسے محدث اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد صاحب اشرفی جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح کہنا پڑے گا کہ ۔ اللہ تعالیٰ نے بمعیۃ حاضر حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبان و قلم کو حضرت شیخ محقق مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی۔ اور حضرت علامہ بحرالعلوم ملا عبدالعلی فرنگی محلی علیہما الرحمۃ والرضوان کی طرح اپنی حفاظت میں لے لیا تھا۔ اور انہیں خطا سے محفوظ کر دیا تھا۔ (المیزان بمبئی امام احمد رضا نمبر)

یہاں تک پہونچ کر اعلیٰ حضرت نے دعائے خاتمہ اور درود و سلام کے بعد آخری دستخط بھی فرما دیئے تھے۔

قالہ بفمہ ورقمہ بقلمہ احد کلاب باب القادری عبدہٗ احمد رضا محمدی حنفی السنی البریلوی حفظ لہ ــــــــ اپنے منہ سے کہا اور اپنے قلم سے لکھا سگ بارگاہ قادریت اور اسکے

ایک غلام احمد رضا المدی حنفی سنی بریلوی نے اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کرے ۔ آمین

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مندرجات پر مخالفین کو بھی اطلاع ہوئی تو ان حضرات نے پناہ کیلئے ایک نیا حیلہ تراشا ۔ اور ایک تحریر شائع کی کہ ۔ اہل بریلی نے قرب اور بین یدیہ کی تحقیق میں جو کچھ تحریر کیا ہے ۔ اس کا تعلق یا تو علم قرآن اور تفسیر سے ہے ۔ یا علم حدیث اور اسکی شروح سے ہے ۔ یا علم فقہ اور علم اصول سے ہے ۔ یا علم لغت و متعلقات سے ہے ۔ لیکن مسئلہ اذان میں ہم جو معنی مراد لے رہے ہیں اس کا تعلق مذکورہ بالا کسی علم سے نہیں ، یہ معنی تو عوام کے عرف میں مراد لئے جاتے ہیں ۔

پس ان علوم کے مسلمات سے ہمارے مدعا کے خلاف استدلال کیسے صحیح ہوگا ؟ منزل پر پہونچنے کے بعد فوراً سفر کس درجہ شاق گذرتا ہے مگر اعلیٰ حضرت کا اشہب قلم کیسا رخس راہوار ہے کہ اس کیلئے تنگی و ملال شکستگی و کلال کا کوئی سوال ہی نہیں ۔ فوراً ہی آپ نے آٹھ دس فلس کیپ سائز صفحات کا ایک ضمیمہ بائیسویں نفحے کے نام سے کتاب کے آخر میں شامل کر دیا ۔

ہماری زبان میں جس کا ابتدائیہ یوں ہے کہ پناہ کیلئے آپ نے لومڑی کا سوراخ ضرور تلاش کر لیا ۔ لیکن انسان کی سمائی بھلا کہیں لومڑی کے بل میں ہوئی ہے ۔ اس تحریر نے تو خود آپ کی بنیاد ہی ڈھادی ۔ کیونکہ آپ کا یہ عرف خانہ زاد عوام جب کسی علم کے دائرے میں آتا ہی نہیں تو

(الف) آپ اس کو ثابت کیسے کریں گے ؟

(ب) پھر آپ نے اس کے ثبوت کیلئے مفردات راغب ، کشاف ، اور مدارک کا حوالہ کیسے دیا ؟

(ج) یہ الفاظ احادیث و ائمہ فقہ کے کلام میں وارد ہیں ۔ تو جو معنی ان کے عرف میں ہیں انکیں مراد نہ لے کر عوام کے خود ساختہ عرف کو ان کے سر تھوپنا کہاں کی دانشمندی ہے ؟

اسی طرح کی سات آٹھ گرفتیں فرمائیں۔ پھر نہایت تفصیل سے قرب کے معنی کی تحقیق، اس کے اقسام کا بیان۔ محل استعمال سے معنی کی تعیین کی آٹھ دس مثالیں اسی خوش اسلوبی اور حسن بیان کے ساتھ آپ نے تحریر فرمائی ہیں۔ کہ انصاف پسند پڑھنے والا انگشت بدنداں رہ جاتا ہے اور اس اعتراف پر مجبور ہونا پڑتا ہے کہ بے شک یہ تائید الٰہی ہے۔

آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں   غالبؔ صریر خامہ نوائے سروش ہے

اس گنج شائیگاں کے منصۂ شہود پر آنے کا اصلی کریڈٹ تو نبیرۂ اعلیٰ حضرت حضرت علامہ توصیف رضا خاں صاحب کو جاتا ہے کہ اس کی تبییض وتحقیق وترجمہ کے لئے انھوں نے مجھے آمادہ کیا۔ لیکن اسے چھاپنے اور عام اہلسنت کے ہاتھوں تک پہونچانے کا سہرا قسمت نے عالی جناب شیدائے مفتی اعظم محمد سعید صاحب نوری رضا اکاڈمی بمبئی کے سر پر باندھا۔ کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ اور بعض تحریر پہلی باران کے ذریعہ اہل اسلام تک پہونچ رہی ہے۔

اور اس سلسلہ میں جو بھی حقیر خدمت سراپا تقصیر راقم الحروف نے کی ہے۔ یا اللہ تو اس کا اجر وثواب اپنی رحمت کے حساب سے دے اور یہ ثواب میرے مربی کریم حضور احسن العلماء سیدی مصطفیٰ حیدر حسن مارہروی رحمۃ اللہ علیہ اور میرے استاذ کریم اور مرشد گرامی حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو پہونچا۔ فقط۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر ہم اس موقع پر حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین صاحب اور حضرت مولانا آل مصطفےٰ صاحب اور مولانا ممتاز احمد صاحب کا نام نہ لیں۔ اول الذکر نے ریاضی سے متعلق تحریر کا ترجمہ فرمایا اور بقیہ دو حضرات نے تصحیح اور تقابل میں مدد فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ بالخصوص حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب اشرفیہ مبارکپور جو اس پورے سفر میں قدم بقدم میرے ساتھ رہے۔

عبدالمنان اعظمی
جامعہ شمس العلوم گھوسی۔ مئو

ضمیمہ

مکتوب (۱۹)

بنام نواب سید سردار علی صاحب بہادر حیدر آباد دکن، مرسلہ ۲۴ر ذوالحجہ ۱۳۳۴ھ

اب تھوڑا سا حال محمد میاں سلمہ کے رسالہ شایع کرنے کی ضرورت کا تحریر کرتا ہوں۔

دبدبہ سکندری رامپور میں یہ مسئلہ طبع ہو کر مارہرہ پہونچا۔ مہدی حسن نے اول دیکھا مجھے نماز جمعہ کے وقت دکھا کر کہا گیا کہ مسئلہ بہت مدلل معلوم ہوتا ہے ہم اپنی مسجد میں اس پر عمل کرانا چاہتے ہیں۔ میں نے بھی دیکھا واقعی استناد کے ساتھ تھا میں نے اسے دیکھ کر کہا کہ میں اس کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا جب کتابیں دیکھ لوں گا کہوں گا مگر میں بادی اس وقت نہیں ہو سکتا اگر آپ لوگ شروع کراتے ہیں تو میں مانع بھی نہیں ہوں بہرحال اس جمعہ کو اذان فصیل مسجد پر ہوئی۔ اس کے بعد میں نے اور محمد میاں سلمہ نے گھر پر آ کر جہاں تک اپنا علم اور فہم تھا۔ اس حد تک اس مسئلہ کی تنقید کی بالکل صحیح معلوم ہوا اس کے بعد سے برابر مسجد خانقاہ برکاتیہ میں سرکار کلاں و خورد میں اذان جمعہ بیرون مسجد ہونے لگی۔ اس کے بعد وہابیان بریلی اور کانپور وغیرہ کے اور بعض رامپوریوں کے رسائل وغیرہ اس فتوے کے خلاف میں آئے مگر بالکل نامضبوط باتوں سے بھرے ہوئے اصلاً کوئی مضبوط استناد ان میں نہ تھا ان کے دیکھنے سے زیادہ تر وثوق فتوائے اذان بیرون مسجد پر ہوا بہرحال ہماری مسجد میں اذان باہر ہی ہوتی رہی یہاں تک کہ عرس شریف اخی الاعظم حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہ کا وقت آیا اور اس میں بغرض شرکت مولانا عبد المقتدر صاحب مع اپنے اعزہ مولوی عبد القدیر صاحب و مولوی عبد الماجد اور محب احمد صاحب اور

ان کے صاحبزادے وغیرہ صاحبان متوسلان مدرسہ عالیہ قادریہ آئے اور مولانا مولوی احمد رضا
خاں صاحب بھی آئے ۔ مولانا عبدالمقتدر صاحب مع اپنے بعض ہمراہیوں کے فقیر کے تکیہ پر
مقیم ہوئے اور مولانا احمد رضا خاں صاحب مہدی حسن کے مکان پر مقیم ہوئے ایام قیام میں
ایک روز مولوی محب احمد نے تذکرہ اس مسئلہ کا چھیڑا جناب مولانا صاحب بھی تشریف فرما
ہیں میں نے فہم ناقص کے موافق جواب دیئے۔ برخوردار محمد میاں سلمہ بھی آگیا اس نے بھی جواب
دیئے ۔ ہمارے جواب لاجواب دیکھ کر مولوی محب احمد نے اپنی تقریر کا رخ بدل کر ایسے کلام
کیے، جس سے معلوم ہوا کہ ہمیں کچھ بیجا ذاتی طرفدار مولوی احمد رضا خاں صاحب کا جانتے ہیں ۔
اس پر میں نے کہا کہ آپ خوب سمجھ لیں کہ مراسم محبت و مروت اور تعلیم اور تعلم و قدامت وکشتہ
توسل جو فقیر کو حضرات اکابر مدرسہ قادریہ کے ساتھ ہے اس کا عشر عشیر مولوی احمد رضا خاں صاحب
سے نہیں اور نہ ہو سکتا ہے بلکہ معاملات دنیاوی میں تو مولوی احمد رضا خاں صاحب ہمارے
اعزہ مخالفین کے ساتھ ہیں ۔ مگر یہ معاملہ دینی ہے اگر ہمارا جانی دشمن بھی دین کے امر میں
حق پر ہوگا تو ہم کیا بلکہ سب سچے مسلمان اس کے ساتھ ہوں گے ۔ بفضلہ تعالیٰ یہاں اس
وقت سب پڑھے لکھے ہوئے صاحبوں کا مجمع ہے ۔ ہمیں اقوال مفسرین و محدثین و فقہا سے
اس مسئلہ کو اپنا سا سمجھا دیجئے ۔ ہم پھر سمجھ کے اندر اذان دلوانے لگیں گے اور بہتر تو یہ ہے کہ
اس وقت آپ دونوں طرف کے صاحب یہاں تشریف فرما ہیں ۔ اور اپنے آپ کو اس آستانہ
کا خادم متوسل سمجھتے ہیں اور ہم سب آپ دونوں کو اپنے خاندان کا رکن رکین سمجھتے ہیں ۔
دونوں طرف والے بالمواجہ بیٹھ کر اس مسئلہ کو صاف کرلیں مگر محب احمد صاحب اور انکے
صاحبزادہ وغیرہم نے اس میں طرح طرح کی گریزانہ گفتگو کرکے مولانا صاحب کو اس پر نہ
آنے دیا۔ میں نے مولانا صاحب سے کہا کہ آپ ان سے اگر بالمواجہہ کلام فرمانا نہیں چاہتے تو
اپنا مسئلہ آپ ہم ہی کو سمجھا دیں اس کے مستند دلائل بتا دیں تو ہم جا کر مولانا احمد رضا خاں صاحب

سے کہیں کہ آپ اپنی رائے کو واپس لینے کا اظہار کیجئے۔ اور اگر وہ جواب مدلل دیں تو آپ سے عرض کریں آپ مان لیں اس پر بھی لوگوں نے مولانا صاحب کو نہ آنے دیا مولانا صاحب نے فرمایا کہ اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا تکدر بڑھے گا میں نے کہا کہ اس سے ضرور اس قدر فائدہ ہوگا کہ اگر وہ خواہ مخواہ آپ کے دلائل نہ مانیں گے تو لوگوں پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ برخلاف انصاف ہیں۔ اور کم از کم فائدہ یہ ہوگا کہ ہم لوگ تو مسئلہ کی حقانیت سمجھ جائیں گے مگر مولانا صاحب نے کچھ توجہ نہ کی اس مسئلہ کا ذکر ہی چھوڑ کر اور باتیں ہونے لگیں اس کے بعد مولانا صاحب کئی روز یہاں تشریف رکھتے رہے مگر تصفیہ پر آمادہ نہ ہوئے یہاں سے تشریف لیجانے پر چند روز کے بعد ایک فتویٰ مولوی ابراہیم کی جانب سے شائع ہوا جس کے مصدقین میں مولانا صاحب بھی تھے اس میں یہ لکھا تھا کہ صاحبزادگان مارہرہ کے کہنے کے بموجب تحریر ہوا اس فتوے میں بھی بالکل دلائل مضبوط نہ تھے وہی تھے جو دہابیان بریلی وغیرہ یا مخالفان رامپور وغیرہ نے لکھے تھے اور جن کارد اہل تحقیق نے بہت واضح اور لائح کر دیا تھا مگر اس فتویٰ کا جواب نہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے لکھا اور نہ ہم لوگوں نے کچھ عرض کیا[۱] کہ ہم نے جو عرض کیا تھا وہ کب مانا گیا ہم نے فتویٰ تحریر کرنے کو کب کہا تھا اور فتویٰ بھی ایسا کہ جو ہمارے مدرسہ عالیہ کی شان علمی کی بالکل لائق نہیں ہے۔ اس خاموشی پر لحاظ نہ کر کے پھر دوسرا اشتہار صاحبان مدرسہ نے لکھا تیسرا رد لکھوایا مگر ہم لوگوں کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوئی مولوی احمد رضا خاں صاحب کی طرف سے تیسرے رد کے بعد رد و جواب ہوا جو مارہرہ میں حضرت

۱۔ صرف فقیر راقم نے ایک خط اس فتویٰ کے لکھنے والے مفتی صاحب کو لکھا تھا جس میں یہ امر ان کو دکھایا گیا تھا کہ ہم نے کس چیز کا اصرار کیا تھا اور اس کو آپ نے کس حد تک مانا پھر خواہ مخواہ اس کی تحریر و اشاعت کا باعث ہمیں کیوں بتایا جاتا ہے۔ اس سے زائد اسی فتویٰ کا رد و جواب کچھ نہیں لکھا تھا۔ محمد میاں

بھائی صاحب قدس سرہ کے عرس ۱۳۲۳ھ میں شائع ہوا مولانا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس عرس میں نہ تھے ہم لوگوں نے اس سے کوئی حصہ نہیں لیا کہ دونوں صاحب جانیں اور سمجھیں۔

مولوی احمد رضا خاں صاحب والے اس اشتہار کا جواب مولوی عبد الماجد صاحب نے عرس ہی میں قلمی عبد الواحد کے نام لکھا جس کو غلام شبر صاحب فقیر کے پاس لائے میں نے اسے دیکھا اور غلام شبر صاحب سے کہا کہ اس میں جواب تو کسی مسئلہ کا ہے نہیں صرف مولوی احمد رضا خاں صاحب کو سب وشتم ہے میری رائے میں تو اس کا اس قدر جلد اور بے سوچے شائع کرنا نہیں چاہیئے بلکہ بجائے اس کے یہ ہونا چاہیئے کہ آپس میں جو ذاتی کوئی رنج ہو وہ صاف کر لیا جائے اور مسئلہ کو بھی بلا نفسانیت یکے بعد دیگرے صاف کر لیں تو بہت اچھا ہے۔ غلام شبر صاحب نے بھی میری اس رائے کی پسندیدگی ظاہر کی اور کہا کہ اچھا ابھی شائع نہ ہوگا میں نے یہ بھی کہا کہ اگر شائع بھی ہو تو اس میں یہ فقرہ نہ ہو کہ جس کا مفہوم اور محصل یہ ہے کہ صاحبزادوں میں سے جو اس مسئلہ میں اس پر ہیں۔ کہ اذان مسجد سے باہر ہو وہ فریب اور چکر میں ہیں۔ کیونکہ جب یہ ہوگا تو ہمیں بھی مزید لکھنا ہوگا۔ کہ ہم فریب اور چکر میں نہیں بلکہ ہمیں تحقیقات علمائے سلف اور محققین مذہب کے اتباع سے یہ مسئلہ اسی طرح سے حق معلوم ہوتا ہے۔ غلام شبر صاحب وعدہ عدم اشاعت کر کے چلے گئے مگر بعد کو معلوم ہوا کہ وہ اشتہار قلمی لکھوا کر شائع کر دیا گیا اور ایک درگاہ معلیٰ کے بڑے دروازہ خانقاہ پر چپکا دیا گیا۔ اس اشتہار کو جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ جو چوٹ اپنے مخدوم زادوں پر کی گئی تھی۔ وہ بدستور ہے عبد الماجد صاحب تو ملے نہیں، کیونکہ وہ موافق اپنے بزرگوں کے طریقہ کے صاحبان سرکار خورد سے مراسم بہت زیادہ رکھتے ہیں اور انھیں سے ان کو دلچسپی ہے مگر جو صاحب ملے ان سے کہا گیا کہ عبد الماجد صاحب نے بیکار ہم فقیروں کو بھی اپنے خلاف کچھ لکھنے پر مجبور کیا اور باوجود منع کرنے کے ہم پر چوٹ کی کہ جس سے عوام کی نظر میں ہمارا فریب اور چکر میں پھنسا ہونا ظاہر ہوتا ہے لہٰذا وہ دلائل کہ جن سے ہم اس

مسئلہ کو حق جانتے ہیں۔ لکھ کر پیش کرنا پڑیں گے۔ یہ سبب محمد میاں کے رسالہ لکھنے کا ہوا اور ہنوز محمد میاں سلمہ اللہ تعالیٰ نے رسالہ مکمل نہیں لکھ لیا تھا کہ بدایوں اپنے خسر کے طلبیدہ گئے مولانا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے وہاں بھی اس کا ذکر آیا محمد میاں سلمہ نے بمواجہہ مولانا صاحب و مولوی عبدالقدیر صاحب و دیگر صاحبان مدرسہ کہا کہ آپ سب صاحب اس مسئلہ کو مجھے سمجھا دیں۔ جو حق ہوگا وہ بلا نفسانیت مان لوں گا مگر کسی صاحب نے کچھ مسکن جواب نہ دیا اور واقعی یہ ہے کہ یہ مسئلہ از روئے تحقیق بھی یہی ہے کہ اذان خارجِ مسجد ہو اگر حضرت تاج الفحول قدس سرہٗ اس وقت پردہ فرمائے ہوئے ہماری ظاہری نظروں سے نہ ہوتے تو اس مسئلہ کو اور زیادہ قوی دلیلوں سے ثابت فرما دیتے کہ اذان مسجد کے باہر ہی چاہیے محمد میاں سلمہ نے بعد واپسی بدایوں رسالہ کی تکمیل کی اور طبع کرا کر مولانا صاحب کی خدمت میں جو اپنی تحقیقات تھی بھیج دی اس رسالہ کا نام مبحث الاذان ہے اگر آپ کے پاس ہو تو اس کو دیکھئے کہ اول سے آخر تک جناب مولانا صاحب کی کہیں خدانخواستہ توہین یا اہانت ہے بلکہ مولانا صاحب سے تو روئے خطاب بھی نہیں۔ عبدالواحد وغیرہ سے بکمال تہذیب ان کے استدلالات کے ضعف اور اپنے دلائل کی قوت بیان کی ہے یہ رسالہ مولانا صاحب کی خدمت میں چار ماہ قبل از وصال پہونچایا گیا تھا۔ مولانا صاحب نے اس کو دیکھا مگر کسی طرح کا اپنا تکدر و ملال ہم پر ظاہر نہیں کیا یہاں تک کہ مولانا صاحب کا انتقال ہوا اس کے بعد مولوی عبدالماجد نے چند اور صاحبوں کی کوشش مجموعی کے ساتھ اس کا جواب تصنیف فرمایا جو ایک الٰہی کے طالب علم عبدالواحد کے نام سے چھپا اور اس میں کلمات خلافِ تہذیب اور شان اپنے پیرزادوں کے تحریر فرمائے ہیں اس کا گلہ نہیں۔ ہاں ان کا یہ رسالہ اگر ان کے والد ماجد شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے لے کر ان کے جد الامجد حضرت مولانا مولوی عبدالمجید صاحب قدس سرہم دیکھتے اور حیات ظاہری میں دنیا میں تشریف فرما ہوتے۔

توعبدالماجد صاحب کو معلوم ہوتا کہ وہ حضرات مدرسہ کے لڑکوں کے نام سے اپنے بزرگوں کو ایسا سب وشتم کرنے سے راضی ہیں یا ناراض اور اب بھی جس کی چشم بینا ہے وہ رضامندی اور ناراضی ان حضرات کی معلوم کر سکتا ہے۔ آپ مبحث الاذان اور اس کا یہ جواب مباحث الاذان دونوں دیکھئے اور اگر پاس نہ ہوں تو مجھ سے منگوا کر دیکھئے تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ محمد میاں سلمہٗ نے صرف ایک فرعی مسئلہ میں دلائل اپنے مضبوط پا کر اس مسئلہ کو غیر مضبوط سمجھنے والوں اور اسے فریب و پیچ میں پھنسا ہوا بنانے والوں کو نہایت تہذیب سے سمجھایا ہے۔

(اہلسنت کی آواز جمادی الثانی سنہ ۱۳۷۶ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حمد اس وجہ کریم کو جس کا یہ اعلان ہے کہ سب تعریفیں میری ذات کے لئے ہیں۔
اور افضل ترین درود و سلام اس ذات گرامی پر جس کے نام نامی کا اعلان اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی بلندیوں، اور زمینوں کی پستیوں میں فرمایا۔ اور روز قیامت کی بھیڑ میں اولین وآخرین سے منتخب فرماکر آپ کو اپنی مخصوص حمد و ثنا، کی اجازت اور اذن دے گا۔
اور آپ کی آل واصحاب پر، اور آپ کے فرزند غوثِ اعظم پر۔ اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ساری امت پر۔ آمین۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد! یہ چند سطریں ہیں، بظاہر تھوڑی اور مختصر، مگر ان میں اذان خطبہ سے متعلق علوم و فنون کا سمندر سمٹا ہوا ہے۔ ہم نے جس کا نام۔ ندائے منبر کے آداب میں عنبر کے شمامے۔ رکھا۔ جس سے ہمارا مقصد حدیث رسول صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور فقہ حنفی سے روشن ہونے والے تابناک حقائق کو جملہ علمائے اہلسنت عموماً اور خصوصاً علمائے حرمین شریفین کی خدمات عالیہ میں پیش کرنا ہے (اللہ تعالیٰ انھیں توفیق خیر عطا فرمائے، اور قیامت تک ان سے مذہب حق کی حفاظت وحمایت کا کام لے) تاکہ ہم رسول انام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک مردہ سنت کی احیاء میں ان سے مدد حاصل کریں۔

یہ بندۂ عاجز اپنے جلیل و بزرگ پروردگار کے وجہ کریم کے جلال، اور اس کے حبیب

لبیب کے چہرۂ جمیل کی پناہ ڈھونڈتا ہے ایسی آنکھوں سے بھی جو انصاف کو نہ دیکھ سکیں۔
اور ظلم و اختلاف کا ارادہ رکھیں۔ نہ کہ وہ جو رسم و رواج کی پابندی میں ثابت قدم ہوں، اور
حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کریم پر اس کو ترجیح دیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

بندہ اپنے رب حلیم سے مدد مانگتے ہوئے (کہ وہی اچھا مددگار ہے) پھر اپنے حبیب
رؤف رحیم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین کی حمایت چاہتے ہوئے۔ حمد و صلاۃ
سلام و تشہد پڑھتے ہوئے، عرض پرداز ہے۔

اے ہمارے سردارو۔ اور بھائیو، (اللہ تعالیٰ ہم پر اور آپ پر رحم فرمائے، اور ہم
سب کو سلامتی کے ساتھ زندہ رکھے) آپ خوب جانتے ہیں کہ تمام باتوں سے بہتر خدا کی کتاب
ہے۔ اور تمام سیرتوں سے برتر سیرتِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اور سب چیزوں سے
بُرے وہ نو ایجاد ہیں (جن کی دلیل قرآن و حدیث سے نہ ہو) پسندیدہ چیز پسندیدہ
ہی رہے گی، چاہے لوگ اسے ناپسند کریں۔ اور ناپسندیدہ چیز ناپسندیدہ ہی رہے گی،
چاہے سب لوگ اس میں مبتلا ہوں۔

بہت ساری ناپسندیدہ باتوں کی سرگزشت یہ ہے کہ پیدا ہو کر پھیل جاتی ہیں۔
اہل حق اس پر نکیر بھی کرتے ہیں، لیکن یہ رد و قدح ضائع ہو جاتی ہے۔ جس کے چند اسباب
ہوتے ہیں۔

① ان نو ایجاد امور کی اشاعت کیلئے حکومت اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتی ہے۔
② سرکش نفوس اسے رواج دینے پر آمادہ ہوتے ہیں۔
③ علماء جو انہیں روک سکتے تھے ان کا خیال ہوتا ہے، لوگ اتباعِ نفس میں ایسا
گرفتار ہیں کہ ہماری بات سننے کو تیار نہیں۔ اور ہم اس سلسلہ میں ہدایت کا حق ادا

کرچکے ہیں۔ اب خاموش بھی رہیں تو ہم پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ علماء یہ سوچ کر رشد وہدایت چھوڑ دیتے ہیں اور گمراہی پھیلتی رہتی ہے نشو ونما پاتی رہتی ہے اور بڑھتی رہتی ہے۔ چھوٹے لوگ اسے بڑھاوا دیتے ہیں اور بڑے لوگ ان کے پیچھے چلتے رہتے ہیں۔ اور لوگ انہیں متوارث سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ وہ ایک نو پیدا بات ہوتی ہے۔ اس کے نوزائیدہ ہونے کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ سنت مرویہ کے خلاف اور خصائل حمیدہ کی ضد ہوتی ہے، اور اسلام کے ابتدائی عہد میں اس کا کہیں پتہ نہیں ہوتا۔ اس کی ایجاد کے وقت اور موجد کا پتہ پوچھا جائے تو کچھ پتہ ہی نہیں چلتا۔ لوگ اس لاعلمی کو اس بات کا ثبوت مان لیتے ہیں کہ یہ شروع سے ہی ایسے ہی ہو رہی ہے۔ حالانکہ نہ تو تاریخ اس کی تائید میں ہوتی ہے نہ دلیل سوائے اس امر کے پتہ نہیں کب سے ایسا ہی ہو رہا ہے۔ لوگوں کی طبیعتیں اس درجہ خود فراموش واقع ہوئی ہیں کہ بہت سے قریب العہد نو پیدا امور کی تاریخ بھی ان لوگوں کو معلوم نہیں رہتی۔ اور لوگ اسی کو سنت سمجھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اس وقت برائی اچھائی بن جاتی ہے۔ اور اچھائی برائی۔ حدیث شریف میں ہے:

ویکذب الصادق ویصدق الکاذب (ابن عساکر)	سچے کو جھوٹا اور جھوٹے کو سچا سمجھا جانے لگتا ہے۔

حضور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ صحیح حدیث بھی مروی ہے۔

فمن القی علیھم السنۃ فانما یحول جبلۃ او یحاول جبلا او یبتدع حکماً من حنا قبلاً۔	تو جو انہیں کسی سنت پر ابھارے، گویا انکی فطرت بدل رہا ہے۔ یا پہاڑ منتقل کرنے کا قصد کر رہا ہے یا اپنے پاس سے کوئی حکم گڑھ رہا ہے۔

ع ابن ابی الدنیا۔ اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں، امام سجزی نے کتاب الدیانۃ میں، امام ابن عساکر نے ۲ گے۔

اور دل میں جب کوئی بات سما جاتی ہے۔ تو آدمی اپنی عادت جاریہ کے خلاف کچھ قبول ہی نہیں کرتا۔ اگر کوئی بات اس کے خلاف پڑھتا ہے تو حلق کے نیچے نہیں اترتی۔ اور سنتا ہے تو کان سے آگے نہیں بڑھتی۔ جبکہ لوگوں کو اس ہٹ دھرمی کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ وہ تو یوں فرماتا ہے۔

فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھداھم اللہ واولئک ھم اولوا الالباب۔

ہمارے ان بندوں کو بشارت دو جو اچھی بات سن کر اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت دی۔ اور یہی اہل عقل وبصیرۃ ہیں۔

تو راستہ تو سن کر انتفاع اور اتباع کا تھا۔ نہ کہ قناعت کر کے بیٹھ رہنے اور نہ سننے کا۔ یا سن کر ان سنی کر دینے کا۔ ایسے لوگ قرآن سے کچھ مستفید نہیں ہوتے۔ نفع تو ان لوگوں کو پہنچتا ہے جو ارادہ قلبی اور سلامت حضور کیساتھ سنتے ہیں۔

پس اے برادران محترم! غایت توجہ اور رعایت قلب کے ساتھ قبل از مطالعہ یکطرفہ فیصلہ کیے بغیر اس ارادے کے حق ہوگا تو قبول کروں گا۔ ہمارے معروضات سنیں کہ حکمت مومن کا

تاریخ دمشق میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک گونہ راستہ کے ساتھ اس کو روایت کیا۔ طبرانی نے کبیر میں، حاکم نے کنیٰ میں اور ابن عساکر نے عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ طبرانی نے کبیر میں۔ امام بیہقی نے بعث میں۔ اور ابن نجار نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ طبرانی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے، اور نعیم بن حماد نے۔ فتن میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے۔ اور سب نے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی ام المومنین کی روایت کے الفاظ یہ ہیں یاتین علی الناس زمان یکذب فیہ الصادق ویصدق فیہ الکاذب الحدیث اور یہ سب کے نزدیک حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔ ۱۲ منہ

گمشدہ مال ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہدایت دینے والا ہے۔ ہماری اور آپ دونوں کی ہدایت فرمائے۔

پہلے تو ہم احادیث کریمہ، فقہ مستقیمہ، بلکہ قرآن عظیم میں ایک فقیہ مسئلہ دائرہ میں جو کچھ پا سکتا ہے اسے اجمالاً بیان کرتے ہیں۔ پھر انشاء اللہ مسئلہ کی ضروری تفصیل بیان کرینگے۔ کہ اجمال کے بعد تفصیل نفس میں زیادہ جاگزیں، اور ظن و تخمین کو زائل کرنے والی ہوتی ہے، پوری تفصیل کے لئے تو صحیفے درکار ہیں۔ مگر جب واجبی بیان سے کام چل جائے۔ تو مکمل تفصیل کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں، حدیث شریف میں ہے۔

ماقل وکفیٰ خیر مما کثر والھیٰ۔ جو کلام مختصر اور کفایت کرنیوالا ہو۔ طویل اور الجھا دینے والے بیان سے اچھا ہے۔ (ابو یعلیٰ و ضیاء مقدسی فی المختارۃ عن ابی سعید الخدری)

فاقول وبہ استعین ۔ سنن ابی داؤد، صحیح امام ابن خزیمہ، معجم کبیر امام ابو القاسم طبرانی کی صحیح حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اذان خطبہ میں سنت یہ ہے کہ امام منبر پر بیٹھے تو اس کے سامنے حدود مسجد کے اندر (نہ کہ خاص مسجد میں) اذان دی جائے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہدہائے مبارک و مسعود میں، اور دیگر خلفاء راشدین وغیرہ صحابہ کرام و زمانہ تابعین وائمہ مجتہدین میں ایسا ہی ہوتا رہا، کسی سے اس کا خلاف مروی نہیں۔ اور معاذ اللہ رب العالمین وہ اس کے خلاف کر بھی کیسے سکتے تھے۔

اس حدیث پر بے شمار ائمہ مفسرین نے آیت مبارکہ اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ کی تفسیر میں اعتبار کیا۔ چنانچہ کشاف میں زمخشری، مفاتیح الغیب میں امام رازی، لباب التاویل میں الخازن، رغائب الفرقان میں امام نیشاپوری، خطیب و جمل وغیرہ نے اسے ذکر کیا۔ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ میں اس پر اعتماد کیا۔ عبارتیں سب کی آگے آرہی ہیں۔

◉ ہمارے ائمہ فقہ نے کثرت کے ساتھ فقہ کی کتب معتمدہ میں مسجد کے اندر اذان کی ممانعت فرمائی۔ کہ مکروہ ہے۔ فقیہ النفس امام قاضی خان نے خانیہ میں۔ امام بخاری نے خلاصہ میں، امام اسبیجابی نے شرح طحاوی میں۔ امام اتقانی نے غایۃ البیان میں۔ امام عینی نے بنایہ میں۔ امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں۔ امام زندویستی نے نظم میں۔ امام سمعانی نے خزانۃ المفتین میں۔ مختار زاہدی نے مجتبیٰ میں۔ محقق زین ابن نجیم نے بحر الرائق میں۔ محقق ابراہیم حلبی نے غنیہ میں۔ برجندی نے شرح نقایہ میں۔ قہستانی نے جامع الرموز میں۔ سید طحطاوی نے مراقی الفلاح میں نیز اصحاب فتاویٰ عالمگیریہ فتاویٰ تاتارخانیہ اور مجمع البرکات نے اس کی تصریح فرمائی۔

ان حضرات نے نہ تو کسی جزئے کا استثناء کیا، نہ تخصیص کی طرف اشارہ فرمایا۔ تو غیر مخصوص کی تخصیص کا ارادہ ایک ناقص رائے، اور وہمی خیال ہوگا ہے۔

◉ اس مسئلہ میں مزید چند امور بھی قابل غور ہیں۔

① جوف مسجد میں اذان دینا، دربار الٰہی کی بے ادبی ہے۔ اس پر قرآن و حدیث اور عہد قدیم سے آج تک کا عرف شاہد ہے۔

② جوف مسجد میں اذان، مشروعیت اذان کے مقصد کے خلاف ہے۔

③ جوف مسجد میں اذان کے جواز پر قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہیں۔ اگر کہیں دلالت یا اشارۃ النص یا احتمال دبیاز کے طور پر اس کا تذکرہ ہو بھی تو یہ اسی باب میں علی الترتیب حکم، عبارۃ النص، اور صریح وحقیقت کے معارض نہیں ہو سکتے۔

④ اندرون مسجد اذان گو آجکل بعض مقامات میں شائع و ذائع ہو، مگر پورے عالم اسلام میں نہ تو اس پر اجماع ہوا ہے۔ نہ عہد رسالت سے اس کا توارث ثابت ہے۔ پس ایسے امر کا جواز نہ تو محتمل ہے، نہ قابل قبول، اور جو فعل شرعاً ناپسندیدہ ہو، گو لاکھ معروف

ومشہور ہو۔ گو ہم اس کے ایجاد کا زمانہ متعین نہ کر سکیں۔ مقبول و معروف شرعی نہیں ہو سکتا۔

اے سرداران امت، علمائے اہلسنت! اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو احیائے سنت کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ اور آپ کے رسول گرامی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے متعدد حدیثوں میں آپ کو اس کی دعوت دی ہے۔ اس پر سو شہیدوں کے اجر[1] اور دار آخرت میں اپنی ہم نشینی کا وعدہ فرمایا ہے۔

سنت کا احیاء جبھی ہوگا کہ لوگوں نے اسے مردہ کر ڈالا ہو۔ اور موت اسی صورت میں ہوگی کہ لوگ اس پر عمل در آمد ترک کر دیں۔ اور اس وقت کے علماء مذکورہ بالا وجوہ کی بنیاد پر ان کی اس حرکت پر خاموش رہے ہوں۔ پس جو ایسی سنت زندہ کرے، اسے اس کا اجر ملیگا۔ اور جس نے خاموشی اختیار کی وہ معذور سمجھا جائے گا۔ اسی نہج پر احیائے سنت کا معاملہ عہد قدیم سے آج تک چلتا رہا ہے۔ اس لئے لوگوں کے عمل یا عادت، یا کسی عمل پر ماضی قریب کے علماء کی خموشی سے استدلال۔ اور یہ خیال کہ اگر مسئلہ دائرہ خلاف شرع ہوتا، تو اس پر ان علماء کی

---

[1] ترمذی نے حضرت بلال، اور ابن ماجہ نے حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہم اجمعین سے انھوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی من احیا سنۃ من سنتی قد امیتت بعدی فان لہ من الاجر مثل اجور من عمل بہا من غیران ینقص من اجورہم شیئا۔ جس نے میری کسی مردہ سنت کو زندہ کیا، اسے تمام عمل کرنے والوں کے اجر کے برابر ملے گا۔ اور ان کے اجروں میں کچھ کمی نہ ہوگی۔

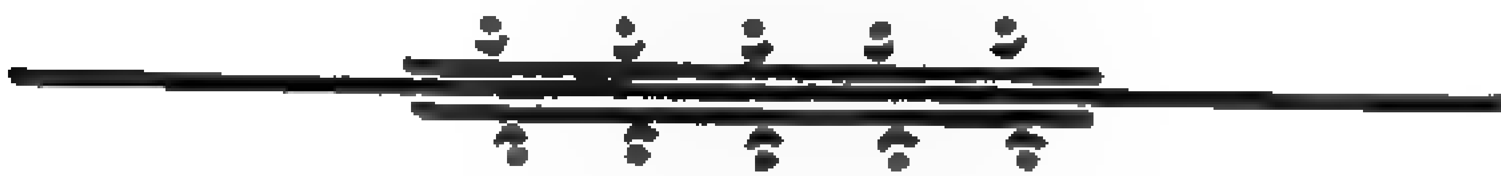
[2] امام بیہقی نے کتاب الزہد میں ابن عباس سے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید۔ جس نے میری امت کے فساد کے وقت میری سنتوں پر مضبوطی سے عمل کیا۔ اسے سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔

[3] امام سجزی نے کتاب الابانہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور سے روایت کی من احیا سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنۃ جس نے میری سنت زندہ کی اس نے مجھ سے محبت رکھی۔ اور جس نے مجھ سے محبت رکھی میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ امام ترمذی نے لفظ احبنی کے بجائے لفظ احب روایت فرمایا۔ یا اللہ ہم سب کو آپ کی محبت عطا فرما۔ ۱۲ منہ

خموشی ان کے لئے باعثِ عار ہوتی ہے۔

یہ سب خیال کھلی جہالت، اور واضح وہم پرستی ہے۔ اور احیائے سنت کا سدباب ہے۔ حالانکہ حضور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احیائے سنت کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ اور اس پر عظیم انعام واکرام کا وعدہ فرمایا ہے۔

اب ہم مہکتے شماموں اور مہکتے نفحات میں اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہمارے حبیب صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے آل واصحاب پر مقدس درود اور مبارک تسلیمات نازل فرمائے۔ آمین



عنبر حدیث کا شمامۂ اولیٰ

نفحہ ۱ ہمارے شیخ، شیخ علمائے حرم سید احمد ابن زینی ابن دحلان مکی قدس سرہ نے مکہ مکرمہ میں ۱۲۹۶ھ میں ہم سے بیان کیا، ان سے شیخ حسن دمیاطی ازہری نے ان سے شیخ محمد امیر مالکی نے اور شیخ عبداللہ شرقاوی شافعی ازہری نے ح

ہم سے علامہ مولانا مفتی عبدالرحمٰن بن سراج مکی نے ذوالحجہ ۱۲۹۵ھ میں مولانا مفتی مکہ جمال ابن عبداللہ ابن عمر کے واسطے سے بیان کیا ح

ہمیں حسین ابن صالح جمل اللیل مکی نے باب صفا کے پاس اپنے گھر ذوالحجہ ۱۲۹۵ھ میں بیان کیا۔ اور احمد بن زینیہ جمل اللیل نے بھی۔ دونوں حضرات نے شیخ عابد سندھی اور انھوں نے شیخ صالح فلانی اور سید عبدالرحمٰن اہدل اور یوسف ابن محمد زجاجی اور سید احمد قاسم ابنائے سلیمان اور اپنے چچا محمد حسین انصاری سے ح

ہمارے شیخ سید امام، عارف باللہ شاہ آل رسول احمد نے جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ میں ہمکو خبر دی، انھیں شاہ عبدالعزیز دہلوی نے انھیں ان کے والد شاہ ولی اللہ دہلوی نے اور انھیں شیخ ابوطاہر بن ابراہیم کردی مدنی نے ح

ان سب لوگوں نے اپنے مشائخ کرام سے جن کی معروف و مشہور سندیں امام ابوداؤد تک متصل ہیں۔ انھوں نے اپنی سنن میں نفیلی، محمد بن سلمہ، محمد ابن اسحٰق، زہری عن سائب

ابن یزید رضی اللہ عنہم سے روایت کیا۔

قال کان بلال یوذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف لیجاتے تو آپ کے سامنے مسجد کے دروازہ پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان دیتے۔ ایسا ہی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں ہوتا رہا۔

یہ حدیث حسن و صحیح ہے۔ اس کے راوی محمد بن اسحٰق قابل بھروسہ، نہایت سچے، اور امام ہیں۔

- ان کے بارے میں امام شعبی، محدث ابوزرعہ، اور ابن حجر نے فرمایا۔

صدوق، یہ بہت سچے ہیں۔

- امام عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں۔

ہم نے انہیں صدوق پایا۔ ہم نے انہیں صدوق پایا، ہم نے انہیں صدوق پایا۔

- امام عبداللہ بن مبارک۔ امام شعبہ، اور سفیان ثوری و ابن عیینہ، اور امام ابویوسف نے ان سے کتاب الخراج میں بہت زیادہ روایتیں کیں، اور ان کی شاگردی اختیار کی۔

- امام ابوزرعہ دمشقی نے فرمایا۔

اجلہ علماء کا اجماع ان سے روایت کرنے پر قائم ہے۔ اور آپ کو اہل علم نے آزمایا، تو اہل صدق و خیر پایا۔

- ابن عدی نے کہا۔

آپ کی روایت میں ائمہ ثقات کو کوئی اختلاف نہیں، اور آپ سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

- امام علی ابن المدینی نے کہا:

کسی امام یا محدث کو ابن اسحاق پر جرح کرتے نہیں دیکھا۔

- امام سفیان ابن عیینہ[۱] فرماتے ہیں :

میں ستر سال سے اوپر ابن اسحاق کی خدمت میں رہا۔ اہل مدینہ میں سے کسی نے ان پر اتہام نہیں رکھا۔ نہ ان پر کچھ تنقید کی ۔

- امام ابو معاویہ نے فرمایا

ابن اسحاق سب لوگوں سے زیادہ یاد رکھنے والے تھے ۔

ع۱ سفیان ابن عیینہ کے اس قول سے اس شخص کا جھوٹ ظاہر ہو گیا۔ جو یہ کہتا ہے کہ حضرت سفیان ابن عیینہ نے ابن اسحٰق پر جرح کی ہے۔ خدا کی پناہ انھوں نے تو ابن اسحٰق کی شاگردی اختیار کی ہے اور ان کی طرف سے مدافعت کی ہے۔

اور فرماتے ہیں کہ میں نے امام زہری کو دیکھا، کہ ابن اسحٰق سے پوچھا آپ کہاں تھے۔ انھوں نے جواب دیا۔ کوئی آپ کے یہاں بار پا بھی تو پائے (یعنی صاحب دروازے پر بیٹھے رہتا ہوں تو) زہری نے اپنے دربان کو بلا کر فرمایا، آئندہ ابن اسحٰق کو اندر آنے سے کبھی بھی مت روکنا۔ حضرت ابن عیینہ کی ہی روایت ہے کہ کسی نے امام زہری سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غزوات کے بارے میں پوچھا انھوں نے ابن اسحٰق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ یہ اس کو سب لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں؛

حضرت علی ابن المدینی روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان سے پوچھا کہ ابن اسحٰق فاطمہ بنت منذر کے پاس بیٹھتے تھے؟ تو حضرت سفیان نے کہا کہ مجھ سے خود محمد بن اسحٰق نے کہا کہ مجھ سے فاطمہ نے حدیث بیان کی اور میں ان کے پاس گیا (تو پاس بیٹھنے کی حقیقت صرف یہی کہ ان سے حدیث سنی) ابن عیینہ نے تو ابن اسحٰق کی تعدیل میں امام شعبہ کا وہ شاندار قول نقل کیا کہ امیر المومنین فی الحدیث ہیں (کیا جرح ایسی ہی ہوتی ہے؟) ہاں آپ نے ابن اسحٰق کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے کہ لوگوں نے ان پر قدری ہونے کا الزام لگایا ہے۔ لیکن کیا یہ جرم ہے اگر یہ جرم ہو تو بخاری شریف جیسی معتبر کتاب تو قدری راویوں سے بھری پڑی ہے اس کے بہت سے راویوں پر قدر کا الزام ہے۔

اگر یہ جرح ہوتی تو ابن عیینہ اور ابن اسحٰق سے حدیث روایت کرنا تو بڑی بات ہے۔ ان کا ساتھ ہی چھوڑ دیتے لیکن انھوں نے دونوں کا ساتھ چھوڑا نہ ان کی شاگردی ترک کی نہ ہی حوام کے الزام کی تصدیق کی یہ تہمتیں بے اصل ہیں۔ مزید ابن نمیر کا کلام آرہا ہے ۱۲ منہ

● امام ابو اللیث نے فرمایا۔

۔ یزید بن حبیب سے روایت کرنے والوں میں ابن اسحاق سے زیادہ ثبت کوئی نہیں،
ابن یونس فرماتے ہیں کہ ان یزید بن حبیب سے اکابر علمائے مصر نے روایت کی جیسے عمرو بن حارث، حیوۃ ابن شریح، سعید بن ایوب، اور خود لیث بن سعد یہ سب کے سب ثقہ اور ثبت ہیں۔ اور پانچویں یحییٰ ابن ایوب غافقی صدوق ہیں اور رجال شیخین میں سے ہیں۔ اور عبداللہ ابن لہیعہ صدوق اور حسن الحدیث ہیں۔ ان کے بارے میں اسی امر پر ائمہ رجال کی رائے مستقر ہوئی۔ اور عبداللہ بن عیاش ہیں۔ یہ دونوں مسلم کے راویوں میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ سلیمان تیمی بصری، زید بن ابی انیسہ، یہ دونوں حضرات ثقہ اور رواۃ صحیحین سے ہیں اور عبدالحمید بن جعفر مدنی صدوق رجال مسلم سے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے افراد ہیں
تو بقول امام ابو اللیث ابن اسحاق ان سب سے افضل ہوئے۔

● امام شعبہ نے فرمایا

۔ میری حکومت ہوتی تو میں ابن اسحاق کو محدثین پر حاکم بنا تا۔ یہ تو امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔
ایک روایت میں ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا آپ ایسا کیوں کہتے ہیں۔ تو حضرت شعبہ نے فرمایا۔ ان کے حفظ کی وجہ سے۔ دوسری روایت میں ہے۔ حدیث والوں میں اگر کوئی سردار ہو سکتا ہے تو وہ محمد ابن اسحاق ہیں۔

● علی ابن المدینی سے روایت ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثیں چھ آدمیوں میں منحصر ہیں۔ پھر ان سب کے نام گنوائے۔ اور فرمایا اس کے بعد ۱۲ آدمیوں میں دائر ہوئیں۔ اور ابن اسحاق ان ۱۲ بارہ میں ہیں۔

● امام زہری فرماتے ہیں۔

۔ مدینہ مجمع العلوم رہے گا۔ جب تک یہاں محمد بن اسحاق قیام پذیر رہیں گے،

آپ غزوات کی روایتوں میں ابن اسحٰق پر ہی بھروسہ کرتے تھے۔ ہر چند کہ آپ حدیث میں ان کے استاذ تھے۔ بلکہ دنیا بھر کے شیخ تھے۔

- ابن اسحاق کے دوسرے استاذ عاصم ابن عمر بن قتادہ نے فرمایا۔

جب تک ابن اسحاق زندہ ہیں۔ دنیا میں علوم باقی رہیں گے۔

- عبد اللہ ابن قائد نے کہا۔

۔ ہم لوگ ابن اسحٰق کی مجلس میں ہوتے تو جس فن کا تذکرہ شروع کر دیتے، اس دن مجلس اسی پر ختم ہو جاتی۔

- ابن حبان نے کہا۔

۔ مدینہ میں کوئی علمی مجلس حدیث کی ہو یا مجمع علوم و فنون کی۔ ابن اسحٰق کی مجلس کے ہمسر نہ ہوتی۔ اور خبروں کی حسن ترتیب میں یہ اور لوگوں سے آگے تھے:

- ابو یعلیٰ خلیلی نے فرمایا۔

۔ محمد ابن اسحٰق بہت بڑے عالم حدیث تھے۔ روایت میں واسع العلم اور ثقہ تھے،

- یحییٰ ابن معین، یحییٰ بن مجلی، ابن عبد اللہ المدینی استاذ امام بخاری، احمد عجلی، محمد بن سعد وغیرہ نے کہا۔

۔ محمد بن اسحٰق ثقہ ہیں،

- حضرت ابن البرقی نے فرمایا:

۔ علم حدیث والوں میں محمد ابن اسحٰق کے ثقہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اور ان کی حدیث حسن ہے،

- حاکم نے بوشنجی شیخ بخاری سے روایت کی کہ

۔ ابن اسحاق ہمارے نزدیک ثقہ ہیں۔

● محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا۔

"ابن اسحٰق ثقہ ہیں، ثقہ ہیں ؛ اس میں نہ ہمیں کشبہ ہے۔ نہ محققین محدثین کو شبہ ہے۔ محمد ابن اسحاق کی توثیق حق صریح ہے۔ اور امام مالک سے ان کے بارے میں جو کلام مروی ہے وہ صحیح نہیں اور بر تقدیر صحتِ روایت ان کے کلام کو کسی محدث نے تسلیم نہیں کیا۔

اور امام بخاری نے توجزء القراءۃ میں ان کی توثیق میں طویل کلام فرمایا۔ اور ان کا تذکرہ اپنی کتاب ضعفاء میں بھی نہیں کیا۔ اور ان کی جرح میں امام مالک کا جو کلام نقل کیا گیا ہے۔ اس کی صحت سے انکار کیا ہے۔ اور حضرت علی سے ان کے بارے میں ہشام سے جو مروی ہے، اس کا بھی انکار کیا ہے۔

ان سب باتوں پر ہم نے اپنی تحریروں میں جو علم حدیث سے متعلق ہیں روشنی ڈالی ہے۔ اور ان سب کو میرے عزیز فرزند مولوی مصطفیٰ رضا خاں نے (سلمہ اللہ تعالیٰ) اپنی کتاب۔ وقایہ اہل السنۃ عن مکر دیوبند والفتنۃ۔ میں جو وہابیہ دیوبندیہ کے رد میں ہے۔ بیان کیا ہے۔ کہ انہوں نے بھی اس مسئلہ میں مخالفت کی تھی۔ اور اہل دیوبند پر تو ہمارے سادات علمائے حرمین طیبین نے کفر کا فتویٰ دیا ہے، اور ان کے کفر میں شک کرنیوالوں کی بھی تکفیر فرمائی ہے۔

● ... امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بے سند تنقیدوں کا کیا خوب رد فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"ایسی تنقیدوں سے کم لوگ ہی کامیاب ہوئے، جیسے امام شعبی کے بارے میں امام ابراہیم کا کلام، حضرت عکرمہ کے بارے میں امام شعبی کا کلام ہو امام میں سے کسی نے اس قسم کی تنقیدوں کی طرف کوئی توجہ نہ کی جب تک جرح صریح اور مدلل نہ ہو، اور ایسی تنقیدوں سے کسی کی عدالت پر اثر نہیں پڑتا:

امام احمد، امام یحییٰ بن معین، اور محمد بن عبد اللہ بن نمیر و محمد ابن یحییٰ، یہ سب امام بخاری کے

استاذ ہیں۔ اور ابوداؤد، منذری، اور ذہبی، ان سب لوگوں نے محمد ابن اسحٰق کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ اور امام ذہبی اور سیوطی نے اس کو حسن کے اعلیٰ درجہ میں گردانا ہے۔ تدریب میں ہے۔

۔ صحیح کی طرح حسن کے بھی چند درجے ہیں۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اعلیٰ درجہ کے حسن بہز ابن حکیم عن ابیہ عن جدہ، اور عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ، اور ابن اسحاق عن تیمی اور ان کے امثال ہیں اور اسی کو ادنیٰ درجہ کی صحیح بھی قرار دیا ہے۔

چنانچہ ابن مدینی، ترمذی، ابن خزیمہ اور امام طحاوی نے اس کو صحیح کہا۔ اور بعض وہ حدیثیں جن کے تنہا محمد بن اسحٰق راوی ہیں۔ انھیں دارقطنی نے حسن کہا۔ اور حاکم نے صحیح فرمایا۱۔

اور ان دونوں حضرات کی امام بیہقی اور امام منذری نے اتباع کی۔ امام منذری اور امام ذہبی نے محمد بن اسحٰق کو ائمہ اعلام میں شمار کیا۔ اور صالح الحدیث قرار دیا۔ اور فرمایا کہ ان کا اسکے سوا کوئی گناہ نہیں، کہ انھوں نے سیر میں منکر حدیثیں درج کیں۔

حافظ ابن حجر نے انھیں مدلسین کے طبقات میں ذکر کیا۔ جن میں تدلیس کے علاوہ نہ کوئی ضعف ہے۔ نہ علت امام ترمذی بھی فرماتے ہیں کہ ان میں تدلیس کے علاوہ کوئی کمی نہیں۔

---

۱ سنن میں حدیث احمد بن خالد، ابن اسحٰق، مکحول، محمود بن ربیع، عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ باب قرأۃ خلف الامام میں نقل کرکے فرمایا علی بن عمر نے اس سند کو حسن قرار دیا ہے۔ اور امام بیہقی نے اس کو ثابت رکھا ہے۔ اور باب وجوب الصلوٰۃ علی النبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث کو نقل کیا۔ ان رجلاً قال یارسول اللہ اما السلام علیک فعرفناہ فکیف نصلی علیک اذا نحن صلینا فی صلاتنا۔ اسے دارقطنی اسکو حسن متصل قرار دیتے ہیں۔ اور بیہقی اسکو برقرار رکھتے ہیں۔ ابن عدی کامل کہتے ہیں۔ یہ حدیث ان الفاظ میں ہمارے علم میں ابن اسحٰق کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کی۔ پھر بھی حدیث باب السلام علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم فی التشہد۔ میں نقل کرکے کہا حاکم نے اسکی تصحیح کی اور دارقطنی نے تحسین، اور خود اسکو برقرار رکھا۔ ۱۲ منہ

- محمد بن عبد اللہ نمیری نے فرمایا۔

ان پر قدریہ ہونے کا الزام ہے۔ لیکن وہ اس سے کوسوں دور ہیں۔

- یعقوب ابن شیبہ فرماتے ہیں۔

"میں نے ان کے بارے میں علی ابن المدینی سے سوال کیا۔ تو فرمایا کہ میرے نزدیک انکی حدیثیں صحیح ہیں۔ میں نے امام مالک کی تنقیدوں کا ذکر کیا۔ تو فرمایا۔ وہ نہ ان کے ساتھ رہے نہ انھیں پہچانا۔

- ابن حبان نے انھیں ثقات میں شمار کیا اور فرمایا۔

امام مالک نے ابن اسحٰق کی جرح سے رجوع فرمایا۔ اور ان سے صلح کر لی اور انھیں تحفہ بھیجا۔

- مصعب زبیری، رحیم، ابن حبان نے کہا۔

ان پر حدیث کی وجہ سے جرح نہیں کی گئی۔

اور ائمہ میں احمد، ابن مدینی، بخاری، ابن حبان، مروزی، ذہبی اور محقق علی الاطلاق نے انکی طرف سے دفاع کیا۔ یہ اور مزید افادات میرے فرزند سلمہ کی کتاب "وقایہ اہل السنۃ" میں ہیں۔ والحمد للہ۔

نفحہ (۲) تقریب کے قول۔ ان پر تشیع کی تہمت لگائی گئی۔ سے دھوکہ کھا کر ان پر رفض کا عیب لگانا بہ بداہت جہالت ہے۔ رفض و تشیع میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ بسا اوقات لفظ تشیع کا اطلاق حضرت مولا علی کو عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر فضیلت دینے پر ہوتا ہے۔ جب کہ یہ ائمہ بالخصوص اعلام کوفہ کا مذہب ہے۔ صاحب تقریب نے خود بھی۔ ہدی الساری۔ میں فرمایا۔

التشیع محبۃ علی علی الصحابۃ فمن قدمہ علی ابی بکر و عمر فھو غال فی تشیعہ ویطلق علیہ الرافضی والا فشیعی۔ فان انضاف الی ذالک السب

والتصریح بالبغض فغال فی الرفض۔

تشیع حضرت علی کی صحابہ سے زائد محبت کا نام ہے۔ تو اگر کوئی آپ کو ابوبکر عمر پر فضیلت دیتا ہے تو وہ غالی شیعہ ہے۔ اور اسے رافضی بھی کہا جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ گالی اور بغض کا اظہار کرے تو غالی رافضی ہے۔

مقاصد علامہ تفتازانی میں ہے۔

الافضلیۃ عندنا مع ترتیب الخلافۃ مع التردد فیما بین علی وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ ہمارے نزدیک خلفائے اربع میں فضیلت خلافت ترتیب پر ہے۔ حضرت عثمان و علی میں تردد کے ساتھ۔

شرح مقاصد للتفتازانی میں ہے۔

قال اھل السنۃ الافضل ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی وقد مال البعض الی تفضیل علی علی عثمان رضی اللہ عنہما والبعض الی التوقف فیما بینہما اھ

اہل سنت نے کہا کہ سب سے افضل ابوبکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی، اور بعض حضرت علی کو عثمان سے افضل مانتے ہیں رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اور بعض ان دونوں کے درمیان توقف کے قائل ہیں۔

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی صواعق محرقہ میں ہے۔

جزم الکوفیون منہم سفیان الثوری بتفضیل علی علی عثمان وقیل بالتوقف علی التفاضل بینہما وھو روایۃ عن مالک۔

اہل کوفہ (انہیں میں سفیان ثوری ہیں) نے حضرت علی کو حضرت عثمان پر بالیقین افضل گردانا اور امام مالک وغیرہ سے توقف مروی ہے۔

تہذیب التہذیب میں حضرت امام اعمش کے حالات میں تحریر ہے کہ ان میں تشیع تھا اور شرح

فقہ اکبر ملا علی قاری میں امام صاحب کے بارے میں لکھا ہے۔

"حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان غنی پر حضرت علی کی فضیلت مروی ہے (رضی اللہ عنہم) لیکن صحیح وہی ہے جس پر جمہور اہلسنت ہیں۔ اور فقہ اکبر میں اسکو ترتیب خلافت کے موافق رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی آپ کا قول بھی ہے":

پھر لفظ شیعی اور رمی بالتشیع کا فرق بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہئے۔ بخاری کے کتنے ہی ایسے راوی ہیں جن پر تشیع کا الزام ہے۔ "ہدی الساری" میں ایسی بیس سندوں کی تفصیل ہے جو خاص مسانید بخاری میں ہیں۔ تعلیقات کا تو ذکر ہی الگ رہا۔ بلکہ رواۃ بخاری میں تو عباد ابن یعقوب جیسا رافضی ہے۔ جس پر کوڑے کی حد جاری کی گئی تھی۔ اور جرح میں شبہ کی تو کوئی اہمیت ہی نہیں۔ خود بخاری میں بہت سے راوی ہیں۔ جن پر مختلف اقسام کی بدعت کا شبہ کیا گیا اور اصول محدثین کے رو سے خود بدعتی بھی اپنے مذہب یا مذہب کا داعی و مبلغ نہ ہو تو اسکی روایت مقبول ہے۔

نمبر (۳) اصل حدیث جسے ہم نے روایت کیا۔ مسند احمد ابن حنبل میں اس سند کیساتھ ہے۔ یعقوب، ابی، ابن اسحٰق حدثنی محمد ابن مسلم عبیداللہ الزہری، سائب بن یزید، یہاں یہ حدیث لفظ حدثنی سے مروی ہے۔ تو اب اس روایت پر نہ تدلیس کا اعتراض ہو سکتا ہے نہ ارسال کا۔ ایک جواب تو یہ ہوا۔

دوسرا یہ ہے۔ کہ امام محمد ابن اسحٰق امام زہری سے کثیر الروایت ہیں۔ اور ایسے راوی کا عنعنہ بھی سماع پر محمول ہوتا ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں۔

راوی جب روایت میں لفظ عن سے کسی بات کا اضافہ کرے تو تدلیس کا احتمال ہو سکتا ہے مگر جب راوی ایسے شیخ سے روایت کرے جس سے وہ کثیر الروایت ہو تو یہ روایت متصل ہوگی۔

در ابن اسحٰق کے بارے میں معروف و مشہور ہے کہ وہ ایسے اساتذہ کی حدیثوں کو بطور نزول

بھی روایت کرتے جن سے وہ اکثر روایت کرتے ہیں۔ علی بن المدینی فرماتے ہیں۔

محمد بن اسحاق کی حدیثوں میں صدق ظاہر ہے۔ وہ سالم ابن ابی النضر سے بنسبت انکے دوسرے شاگردوں کے کثیر الروایت ہیں۔ پھر بھی ان کی روایت عن رجل عن سالم ہے (یعنی اپنے سے کم درجہ کے آدمی کے واسطے بھی سالم سے ان کی روایت ہے) اسی طرح وہ عمرو بن شعیب کے شاگردوں میں بھی اروی الناس عنہ ہیں۔ اور ان کی روایت عن رجل عن ایوب عن عمرو بن شعیب بھی ہے۔

میں کہتا ہوں۔ ابن اسحاق امام زہری کے بھی اروی الناس شاگرد ہیں۔ مگر قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ۔ کتاب الخراج، میں فرماتے ہیں مجھ سے محمد بن اسحاق نے بیان کیا ان سے عبدالسلام نے روایت کی اور ان سے امام زہری نے۔ (تو ابن اسحٰق کی یہ روایتیں لفظ عن سے ہونے کے باوجود تدلیس نہیں ہے۔ روایت متصل ہے۔)

تیسرا جواب:۔ محمد ابن اسحٰق کی تدلیس اور عنعنہ کے بارے میں ابتک جو بحث تھی وہ ان محدثین کے مسلک کی بنیاد پر تھی۔ جو حدیث کی جرح میں عنعنہ اور تدلیس کا لحاظ کرتے ہیں لیکن ہم حنفیوں، مالکیوں، حنبلیوں اور جمہور علماء کے اصول پر عنعنہ کا لحاظ ہی اصلاً ساقط ہے۔ کیونکہ عنعنہ کے لحاظ کی وجہ تو یہ شبہ ہے کہ تدلیس سے حدیث کے مرسل ہونے کا ڈر ہے۔ اور ہمارے اور جمہور کے نزدیک تو خود ارسال بھی سند کا عیب نہیں، اور حدیث مرسل مقبول ہے تو صرف شبہ ارسال سے حدیث پر کیا اثر پڑے گا۔

امام جلال الدین سیوطی نے تدریب میں فرمایا:

جمہور علمائے کرام جو مراسیل قبول کرتے ہیں، وہ عنعنہ کو بھی قبول کرتے ہیں۔

اسی میں امام ابن جریر طبری سے منقول ہے۔

کہ جملہ تابعین نے بالکلیہ مراسیل قبول کرنے پر اجماع کیا ہے۔ نہ تو تابعین نے

مراسیل کا انکار کیا۔ نہ ان کے بعد ۲۰۰ھ ہجری تک کسی اور نے۔

صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں محمد بن سیرین تابعی سے ہے۔

۔ کہ لوگ احادیث کی سند کے بارے میں کسی سے سوال ہی نہیں کرتے تھے۔ جب فتنہ واقع ہوا تو سوال کیا جانے لگا۔ کہ اپنے راویوں کو ہم سے بیان کرو۔

میں کہتا ہوں کہ۔ امام زید جو امیر المومنین عمر فاروق کے غلام اسلم کے صاحبزادے تھے۔ ان کے پاس امام جلیل زین العابدین بیٹھا کرتے تھے۔ اور اپنے قوم کی مجلس چھوڑ دیتے تھے۔ نافع بن جبیر بن مطعم نے آپ سے کہا۔ آپ اپنے لوگوں کی مجلس چھوڑ کر عمر بن خطاب کے غلام کی محفل میں بیٹھتے ہیں آپ نے فرمایا آدمی وہیں بیٹھتا ہے کہ جہاں اس کے دین کا فائدہ ہوتا ہے (تاریخ بخاری) امیں زید نے ایک حدیث بیان کی، ایک آدمی نے ان سے کہا ابا اسامہ یہ کس سے آپ بیان کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اے بھتیجے ہم سفہاء کے ساتھ نہیں بیٹھتے۔

، نے تابعین، مثلاً سعید بن مسیب، قاسم، سالم، حسن، ابو العالیہ، ابراہیم نخعی عطاء بن ابی رباح و مجاہد، سعید بن جبیر، طاؤس، امام شعبی، اعمش، زہری، قتادہ۔ مکحول، ابو اسحٰق سبیعی، ابراہیم تیمی، یحییٰ بن کثیر، اسمٰعیل بن ابی خالد، عمرو بن دینار، معاویہ بن قرہ، زید بن اسلم، سلیمان تیمی، امام مالک، وحماد اور سفیانین۔ کیا یہ سب حضرات اس لئے ارسال کرتے تھے۔ کہ ان کی حدیثیں رد کر دی جائیں۔

مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں ہے۔

۔ صحابہ کرام کے مراسیل باتفاق ائمہ مطلقاً مقبول ہیں۔ اور دوسروں کے مراسیل باتفاق ائمہ جن میں امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل شامل ہیں، یہ سب لوگ اسے مطلقاً مقبول رکھتے ہیں۔ ہاں ظاہریہ اور جمہور محدثین جو ۲۰۰ھ ہجری کے بعد ہوئے۔ قبول نہیں کرتے۔

نصول البدائع مولا خسرو میں ہے۔

"اور محدثین کا ایسا طعن جو جرح بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، جیسے عنعنہ میں تدلیس کا طعن کہ اس میں شبہ ارسال ہے، حالانکہ خود ارسال اسباب طعن میں سے نہیں ہے۔"

چوتھا جواب :۔ ابوداؤد رضی اللہ عنہ نے حضرت حنظلہ ابن ابی عامر سے روایت کی کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر وقت وضو کا حکم دیا گیا تھا۔ لیکن یہ جب آپ پر مشقت ڈالنے لگا تو ہر نماز کے وقت آپ کو مسواک کرنے کا حکم ہوا۔

اس حدیث میں بھی ابن اسحٰق نے لفظ عن سے روایت کی۔ اس کے باوجود امام شامی اپنی سیرت میں کہتے ہیں۔ اس کی سند صحیح ہے۔ اور اسمیں اختلاف ہے، جس سے کوئی ضرر نہیں۔

پانچواں جواب :۔ امام احمد نے واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کی کہ مجھے مسواک کیلئے اتنی بار حکم دیا گیا۔ کہ مجھے ڈر ہوا کہیں یہ فرض نہ کردیجائے۔ امام زرقانی نے یہ حدیث مواہب کی شرح میں منذری وغیرہ سے روایت کی۔ اس روایت میں لیث بن ابی سلیم ہیں۔ جو ثقہ مدلس ہیں۔ اور حدیث کو لفظ عن سے روایت کرتے ہیں۔ منذری کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔

چھٹا جواب :۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تلخیص الحبیر میں کہا۔

"ابو زبیر کی عنعن مقبول نہیں۔ اور اتصال پر محمول نہیں۔ ہاں روایت لیث سے ہو تو مقبول ہے"۔

محدثین کے نزدیک یہ بات مسلم ہے لیکن امام مسلم کی صحیح میں چند حدیثیں ابو زبیر بواسطہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ مروی ہیں۔ جس میں ابو الزبیر حضرت لیث سے روایت نہیں کرتے۔ چنانچہ امام ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں کہ:

صحیح مسلم میں چند حدیثیں ایسی ہیں جن میں ابو زبیر، جابر رضی اللہ عنہ سے بواسطہ لیث کی تصریح نہیں کی ہے۔ جس سے دل میں کچھ شبہ ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں تو ان حدیثوں کے بارے میں کوئی شبہ نہیں تھا جبھی تو انھوں نے یہ روایتیں اپنی صحیح میں درج کیں جس کو اپنے اور اپنے رب کے درمیان حجت قرار دیا۔

ساتواں جواب:۔ ابن جریر نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ بڑھیا اور بوڑھے زنا کریں تو انہیں ضرور سنگسار کرو۔

حضرت عمر نے فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا (الحدیث)

ابن جریر نے کہا کہ اس حدیث کی کوئی تخریج عمر عن رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معین بایں الفاظ سوائے اس روایت کے نہیں، پھر بھی یہ حدیث ہمارے نزدیک صحیح اور درست ہے۔ اس میں کوئی ایسا عیب نہیں۔ جو اس حدیث کو کمزور کرے۔ تو اس کے ضعیف ہونے کا کوئی راستہ نہیں، کہ یہ عادل راویوں سے مروی ہے۔ البتہ اس میں ایک علت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس کے ایک راوی حضرت قتادہ مدلس ہیں۔ اور انھوں نے نہ تو سماع کی بات کی نہ لقاء و شناکہا۔

آٹھواں جواب:۔ امام الحنفیہ، امام الفقہاء والمحدثین، حافظ، ناقد بصیر، امام ابو جعفر احمد طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، کتاب الحجۃ فی فتح مکہ رسول اللہ عنوۃ میں دو حدیثیں روایت کیں۔ ایک حضرت عکرمہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اہل مکہ سے رخصت ہوئے، اور دوسری حدیث امام زہری وغیرہ سے جس میں یہ ہے کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہل مکہ سے مصالحت فرمائی، یہ دونوں حدیثیں نقل فرما کر ارشاد فرمایا۔

کہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ زہری و عکرمہ کی مذکورہ حدیثیں منقطع ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی کے ہم معنی حدیث مروی ہے۔ فہد بن سلیمان، یوسف بن بہلول، عبداللہ بن ادریس، محمد بن اسحٰق قال قال الزہری عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بیان کی۔

یہ حدیث حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی طویل ایک بڑے ورق کی مقدار میں روایت کر کے فرمایا۔ یہ حدیث متصل الاسناد ہے۔

حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ اصطلاح میں قال کا حکم لفظا عن کا ہے۔ اور اس میں سماع کی تصریح نہیں۔ اور امام نووی نے تقریب میں فرمایا کہ:

اسناد یہ نہیں کہ راوی اس سے روایت کرے، جس کی مجلس کا حاضر باش ہو، جب تک اس سے خود نہ سنے، اور الفاظ ایسے بولے جس سے وہم ہو کہ راوی نے خود اس سے سنا ہے۔ جیسے قال فلان یا عن فلان مگر ان روایتوں میں جنکو محمد بن اسحاق نے لفظا عن سے روایت کیا ہو بے شک ان کی ایسی روایت کا بھی حکم یہی ہے کہ وہ متصل الاسناد ہیں۔ وہ امام حجۃ ہیں۔ ابو اسحاق سبیعی نے ان سے دونوں شبہوں کو دفع کیا ہے:

ہمارے امام مذہب ثانی الائمہ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کثرت کے ساتھ کتاب الخراج میں ان حدیثوں سے استدلال فرمایا جو حضرت محمد ابن اسحٰق سے بعینہ عن و بغیر عن مروی تھیں۔

اور علمائے حدیث نے تصریح کی ہے (جیسا کہ رد المحتار وغیرہ صحیفوں میں ہے) کہ مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا، اس حدیث کی تصحیح شمار ہوتا ہے، تو قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ابن اسحٰق کی معنعن اور غیر معنعن حدیثوں کو اپنی کتاب میں داخل فرما کر انکی تصحیح کی۔

اور استدلال بھی ایسی کتاب میں کیا جس کے واجب العمل ہونیکی تصریح خود اس کتاب کے مقدمہ میں فرمائی۔ آپ لکھتے ہیں:

بے شک امیر المومنین نے (خدا انکی مدد فرمائے) مجھ سے ایک ایسی جامع کتاب کی فرمائش کی، جس پر وہ اپنی زندگی بھر جبایا خراج، عشر صدقات اور جوالی وغیرہ میں عملدرآمد کریں، اور وہ احکام واجب العمل ہوں تو میں نے انکی تعبیر اور توضیح کر دی۔

نفحہ (۴) روایت ابن اسحٰق کی تائید و توثیق اوران کی طرف سے دفاع کی مشقت سے اللہ تعالیٰ نے ہماری یوں کفایت کی ، کہ ان کی محولہ بالا حدیث کو اس امام نے اپنی سنن میں روایت کیا۔ جن کے ہاتھ میں علم حدیث اس طرح نرم و ملائم ہوگیا تھا۔ جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے دست کریم میں لوہا نرم کردیا گیا تھا جن کے مجموعہ حدیث کے بارے میں علمائے حدیث کی یہ شہادت ہے۔ کہ جس گھر میں یہ کتاب ہو، اس گھر میں گویا نبی ہے جو کلام کر رہا ہے۔ ایسے امام نے یہ حدیث اپنی کتاب میں درج فرماکر سکوت کیا اس پر کوئی جرح نہیں کی۔

- مقدمہ ابن صلاح میں خود حضرت ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اس کتاب کے بارے میں منقول ہوا۔
  میں نے اپنی کتاب میں صرف صحاح کو جمع کیا۔ یا جو اس کے مشابہ اور قریب ہو۔

- فتح المغیث میں امام ابن کثیر سے انھیں کا یہ قول منقول ہوا۔
  اس کتاب میں میں جس حدیث پر سکوت کروں تو وہ حسن ہے۔

- ابو داؤد نے اہل مکہ کو ایک خط لکھا۔
  اس کتاب میں اگر کوئی منکر حدیث ذکر کروں گا تو اس کا سبب بھی بیان کروں گا کہ یہ منکر ہے۔

- ابو عمرو بن عبد البر نے کہا۔
  جس حدیث کو ذکر کرکے ابو داؤد نے سکوت کیا، تو وہ ان کے نزدیک صحیح ہے۔

- امام منذری نے فرمایا۔
  جس حدیث کی نسبت ابو داؤد کی طرف کرو۔ اور ابو داؤد نے اس پر سکوت کیا ہو۔ تو وہ ابو داؤد کے قول کے مطابق ہے۔ یعنی درجہ حسن سے تو کم نہ ہوگی، بسا اوقات صحیحین کے اصول پر ہوتی ہے۔

- ابن صلاح اور نووی دونوں اماموں نے فرمایا۔
  امام ابو داؤد کی کتاب میں جو حدیث مطلق مروی ہو، وہ ان کے نزدیک حسن ہے۔

- امام ترکمانی جوہر النقی میں فرماتے ہیں۔

"ابوداؤد نے جس حدیث کی تخریج فرما کر سکوت کیا، اور اس پر کوئی جرح نہیں کی، تو اس حدیث کا کم سے کم درجہ حسن کا ہوگا۔ جیسا کہ یہ بات مشہور و معروف ہے"

- نصب الرایہ میں امام زیلعی فرماتے ہیں:

"ابوداؤد نے حدیث قلتین روایت کیا۔ اور اس پر سکوت فرمایا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے"

- حضرت عراقی اور شمس الدین سخاوی نے "مقاصد حسنہ" میں فرمایا۔

"اس حدیث پر ابوداؤد کا سکوت ہی ہمارے لئے کافی ہے۔ اور یہ حدیث حسن ہے"

- محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

"ابوداؤد نے اس حدیث پر سکوت کیا تو یہ حدیث حجت ہے"

- علامہ محمد ابن امیر الحاج فرماتے ہیں۔

"ابوداؤد نے اس پر سکوت کیا تو یہ ان کی شرط کے موافق حجت ہے"

- علامہ ابراہیم حلبی نے غنیہ میں فرمایا۔

ابوداؤد اور ان کے بعد امام منذری نے اپنی مختصر میں اس پر سکوت فرمایا۔ تو یہ ان دونوں کی طرف سے اس حدیث کی تصحیح ہے۔

- علامہ خطابی نے معالم السنن میں تحریر کیا۔

"ابوداؤد کی کتاب صحیح اور حسن دونوں قسم کی احادیث پر مشتمل ہے۔ اور حدیث سقیم کی تو کئی قسمیں ہیں۔ سب سے بے حیثیت موضوع، پھر مقلوب پھر مجہول، اور ابوداؤد کی کتاب سقیم کی تمام قسموں سے خالی اور بری ہے"

- امام بخاری نے اپنی کتاب جزء القرأۃ میں لکھا۔

علی ابن عبد اللہ نے کہا کہ میں نے ابن اسحاق کی کتابیں دیکھیں، تو سوائے دو حدیثوں کے اور کسی میں کوئی عیب نہیں پایا۔ اور ممکن ہے کہ وہ دونوں بھی صحیح ہوں،

ان دونوں حدیثوں کو قسوی نے حضرت علی بن عبد اللہ سے روایت کیا۔ بحمد اللہ ہماری ذکر کردہ حدیث ان میں نہیں ہے۔ دونوں میں سے ایک حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضور سے روایت کی۔ کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے روز اونگھے۔ اور دوسری زید بن خالد سے کہ۔ تم میں سے کوئی جب اپنی شرمگاہ کو چھوئے تو وضو کرے۔

یہ علی ابن المدینی اس پائے کے محدث ہیں کہ ان کے شاگرد امام بخاری کہتے ہیں کہ سوائے علی بن المدینی کے اور کسی کے سامنے میں نے اپنے کو چھوٹا نہیں محسوس کیا۔ تو مذکورہ بالا تفصیلات سے بحمد اللہ ثابت ہو گیا کہ حضرت محمد ابن اسحق ثقہ ہیں۔ اور اذان خطبہ کے بارے میں ان کی بیان کردہ حدیث صحیح ہے۔

نفحہ (۵)

امام زہری کے اکثر شاگردوں نے حدیث میں۔ علی باب المسجد، اور۔ بین یدیہ، کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ان دونوں ٹکڑوں کا ذکر صرف ابن اسحق نے کیا ہے۔ جو ایک ثقہ راوی کا اضافہ ہے۔ اور اس کا قبول کرنا واجب ہے۔ تو یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ۔ بین یدیہ کو تو تسلیم کیا جائے اور۔ علی باب المسجد۔ کو ترک کر دیا جائے۔ اور اس سے بڑا ظلم یہ ہے کہ ابن اسحق کے اس اضافہ کو اس وجہ سے ترک کیا جائے کہ صرف ابن اسحاق اس کے راوی ہیں۔ اوروں نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اور اسی بنا پر اس اضافہ کو ان کی ثقہ راویوں کی مخالفت قرار دیا جائے۔ اور حدیث کو مضطرب قرار دیا جائے۔ اگر یہ ظلم روا رکھا جائے تو چند معدود اور مختصر روایتیں ہی اضطراب سے محفوظ رہیں گی۔ کیونکہ کون حدیث ہے۔ جو دو یا دو سے زائد طریقوں سے مروی نہیں۔ اور ہر طریقہ روایت کے متن میں کچھ ایسا حصہ بھی ضرور ہے جو دوسرے میں نہیں۔ شاید ہی ایسا ہو گا کہ دونوں روایتوں کے الفاظ بالکلیہ

یکساں اور برابر ہوں۔ اور نادر کا کیا اعتبار ؟

بوجہ دیگر۔ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ ائمہ محدثین چند سندوں کو ایک ساتھ جمع کرتے ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں فلاں فلاں اور فلاں نے فلاں سے روایت کی جس میں بعض نے بعض سے زائد بیان کیا۔ اور پھر پوری حدیث ایک ہی سیاق میں بیان کرتے ہیں۔ تو کیا وہ لوگ پچھلی اور اگلی دونوں کو ایک ساتھ ہی ملا دیتے ہیں ؟

ثالثاً۔ قرآن عظیم کے مفسرین میں، صحابہ ہوں یا تابعین (بعد کے لوگوں کا بھی یہی حال ہے) کہ کسی ایسے واقعہ کی تفسیر کرتے ہیں جو قرآن عظیم میں مذکور ہے۔ تو اس واقعہ میں کچھ ایسا اضافہ بھی کرتے ہیں جو قرآن عظیم میں نہیں ہے، تو کیا سب کے سب نے قرآن عظیم کی مخالفت کی۔ پناہ بخدا

رابعاً۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

"میں تم سے دجال کے بارے میں وہ بات نہ بیان کروں جو کسی نبی نے اپنی قوم سے بیان نہ کیا"، تو کیا پیغمبر خدا صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اور انبیاء سے زائد بات بتا کر ان سب انبیاء کی مخالفت کی۔ کون مسلمان یہ کہے گا ؟

خامساً۔ قرآن شریف میں حضرت موسیٰ وغیرہ انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے مختلف جگہ بیان کئے گئے ہیں۔ کہیں کم کہیں کچھ زیادہ تو کیا قرآن شریف نے اپنے بیان کی خود مخالفت کی؟

نفحہ (۶) وہ شخص بھی کیا خوب جاہل ہے جو یہ کہتا ہے کہ سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث خود ہی متناقض ہے۔ اس لئے کہ حدیث کے الفاظ "خطیب کے سامنے، اور مسجد کے دروازہ پر" میں تناقض ہے۔ تو اگر باب مسجد پر ہو گی تو خطیب کے سامنے کیسے ہو گی ؟ یہ شبہ سراسر وہم کی پیداوار ہے۔ کیونکہ جب تم منبر پر بیٹھو

اور تمہارے منہ کے سامنے مسجد کا دروازہ ہو تو دروازہ پر کھڑا ہونے والا کیوں تمہارے سامنے نہ ہوگا؟ کیا اس کو تمہارے پیچھے کھڑا ہونے والا کہا جائے گا؟ شاید یہ سوچتے ہوں گے کہ اس صورت میں امام اور موذن کے بیچ میں صفیں حائل ہیں پھر سامنے کیسے ہوا. صفیں بیچ میں ضرور ہیں لیکن وہ موذن اور امام میں حائل نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں ارشاد فرمایا. کیا تم دیکھتے نہیں کہ آسمان و زمین تمہارے آگے پیچھے ہیں. حالانکہ کتنے پہاڑ اس کے اور ہمارے درمیان میں حائل ہیں۔ "بین یدیہ" کی زیادہ تفصیل آگے آرہی ہے.

نفحہ (۷) اور جب "بین یدیہ" اور "علے الباب" کا تناقض ختم ہوگیا۔ تو اس پر حدیث کی جو تاویل مبنی تھی وہ بھی ختم ہوگئی کہ درخت بیج کے بغیر اُگ نہیں سکتا۔

لیکن اس تاویل میں حیرتناک بات یہ ہے کہ مؤول کے نزدیک سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں دروازے سے مراد وہ دروازہ ہے جو دیوار قبلہ میں منبر کی پشت پر تھا. تو خطیب کے سامنے منبر کے بالکل متصل کھڑے ہونے والے موذن کو مسجد کے دروازہ پر کہدیا۔ اگرچہ موذن اور دروازہ کے بیچ میں خود خطیب اور منبر حائل تھا۔ مگر کھڑے ہونے والے موذن کے سامنے ہی دروازہ تھا۔

یاللعجب ! مؤول جس دروازہ کی بات کر رہا ہے وہ اب نہیں ہے، اسے بند کرکے اب دیوار کر دیا گیا ہے وہ تو مراد ہو سکتا ہے۔ اور شرقی دروازہ جو فی الوقت موجود ہے. اور خطیب کے سامنے ہے وہ مراد نہیں ہو سکتا. کیا ایسی صورت میں کوئی باب المسجد کہے تو کسی کا ذہن اس بات کی طرف منتقل ہو سکتا ہے؟ کہ اس سے مراد موجود اور مشاہد دروازہ نہیں۔ بلکہ یہ دیوار مراد ہے۔ اس کو تاویل نہیں کہتے۔ یہ تو تحویل ہے. تعلیل ہے. اور تبدیل ہے خصوصاً اس صورت میں کہ سائب ابن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بند شدہ دروازہ کو دیکھا بھی نہیں، اس لئے کہ وہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے وقت سات سال

کے تھے۔ اس حساب سے ان کی ولادت ۳ھ ہجری میں ہوئی۔ جبکہ تحویل قبلہ کا واقعہ ۲ ہجری کا ہے۔ تو جب [redacted] اپنے مشاہدہ کی بات کر رہے ہیں تو یہ کیسے سوچا جا سکتا ہے کہ وہ اس ان دیکھے دروازہ کی گواہی دیں گے۔

پھر اس تاویل میں مجاز در مجاز ماننا پڑے گا۔ کیونکہ یہ دروازہ قبلہ کی دیوار میں تھا۔ اور اسی کے پاس منبر تھا۔ اس دروازہ اور منبر کے درمیان بکری کے گذرنے بھر جگہ تھی۔ اور منبر کے بعد موذن کھڑا ہوتا تھا۔ ایسی صورت میں موذن حقیقی معنی میں دروازہ پر کس طرح کھڑا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ حقیقی معنی میں دروازہ پر ہونے کی صورت تو یہ ہوگی موذن منبر سے آگے بڑھ قبلہ کی دیوار کے اندر والے دروازہ پر کھڑا ہو کر۔ حضور کی پشت اقدس کے پیچھے قبلہ کی طرف پشت اور آپ کے پشت کی طرف رخ کرے۔ بلکہ سچ پوچھو تو یہ اذان بھی دروازہ پر نہ ہوگی کہ دروازہ تو بند ہو کر اس جگہ دیوار بنا دی گئی تھی۔

نفحہ (۸) اور دروازہ سے مسجد کا باب شمالی مراد لینا جو منبر کے سامنے واقع تھا۔ اور علی باب المسجد کے علی کو محاذات پر محمول کرنا۔ اور مطلب یہ بتانا کہ موذن تو منبر سے متصل ہی کھڑا ہوتا تھا۔ لیکن لفظ علی باب المسجد سے اس کی تعبیر اسلئے کی گئی کہ دروازہ منبر کے سامنے تھا تو موذن اور دروازہ میں آمنا سامنا تھا۔ یہ بے وزن اور حقیر کلام ہے۔

اولاً ۔ بلا قرینہ معنی بعید مراد لینا۔ اور ایسا کلام بولنا سامع کو غلط فہمی میں ڈالنا ہے صحابی رسول صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسی حرکت نہیں کر سکتے۔

ثانیاً ۔ اس تاویل کی رو سے علی باب المسجد کا لفظ بے سود ہے۔ کیونکہ دروازہ جب امام کے سامنے ہے تو جو امام کے سامنے کھڑا ہے وہ دروازہ کے سامنے بھی کھڑا ہے۔ تو لفظ ۔ بین یدیہ ۔ کے ذکر کے بعد لفظ علی باب المسجد نہ تو اس پہلے معنی کی توضیح ہوئی۔

تخصیص اور نہ ہی اس لفظ سے کسی معنی کا افادہ مقصود۔ کیونکہ بقول معترض مقصد تو امام کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ دروازہ پر کھڑا ہونا نہیں۔ ایسی صورت میں لفظ علی باب المسجد لغو اور بے کار ہوا۔ جس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں۔

ثالثاً۔ اولاً یہ تاویل خود اپنے وجود کے ابطال کی دلیل ہے، کیونکہ تاویل کی ضرورت تب ہوتی ہے کہ کلام کے معنی ظاہر درست نہ ہوں، اور مخالف نے علی باب المسجد کو محاذات پر اس لئے محمول کیا کہ اس کے نزدیک بین یدیہ اور علی باب المسجد میں تضاد تھا۔ اور بین یدیہ کے معنی محاذات بلا حائل ہیں۔ جیسا کہ تمہاری خالہ کے ابن اخت نے اس کا اعتراف کیا، اور اب تمہاری تاویل سے جب امام کے پاس کھڑا ہونے والا دروازہ کے سامنے اور محاذی ہے تو دروازہ پر کھڑا ہونے والا امام کے محاذی و مقابل کیوں نہ ہوگا، جب کہ دونوں کے درمیان حائل نہیں۔ تو جب آپ کی یہ تاویل علی الباب کے معنی ظاہر کی تائید کر لیتی ہے۔ تو اس تاویل کی کیا ضرورت ہے۔ اسی لئے ہم نے کہا تھا کہ آپ کی تاویل اپنی تخریب کا سامان اپنے ساتھ ہی لائی ہے۔

نفحہ (۹) اس سے بڑی[1] تاویل یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ الفاظ حدیث میں لفظ علی الباب سے پہلے واو، یا او محذوف ہے۔ اور مطلب یہ ہے

---

[1] اور اس سے بھی زیادہ بعید اور مجازی سہو ول ہے۔ کہ محمد ابن اسحاق کی روایت میں پورا ایک جملہ مقدر ہے۔ یعنی عبارت یوں ہے۔ اذا جلس النبی صلی اللہ تعالیٰ علی المنبر اذن بین یدیہ بعد ما کان علی باب المسجد آپ جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو صحابہ جمع ہونے کے بعد اذان آپ کے سامنے ہوتی۔ یعنی وہ ندا جو دروازہ پر ہوتی اذان کے الفاظ میں نہیں ہوتی تھی، ایسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کے زمانہ میں ہوتا رہا۔ پھر عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ میں اس کو اذان ہی کے الفاظ میں مقام زوراء پر کہلانا شروع کیا۔ جو مسجد سے دور ایک

بقیہ ص ۲۱ پر

کہ اذان کبھی حضور کے سامنے منبر کے پاس ہوتی، اور کبھی دروازہ پر، یا مطلب یہ ہے کہ موذن بانگ دونوں جگہ دیتا۔ منبر کے پاس والی تو اذان ہوتی۔ اور دروازے کے پاس والا

بلند جگہ تھی۔ ایسا ہی ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرمایا۔ یہ تحقیق لائق قبول ہے۔ اور اس سے تمام روایتوں کا تعارض بھی اٹھ جاتا ہے۔

مسمی اعجاز الحق نے اپنی اسی بات کو فصیح الفاظ سے آراستہ کیا ہے۔ لیکن اس کی یہ تاویل بھی سخت گندی ہے، کہ اس نے ایک لفظ کے متعدد ملنے پر قناعت نہ کی، پورا مرکب غیر مفید مقصد کر ڈالا اور یہ سوچ کر کہ حدیث شریف میں یؤذن کا مطلب چونکہ اذان معروف ہے اس لئے باب مسجد والا اعلان پڑھا۔ اور اسکو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیا۔

واللہ العظیم اگر ایسی ہی خرافات کا التزام جائز ہو تو ہر شخص کو اپنی ہوائے نفس کے مطابق قرآن حکیم کی نص پھیرنا آسان ہوگا۔ مثلاً جو لوگ کہتے ہیں کہ غیر شادی شدہ کو زنا جائز ہے، وہ یہ کہیں گے کہ آیت شریفہ لا تقربوا الزنا (زنا کے قریب مت جاؤ) میں یہ ٹکڑا مقدر ہے بعد ما تزوجتم۔ یعنی جس کی شادی ہو چکی ہو۔ وہ زنا کے قریب بھی نہ جائے کیونکہ شادی کر لینے والے کو زنا کی حاجت نہیں بخلاف غیر شادی شدہ کے کہ اس کے پاس بیوی نہیں ہے تو کس طرح اپنی شہوت پوری کرے گا۔

اسی طرح جو لوگ جوانوں کا قتل جائز رکھتے ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ میں یہ ٹکڑا مقدر ہے بعد ما ہرم او ضعف۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قتل نفس حرام کیا ہے۔ یہ ہے کہ بوڑھے ہو جانے کے بعد انسان کا قتل حرام ہے۔ کیونکہ کسی کو قتل اس لئے کیا جاتا ہے کہ لوگوں کو اس کی ایذا سے نجات ملے۔ اور بڈھا ایذا پہونچانے کے لائق نہیں۔ تو اس کا قتل حرام ہونا چاہئے۔ بخلاف جوانوں کے کہ ہر وقت ایذا اور دیگر ایذا دے سکتے ہیں۔ اور موذی کو ایذا سے پہلے قتل کر دینا چاہئے۔ اسی طرح آیت میں صرف بڈھوں کے قتل کی ممانعت ہے۔ جوانوں کے قتل کی نہیں ______ بلکہ خود یہ مؤول اسی مسئلہ میں قرآن کی آیت کو بھی اپنے مقصد کے موافق بنا سکتا ہے۔ مثلاً قرآن شریف کی آیت مقدسہ اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ (جمعہ کے دن جب اذان پکاری جائے)

بقیہ صفحہ … پر

اعلان تھا۔ جو اذان کے الفاظ میں نہیں ہوتا تھا۔

یہ بات خود ہی اپنا بطلان کر رہی ہے۔ کیونکہ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی کفارہ ظہار کی آیت صیام شہرین متتابعین من قبل ان یتماسا (صحبت سے قبل مسلسل دو مہینہ روزہ رکھنا ہے) میں یہ کہے کہ آیت میں لفظ من قبل کے پہلے حرف واو جو بمعنی اَوْ ہے مقدر ہے۔ اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسلسل دو مہینہ روزہ رکھے یا عورت سے صحبت کے پہلے روزہ رکھے۔

پھر اولاً اس تاویل کی بنا اس واہمہ پر ہے۔ کہ لفظ بین یدیہ اور علی الباب میں تقابل ہے۔ دونوں ایک مصداق پر صادق نہیں آسکتے۔ اور چونکہ یہ وہم باطل ہے۔ اس لئے اَوْ بھی یہاں تقسیم کے لئے نہیں ہوگا۔ بلکہ اس بات کے اظہار کیلئے ہوگا کہ لفظ بین یدیہ اور علی الباب دونوں ایک ہی ہیں، یعنی جمع کے لئے ہوگا۔

ثانیاً۔ علی الباب اور بین یدیہ دو الگ الگ نداؤں سے متعلق ماننے پر یہ لازم آئے گا۔ کہ عہد رسالت میں نماز جمعہ کیلئے تثویب ہوتی تھی۔ اور یہ تصریحات علماء کے بالکل خلاف ہے۔ بلکہ خود سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مسعود میں ایک ہی موذن ہوتا تھا۔ جو امام کے منبر پر بیٹھتے ہی اذان دیتا۔ یہ روایت بخاری شریف کی ہے۔

یہ یہ مقصد ان لے اذا نودی للصلوٰۃ داخل المسجد لعیق المنبر من یوم الجمعۃ (جب جمعہ کے اندر منبر سے متصل جمعہ کے دن اذان دی جائے) لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ——— رہ گئی اس تقریر نامعقول کی نسبت ملا علی قاری کی طرف تو یقیناً غلط ہے۔ انھوں نے اس امر کی طرف نہ کنایہ کیا نہ تصریح۔ بلکہ انھوں نے ایک وہم کی بنا پر حدیث کے الفاظ میں اختلاف تصور کرتے ہوئے اپنی طرف سے چند احتمالات کا ذکر کیا۔ کہ ان مخالف الفاظ میں توفیق ہو جائے لیکن اختلاف ان کا واہمہ تھا۔ تو یہ ساری توفیق اسی کی پیداوار مانی جائیں گی۔ اس کی پوری تفصیل انشاء اللہ شمامہ چہارم نغمہ ہشتم میں آرہی ہے (۱۲ منہ)

ثالثاً حدیث شریف میں تو ایک ہی اذان کے بین یدیہ اور علی الباب ہونیکی تنصیص ہے۔ اس میں اس تفصیل کی گنجائش کیسے نکل سکتی ہے؟ کہ دروازہ پر اذان سے مختلف کلمات میں اعلان ہوتا تھا۔ ہاں حرف عطف کے ساتھ معطوف کو بھی مقدر مانا جائے۔ یعنی و بعد ما کان الاعلام علی باب المسجد (مسجد کے دروازہ پر اعلان ہونے کے بعد سامنے اذان ہوتی۔ یا لفظ یوذن کو ہی عموم مجاز پر محمول کیا جائے۔ جس سے ڈبل مجاز بلکہ بلا کسی قرینہ ملجئہ کے ترک حقیقت ماننا لازم آئے۔

تو یہ سب مخالفین کی ہوس ہے۔ جس سے وہ حدیث کی تفسیر کے نام پر تغییر و تبدیل حدیث کرنا چاہتے ہیں۔

نفحہ (۱۰) اور مخالفین میں سے بعض جن کو ہم نے جہالت پر عار دلایا تھا۔ اس نے حدیث پاک میں ایک ایسی علت پیدا کرنی چاہی جو سرے سے اس حدیث سے استدلال کو ہی ختم کر دے۔ وہ کہتا ہے کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد پاک میں کوئی دروازہ منبر کے سامنے تھا ہی نہیں۔ پوری مسجد نبوی شریف میں صرف تین دروازے تھے۔ پوربی رخ پر باب جبرئیل، اور پچھم طرف باب السلام اور باب الرحمۃ (اور شمال و جنوب میں کوئی دروازہ تھا ہی نہیں) یہ خبیث جہالت سے حدیث کو رد کرتا ہے۔ مسجد شریف میں تین دروازے[1] ضرور تھے۔ مگر اور دروازے بھی تھے جن کی تفصیل یوں ہے۔ پوربی جانب باب جبرئیل پھر امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی سمت باب النساء قائم فرمایا۔ پچھم طرف باب الرحمۃ پھر اسی طرف امیر المومنین نے باب السلام قائم فرمایا۔ شمالی جانب باب ابی بکر پھر اسی طرف

---

[1] ابواب کے نام بعد میں رکھے گئے ہیں۔ اور موجودہ دروازے بھی ٹھیک انھیں مقامات پر نہیں جہاں تھے۔ بلکہ مسجد کی وسعت کے بعد انھیں دروازوں کی محاذات میں رکھے گئے۔ (منہ غفرلہ)

امیرالمومنین نے ایک دروازے کا اور اضافہ فرمایا۔ عالم مدینہ حضرت سید سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے خلاصۃ الوفاء میں اس کی تصریح فرمائی۔ پھر باب شمال کے لئے کسی دوسرے حوالہ کی ضرورت نہیں۔ بخاری شریف باب الاستسقاء کی یہ حدیث کافی ہے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی اس دروازہ سے، جو منبر کے سامنے تھا۔ ایک جمعہ کو آیا۔ آپ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت خطبہ ارشاد فرمارہے تھے (الحدیث)

نفحہ (۱۱)

یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ یہاں دو سنتیں ہیں۔ جن میں ایک کا تعلق خاص اذان خطبہ سے ہے۔ یہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت اذان کا اس کے سامنے ہونا ہے۔ اور ایک عام سنت ہے جو ہر اذان کو عام ہے۔ وہ اذان کا حدود مسجد کے اندر اس کے صحن میں ہوتا ہے نہ کہ خاص مسجد کے اندر، اس کی تصریح ان فقہاء کے نصوص میں ہے۔ جن کا نام ہم بیان کر چکے ہیں، اور سائب ابن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی اس حدیث میں، ان دونوں ہی سنتوں کا بیان کیا ہے۔ کہ اذان خطبہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد اس کے سامنے ہوئی۔ اور یہ کہ اذان مسجد کے دروازہ پر ہوتی۔ اور دروازہ مسجد کی حد پر ہوتا ہے۔ مسجد کے اندر نہیں۔ لیکن اذان کی سنت میں دروازہ کی کوئی خصوصیت نہیں۔ اہمیت صرف منبر کے سامنے ہونے کی ہے۔ اگر کسی مسجد میں منبر کے سامنے دروازہ نہ ہو تو ایسا نہیں ہے کہ دروازہ ڈھونڈ کر وہیں اذان دی جائے۔ بلکہ خطیب کے سامنے حدود مسجد اور صحن مسجد میں ہوگی۔ اس سے دو سوال کا جواب ہوگیا۔ جو اکثر کیا جاتا ہے۔

اول یہ کہ علماء نے اس اذان کی سنتوں میں اس کا دروازہ پر ہونا ذکر نہ کیا،

جواب۔ یہ ہے کہ اس لئے اس کا ذکر نہ کیا کہ دروازہ اس باب میں غیر مقصود ہے۔ اس حدیث میں اس کا ذکر ایسے ہی ہے۔ جیسے دوسری حدیث میں سطح بیت نوار ام زید کا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سطح بیت نوار ام زید پر اذان دیتے تھے۔ تو اگر کوئی یہ گمان کرے کہ اذان میں

سنت یہ ہے کہ پڑوسیوں کے گھر کی چھت پر ہو۔ اور کوئی شخص منارہ یا دروازہ کے اوپر کھڑا ہو کر دے تو سنت کے مخالف ہے تو غلط ہے۔ کیونکہ اس گھر کی چھت کے ذکر سے مقصد تو یہ ہے کہ بلند جگہ پر اذان ہو، نہ یہ کہ پڑوسی کے گھر کی چھت پر۔

دوسرا سوال یہ کہ۔ فقہا اس اذان کے لئے خارج مسجد ہونیکی شرط باب جمعہ میں ذکر نہیں کرتے بلکہ صرف اتنا بتاتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ امام کے سامنے ہو۔

جواب یہ ہے کہ۔ خاص باب جمعہ میں ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سنت صرف اذان جمعہ کے ساتھ مختص نہیں۔ بلکہ تمام اذانوں کی سنت ہے۔ اس لئے علماء نے اسکو مطلق اذان کے باب میں ذکر کیا۔ ہاں خطیب کے سامنے ہونا اذان جمعہ کے ساتھ خاص تھا۔ تو اس کو باب جمعہ میں خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان کے دو خاص و عام حکم کو شامل تھی اصولاً اس کو دو علیحدہ علیحدہ ابواب میں ذکر کرنا چاہئے تھا، فقہائے امت نے ایسا ہی کیا۔

یہ جواب اس تقدیر پر ہے کہ سائل کے قول کو تسلیم کیا جائے۔ ورنہ ہمارے علمائے کرام نے ابواب جمعہ کو بھی اس بیان سے خالی نہیں رکھا۔ انشاء اللہ آئندہ ہم اس کی شہادتیں پیش کریں گے۔

نفحہ ۱۲ اور جب ہر طرف سے عاجز آگئے تو کہا کہ لوگوں نے اس حدیث کی پرچا ہی نہیں کی، تو یہ متروک العمل رہی مگر یہ بات ایسے شخص کی ہو سکتی ہے جو عوام کے درجے سے بالشت بھر بھی بلند نہ ہو سکا۔ کیونکہ ہر چیز کو وہیں تلاش کرنا چاہئے جہاں اس کا ٹھکانہ ہو۔ اور دوسری جگہ نہ ملنے میں کوئی شکایت نہیں۔ اور یہ بات اسی قبیل سے ہے کہ کسی چیز کے نہ ہونے پر اندھوں کی گواہی پیش کی جائے۔ ورنہ علماء تو

اس حدیث کا مسلسل ذکر کرتے رہے۔ اور اس پر اعتماد کرتے رہے۔

تفسیر خازن میں ہے۔

(جمعہ کے دن جب نماز کیلئے اذان دی جائے) اس سے وہ اذان مراد ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کے علاوہ اور اذان نہیں تھی۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن جب منبر پر بیٹھتے تو ان کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان دی جاتی تھی۔ (راہ ملتقطا)

تفسیر کبیر میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قول (جمعہ کے دن جب نماز کے لئے اذان دی جائے) یعنی ندار جو جمعہ کے دن امام کے منبر پر بیٹھتے وقت دی جاتی ہے۔

یہی مقاتل کا قول ہے۔ اور ایسا ہی بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس اذان کے علاوہ کوئی اذان نہیں دی جاتی تھی۔ جمعہ کے دن جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر بیٹھتے تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد کے دروازہ پر اذان دیتے۔ ایسا ہی ابوبکر و عمر رضوان اللہ علیہما کے زمانہ میں بھی تھا۔

تفسیر کشاف میں ہے:

(سورۂ جمعہ کی آیت میں) ندا سے مراد اذان ہے۔ کہتے ہیں کہ اس اذان کی طرف اشارہ ہے۔ جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک ہی موذن آپ کے منبر پر بیٹھتے ہی مسجد کے دروازہ پر اذان دیتا۔ خطبہ کے بعد آپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے

اور لوگوں کی تعداد میں بڑا اضافہ ہوا۔ اور دور دور تک مکانات ہو گئے۔ تو آپ نے ایک موذن کا اور اضافہ فرمایا۔ اور اسے پہلی اذان کا حکم دیا۔ جو آپ کے گھر موسوم بہ زوراء پر دیا جاتی (یہ مکان مسجد سے دور بازار میں تھا) اور آپ جب منبر پر بیٹھتے تو دوسرے موذن اذان دیتے۔ پھر آپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے۔

درشفاف لعمر بن اباادی میں ہے۔

آپ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک ہی موذن تھے۔ جو آپ کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دروازہ مسجد پر اذان دیتے پھر آپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے۔

نہر الماء من البحر المحیط لابی حیان میں ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں ایسا ہی ہوتا تھا۔ کہ جب آپ منبر پر بیٹھتے تو مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی۔ اور جب خطبہ کے بعد آپ اترتے تو نماز قائم ہوتی۔ ویسے ہی صاحبین کے عہد تا ابتدا عہد عثمان غنی رضوان اللہ علیہم اجمعین ہوتا رہا۔ پھر آپ کے ہی زمانہ میں مدینہ شریف کی آبادی بڑھ گئی۔ لوگ زیادہ ہو گئے اور مکانات دور تک پھیل گئے تو آپ نے ایک موذن کا اضافہ فرمایا۔ اور انہیں حکم فرمایا کہ پہلی اذان آپ کے مکان زوراء پر دیں۔ پھر جب آپ منبر پر بیٹھتے تو موذن دوسری اذان دیتا۔ پھر آپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے۔ اس اضافہ پر کسی نے آپ پر اعتراض نہیں کیا۔

تقریب کشاف لابی الفتح محمد بن مسعود میں ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے بعد شیخین رضی اللہ عنہما کے عہد میں ایک ہی موذن تھا جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت مسجد کے دروازہ پر اذان دیتا تھا۔

تجریدِ کشاف لابی الحسن علی بن القاسم میں ہے ۔

حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک موذن تھا ۔ جب آپ منبر پر بیٹھتے تو وہ مسجد کے دروازہ پر اذان دیتا تھا ۔ اور آپ جب منبر سے اترتے تو نماز قائم فرماتے ۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے ۔

ندا اول وقت ظہر میں اذان ہے ۔ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک موذن تھا جب آپ منبر پر بیٹھتے تو وہ مسجد کے دروازہ پر اذان دیتا تھا ۔ (ماخوذ موافق تفسیل کشاف)

تفسیر خطیب و فتوحات الٰہیہ میں ہے ۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ۔ جمعہ کے دن جب نماز کیلئے اذان دیجائے ۔ اس ندا سے وہ اذان مراد ہے ۔ جو امام کے منبر پر بیٹھنے پر دیجاتی ہے ۔ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں اس اذان کے علاوہ تھی ہی نہیں ۔ ایک ہی موذن تھا ۔ جب آپ منبر پر بیٹھتے تو وہ دروازہ پر اذان دیتا ۔ اور جب آپ منبر سے اترتے تو نماز قائم ہوتی پھر ابوبکر و عمر اور علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو فہ میں اسی پر عامل رہے ۔ مدینہ میں عہد عثمان غنی رضی اللہ عنہم میں آبادی بڑھی ۔ اور مکانات دور دور تک پھیل گئے ۔ تو انہوں نے ایک اذان اور زیادہ کی ۔

کشف الغمہ للامام شعرانی میں ہے ۔

اذان اول حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں جب خطیب منبر پر بیٹھتا ۔ اور اذان مسجد کے دروازہ پر ہوتی ۔

شمامہ ثانیہ از صندل فقہ

نفحہ (۱) اللہ تعالیٰ کے لئے بے شمار حمد ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہونے پر کثیر التعداد فقہی نصوص ہیں۔ وہ بھی صیغہ نفی کے ساتھ جو ممانعت میں نہی سے زیادہ موکد ہوتا ہے۔

خانیہ[۱]، خلاصہ[۲]، خزانۃ[۳] المفتین، شرح[۴] نقایہ علامہ عبد العلی، فتاویٰ[۵] ہندیہ، تاتارخانیہ[۶] مجمع[۷] البرکات میں ہے۔

• مئذنہ پر اذان دینا چاہیے۔ یا مسجد کے باہر، مسجد میں اذان نہ دی جائے۔

بحر الرائق[۸] شرح کنز الدقائق میں خلاصہ کے حوالے سے ہے۔

• مسجد میں اذان نہ دی جائے۔

شرح[۹] مختصر الامام طحاوی، للامام اسبیجابی اور مجتبیٰ، شرح[۱۰] مختصر للامام قدوری میں ہے

• اذان نہ دی جائے مگر صحن متعلقہ مسجد میں یا منارہ پر۔

بنایہ[۱۱] شرح ہدایہ للامام عینی میں ہے۔

اذان نہ دی جائے مگر صحن مسجد میں یا مسجد کے کنارے۔

غنیہ[۱۲] شرح منیہ میں ہے۔

• اذان مئذنہ پر یا خارج مسجد ہو اور اقامت مسجد کے اندر[۱]۔

---

[۱] ناحیہ، رکن، اور جانب سب کے معنی ایک ہیں۔ قاموس میں ہے۔ ناحیہ جانب اور کنارے کو کہتے ہیں۔ مصباح

نظم[۱۳] امام زندویسی۔ شرح[۱۴] نقایہ لشمس قہستانی، حاشیہ[۱۵] مراقی الفلاح للعلامہ سید احمد طحطاوی میں ہے۔

مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔

غایۃ[۱۶] البیان شرح ہدایہ لعلامہ اتقانی۔ فتح القدیر[۱۷] شرح ہدایہ لمحقق علی الاطلاق میں ہے۔

مصنف امام برہان الدین صاحب ہدایہ کا قول کہ (مکان ہمارے مسئلہ میں مختلف ہے)
اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اذان واقامت کے مقامات کا اختلاف ہی معہود ومعروف
نیز حکم شرعی ہے کہ اقامت مسجد میں ہونا ضروری ہے۔ اور اذان مئذنہ پر اور مئذنہ
نہ ہو تو مسجد کے صحن میں۔ ائمہ نے فرمایا کہ مسجد میں اذان نہیں دی جائے گی۔

اور دونوں شارحین نے اپنی دونوں کتابوں میں خطبہ جمعہ کے لئے طہارت مسنون ہونے کے مسئلہ میں اذان پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا۔

کافی میں دونوں مسئلہ میں علت جامعہ یہ بتائی کہ خطبہ اور اذان دونوں ہی مسجد کے اندر
خدا کا ذکر ہیں۔ جن کیلئے طہارت سنت ہے۔ مسجد کے اندر کا مطلب حدود مسجد ہے
کیونکہ اذان داخل مسجد مکروہ ہے۔

میں ہے (الجانب (الناحیہ) جانب اور کنارہ ہی ناحیہ ہے۔ تاج العروس میں ہے۔ پہاڑ اور محل کا رکن اس کا کونہ ہوتا ہے۔ اور ہر شئے کا رکن اس کا کنارہ ہی ہوتا ہے۔ جس کی طرف اس کی نسبت ہوتی ہے۔ یا اس کے ساتھ قائم ہوتا ہے، یہ لفظ علیحدگی اور جدائی کے معنی دیتا ہے۔ جیسے جانب اسی انفصال کے معنی دیتا ہے، اور کعبہ شریف کے اطراف رکن اسود اور یمانی کو دیکھا جا سکتا ہے، کہ وہ دونوں کعبہ سے خارج ہیں۔

اور خلاصۃ الوفا میں ذکر کیا ہے، کہ عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی شریف کے چاروں کونوں پر چار مینار بنائے اور فرمایا کہ یہ چاروں مینار زمین سے لے کر چاند تک خارج مسجد ہیں (منہ غفرلہ)

یہ انیس نصوص ہیں، اور بیسویں نص امام ابن الحاج کی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مدخل میں ایک فصل تحریر فرمائی۔ جس میں مسجد کے اندر اذان کی کراہت بیان فرمائی، اور بتایا کہ مطلقًا سلف صالحین نے اس فعل کی نفی کی ہے: تو اس عموم میں ائمہ اربعہ داخل ہوگئے۔ اور ان سے پہلے کے صحابہ و تابعین بھی۔ مدخل کی عبارت یہ ہے۔

. مسجد میں اذان کی ممانعت کے بیان میں یہ گذر چکا کہ اذان کے لئے تین جگہیں ہیں مسجد کی چھت، مسجد کا دروازہ، اور منارہ، اور جب ایسا ہے تو مسجد کے اندر اذان کی ممانعت کئی وجہ سے ثابت ہے اول یہ کہ گذشتہ بزرگان دین مسجد کے اندر اذان نہیں دیتے تھے۔ الخ

یہ کل بیس نصوص ہوئے۔

نفع (۲) یہ نصوص اپنے عموم و اطلاق کے ساتھ سب کے سامنے ہیں۔ اور اصول فقہ سے یہ ظاہر ہے کہ فعل نکرہ کے حکم میں ہے۔ اور نفی کے تحت ہو تو عام ہے پس فقہاء کا قول لا یوذن فی المسجد عام ہے۔ اور باقی اقوال مطلق ہیں۔ جن میں تخصیص و تقیید کا کوئی اثر نہیں تو ان کو اپنے عموم پر ہی جاری رکھنا ہوگا۔

اور جن عبارتوں میں مئذنہ کا ذکر ہے۔ تو وہ خطبہ کی اذان کو اس حکم سے نکلنے کیلئے نہیں

اولاً۔ اس لئے کہ صدر اول کے بعد ہی لوگوں نے بلند منبر اور ان کے سامنے اذان جمعہ کیلئے چبوترے بنائے۔ جیسا کہ شاہی مسجدوں میں اب بھی دیکھا جا سکتا ہے (اور ان کی بنا مخصوص شرائط کے ساتھ جائز بھی ہے) تو اذان جمعہ کیلئے یہی مئذنہ ہوئے۔ اور ان پر اذان، اذان علی المئذنہ ہوئی، تو اس حکم میں کہ مئذنہ پر اذان نہ ہو تو صحن مسجد میں ہو۔ اذان جمعہ بھی داخل رہی۔

ثانیًا۔ (یہ جملہ اذان مئذنہ پر ہونی چاہئے نہ ہو تو صحن مسجد میں دی جائے) مطلق یا عام

(اذان) کے لئے ایک حکم مردد ہے۔ اور ایسے تردیدی حکم کا یہ تقاضا نہیں ہوتا کہ مطلق یا عام کا ہر ہر فرد حکم کے دونوں پہلوؤں سے متصف ہو، بلکہ مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اس کا کوئی فرد بھی حکم کے دونوں پہلوؤں سے یکسر خالی نہ ہو کوئی فرد حکم کے ایک پہلو سے متصف ہو، اور کوئی دوسرے پہلو سے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(اس تشریح کی رو سے مذکورہ بالا جملا کا مطلب یہ ہوا کہ اذان خواہ پنج وقتہ ہو یا اذان خطبہ سب کو مئذنہ پر ہونا چاہیئے۔ (لان اذان) مئذنہ ہی نہ ہو، یا اس پر اذان نہ ہو سکی تو صحن مسجد میں ہو۔ پس مذکورہ بالا حکم اذان جمعہ کو بھی شامل ہوا)

(اعتراض) فتح القدیر اور غایۃ البیان کی مذکورہ بالا عبارت کا ظاہر تو یہی ہے کہ یہ حکم صرف نماز پنج وقتہ کے ساتھ ہی خاص ہو۔ کہ مئذنہ کی ضرورت اسی کے لئے ہے۔ اذان جمعہ بوجہ محاذات کی وجہ سے متعارف مئذنوں پر منع ہے)

(جواب۔) ان دونوں کتابوں کی اصل عبارت یہ ہے۔ ۔ اما الاذان فعلی المئذنۃ دان لم یکن (ایک نسخہ) وان لم تکن (دوسرا نسخہ) ففی فناء المسجد، پہلے نسخہ کی تقدیر پر ترجمہ یہ ہوا۔ اگر مئذنہ پر اذان نہ ہوئی۔ اذان نہ ہونے کی دو صورت ہے۔ اول۔ اذان کا مئذنہ پر ہونا تو ممکن تھا۔ مگر موذن نے سستی وغیرہ کی وجہ سے اذان مئذنہ پر نہ دی۔ یہاں عدم اذان علی المئذنہ بوجہ ترک موذن ہے۔ اور دوسری صورت یہ کہ موذن مئذنہ پر اذان دینا چاہتا تھا۔ لیکن وہ مئذنہ پر اذان اس لئے نہ دے سکا کہ شریعت نے اسے روک دیا، کہ یہ مئذنہ خطیب کی محاذاۃ میں نہیں۔ اس لئے اس پر اذان منع ہے یہ عدم اذان موذن کو اذان سے کف و منع کی وجہ سے ہے۔ ان میں پہلی صورت اذان پنج وقتہ میں ہے۔ اور دوسری جمعہ کی اذانوں میں۔ اور عدم اذان کی ان دونوں صورتوں کیلئے حکم یہی ہے۔ اذان صحن مسجد میں ہو تو جمعہ کی اذان کو بھی یہ حکم شامل ہوا۔

اور دوسرے نسخہ کی رو سے ترجمہ یہ ہوگا کہ اگر مئذنہ نہ ہو تو اذان صحن مسجد میں ہوگی مئذنہ نہ ہونے کی بھی دو صورتیں ہیں۔ عدم حسی، اور عدم شرعی، مسجد میں سرے سے کوئی مئذنہ ہی نہ ہو یہ عدم حسی ہے۔ اور مئذنہ تو ہو مگر خطیب کی محاذات میں نہ ہو تو عدم شرعی کی صورت ہے۔ اور حکم مذکور کا مدار عدم شرعی ہے۔ اور جب متعارف منارے عدم محاذات کی وجہ سے خطبہ کی اذان کے لئے شرعاً معدوم ہیں۔ تو حکم مذکور اذان جمعہ کے لئے بھی ہوا کہ صحن مسجد میں ہو۔ تو بہر تقدیر اس حکم سے خطبہ کی اذان خارج نہ ہوئی۔ وللہ الحمد۔

اور اگر کسی کو ضد ہی ہو کہ اس حکم میں جمعہ کے خطبہ کی اذان شامل نہیں۔ تو بر سبیل تنزل گزارش ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے اس کا بھی خیال رکھا ہے۔ چنانچہ اپنی اسی عبارت میں مذکورہ بالا ٹکڑے کے بعد اسلوب بدل کر لفظ قالوا کے اضافہ کے ساتھ ایک عام اور تام حکم دیا۔ فرماتے ہیں قالوا لایوذن فی المسجد فقہا کا قول ہے کہ مسجد میں اذان نہیں دی جائیگی۔ اور میں اس لئے کہتا ہوں کہ لایوذن فی المسجد کا حکم اپنے عموم کے ساتھ تمام اذانوں کو شامل ہے۔ لیکن بطور تنزل جب ہم نے سابقہ جملہ کو پنج وقتہ اذان کیلئے مخصوص مان لیا۔ تو یہ حضرات اگر عبارت کا اسلوب بدلے اور لفظ قالوا کا اضافہ کئے بغیر لایوذن فی المسجد کہہ دیتے۔ تو یہ وہم ہو سکتا تھا۔ کہ حکم بھی اسی معہود اذان (پنج وقتہ) کیلئے ہے جس کا ذکر جملہ سابقہ میں ہے۔ لیکن جب عبارت کا سیاق بدل گیا۔ اور قالوا کے اضافہ نے اسے ایک علاحدہ جملہ کر دیا۔ تو وہ وہم بالکلیہ ختم ہو گیا۔ اور یہ امر بالکل واضح ہو گیا کہ یہ ایک علیحدہ حکم جملہ اذانوں کے لئے مطلق اور عام ہے جس میں خطبہ کی اذان بھی شامل ہے۔ بزرگوں کے کلام میں ان دقائق کی طرف رہنمائی صرف توفیق الٰہی کا کرشمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے علاوہ آداب کی بھی توفیق بخشے۔ آمین۔

نفحہ (۳) اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان دونوں اماموں کی عبارت میں لفظ قالوا کا

قاعدہ ظاہر ہوا۔ بقیہ عبارتوں میں لفظ قالوا نہیں ہے۔ اور ایسا بھی نہیں ہے کہ جب لفظ قالوا کہیں تو ماسبق سے تبری اور افادہ خلاف کا ہی فائدہ مراد لیں۔ نہ یہ سب کی تسلیم شدہ اصطلاح ہے۔ جیساکہ کلام علماء کے تتبع و تلاش سے ظاہر ہوا۔

ردالمحتار میں بے وضو آدمی کے حدیث و فقہ کی کتابوں کے چھونے کے بارے میں فرمایا۔

خلاصہ میں ہے کہ صاحبین کے نزدیک چھونا مکروہ ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک چھونا مکروہ نہیں ہے اور فتح القدیر میں اس کی کراہت کا حکم فرمایا۔ اور کہا کہ لوگوں نے کہا کہ مکروہ ہے بے وضو کا تفسیر، فقہ اور سنت کی کتابوں کو چھونا۔ تو اس حالت میں لفظ قالوا کیکر سابقہ حکم کی تائید ہی کی۔

نہر الفائق میں ایک مسئلہ بیان کیا۔

بالغہ کی شادی غیر کفو میں کردی گئی۔ اسے خبر ہوئی تو وہ چپ رہی۔ یہ خموشی صاحبین کے نزدیک رضامندی نہیں ہے۔ اور امام صاحب کے قول پر رضامندی ہے۔ بشرطیکہ شادی باپ دادا نے کی ہو۔ درایہ میں اول کو لفظ قالوا سے بیان کیا ہے

اسی طرح ان دونوں اماموں نے یہاں دونوں ہی طرح اثبات مدعا کیا ہے۔ کہ پہلے قول میں وہ امام کے قول معتمد کی علت بیان کرنا چاہتے ہیں (مغرب میں اذان اور اقامت کے بیچ میں جلسے فصل جائز نہیں) اور قالوا لا یوذن فی المسجد سے اسکی تائید کرنا چاہتے ہیں تاکہ اسکی مخالفت اور تبری کے درپے ہیں (تصدیق کیلئے ہدایہ کا یہ مقام اور اسکی دونوں شرحیں ان دونوں اماموں کا قول بغیر کسی تبدیلی کے دیکھ لیجئے)

اور دوسرے قول میں کافی کے قول۔ ھو ذکر اللہ تعالیٰ فی المسجد کی تاویل

لے اور جس نے اس مسئلہ میں لفظ قالوا کے زیادتی کی نسبت امام قاضی خاں کی طرف کی غلطی کی جیساکہ انکی عبارت سے پتہ چلا۔ منہ غفرلہ۔

لے یہاں اعلیٰحضرت نے غالباً طحطاوی کی بھی کوئی عبارت نقل کی تھی جو پڑھی نہ گئی۔ عبدالمنان۔

میں فرمایا اسے فی حد ذاتہ۔ اور بغیر لفظ قالوا کے یہ جزم فرمایا کہ اذان مسجد میں مکروہ ہے تو یہاں بے قالوا کے تبری اور اظہار خلاف کے لئے یہ جملہ ہوا۔ تو حق واضح ہوا۔ اور حمد اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ثابت ہے۔

نفحہ (۴) یہ بات کسی علم و عقل والے سے پوشیدہ نہیں ہے۔ کہ عام سے خاص پر استدلال صحیح اور درست ہے۔ خود حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آیت مبارکہ (فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ۔ جس نے ذرہ برابر بھلائی کی اس کا بدلہ پائیگا) میں برتا۔ اور آپ کے بعد صحابہ وائمہ اعلام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسے اپنا دستور العمل بنایا۔ اگر ہر خاص کے ثبوت کے لئے خاص اسی کے بارے میں آیت اور حدیث کو ضروری قرار دیا جائے۔ تو شریعت معطل ہو جائے گی۔ اور انسان بے مقصد بھٹکتا پھریگا۔ حالانکہ بیشتر شریعت میں احکام تو عام ہی ہوتے ہیں۔ کہ سب لوگ اس پر عمل کریں۔ اگر نصوص عامہ سے استدلال صحیح نہ ہو تو ہر شخص مطالبہ کرے گا خاص میرے نام سے حکم لاؤ۔

تو یہ جاہل دیوبندی اور مسئلہ اذان میں ان کی اتباع کرنے والے سستی جہلاء کس درجہ ناسمجھ ہیں۔ جو ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم کو ممانعت اذان کی کوئی ایسی حدیث دکھاؤ۔ جس میں خاص طور سے اذان خطبہ کا ذکر ہو۔

اسی کے قریب ان لوگوں کی یہ بات بھی ہے کہ مسجد کے اندر اذان نہ دینے کا حکم اذان کے باب میں ہے۔ جمعہ کے باب میں نہیں۔ اسلئے یہ حکم اذان جمعہ کیلئے نہیں ہوگا۔ اس کا تفصیلی جواب تو نفحات حدیثہ کے گیارہویں نفحہ میں گذرا۔ اس نفحہ فقہیہ میں بھی مزید گذارش ہے کہ شاید یہ نادان یہ سمجھ رہے ہیں کہ اذان جمعہ کے ساتھ وہی احکام خاص ہیں۔ جو باب جمعہ میں مذکور ہیں۔ مثلاً اس اذان کا خطیب کے سامنے ہونا۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ وہ سارے ہی عمومی احکام جو اذان سے متعلق ہیں۔ گو صرف باب اذان میں ہی

ان کا ذکر کیوں نہ ہو۔ سب کے سب اذان جمعہ پر بھی عائد ضرور ہوں گے۔ تو اگر صرف باب اذان کا بیان ہی اذان جمعہ کے لئے کافی نہ ہو۔ تو جمعہ کی اذان میں ان پر عمل درآمد کی کیا سبیل ہو گی ؟ یہ بات تو بچوں پر بھی واضح ہے مگر نادان وہابیہ نادانی سے باز نہیں آتے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے خطبہ جمعہ باوضو مسنون فرمایا۔ اور خطبہ کے مسئلہ کو اذان کے مسئلہ پر قیاس کیا۔ کہ جیسے اذان کے لئے طہارت مسنون ایسے خطبہ کے لئے بھی۔ اس سے یہ وہم ہوا کہ ان دونوں کے درمیان علت جامعہ ان دونوں کا نماز کے لئے شرط ہونا ہے۔ یہ بات غلط تھی اس لئے ان دونوں شارحوں نے مذکورہ بالا علت کو چھوڑ کر اس کی علت جامعہ کی طرف رجوع کیا۔ جس کو امام نسفی نے اپنی کتاب کافی میں بہتر طور سے ذکر کیا تھا کہ خطبہ جمعہ اور اس کی اذان کے درمیان علت مشترکہ ان کا ایسا ذکر ہونا ہے جو مسجد کے اندر ہوتا ہے۔ اس توجیہ پر یہ اعتراض وارد ہو رہا تھا کہ اذان تو مسجد کے اندر ہونے والا ذکر نہیں۔ یہ تو مسجد کے اندر مکروہ ہے۔ تو ان حضرات نے جواب دیا کہ تعلیل میں اذان کو ذکر مسجد کہنے کا مطلب قلب مسجد نہیں ہے، حدود مسجد ہے۔ اور اذان خطبا اندرون مسجد نہ ہوتی ہو۔ حدود مسجد میں تو ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے اس کو ذکر مسجد کہنا صحیح ہے۔ تو اذان خطبہ کے مسجد کے اندر مکروہ ہونے کی اس سے بڑی اور کون سی نص چاہئے۔

نفحہ (۵) یہ مسئلہ کتب ظاہر الروایہ کا نہیں ہے۔ نہ ہی مشائخ میں سے کسی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ راوی وہی ائمہ اعلام ہیں جیسے امام قاضی خاں اور ان کے ہم رتبہ حضرات ائمہ۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ یہ لوگ جب کسی مسئلہ کو مرسل روایت کرتے ہیں تو یہ مسائل مذہب میں شمار ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان مشائخ کی عادت کریمہ یہ ہے کہ جب مشائخ میں سے کسی کی تخریج روایت کرتے ہیں تو مسئلہ کے ساتھ ان کا نام ضرور لیتے ہیں۔ چنانچہ غنیۃ ذوالاحکام میں ہے۔ اور مکھنے کے مسئلہ کی تصریح امام قاضی خان نے فرمائی۔ اور یہ مسئلہ جب کسی کی طرف منسوب

نہیں ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ یہ مذہب ہے۔

تو مسئلہ دائرہ میں یہ شک پیدا کرنا کہ یہ خاص طور سے امام اعظم کی طرف منسوب نہیں اس لیے قابل قبول نہیں۔ اس کا مقصد دو باتیں ہیں۔ عام مسائل شرعیہ و فتاویٰ جن کی نسبت کسی کی طرف نہ ہو۔ ان سے امام کی نسبت مرتفع ہو جائے اور بقیہ مسائل جو کسی شیخ یا امام کی طرف منسوب ہوں ان کا رد و ابطال ہو۔ کہ جب غیر منسوب مسائل امام کی طرف منسوب نہ ہونے کی وجہ سے غیر مقبول ہوئے تو یہ مسائل جو بالتصریح غیر کی طرف منسوب ہیں۔ ان کے رد و ابطال میں کون سا تردد، کہ ان کے بارے میں تو یہ بالیقین معلوم ہے کہ یہ مسائل امام سے مروی نہیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ مذہب کے دو ثلث یا تین ربع مسائل اکارت ہو جائیں گے۔ جبکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ مشائخ نے جن مسائل کی تصحیح یا ترجیح فرمائی ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہے کہ ان کی زندگی میں ان کے فتاوے مقبول اور معمول بہا تھے۔ تو ان مسائل سے کیوں روگردانی جائز ہوگی؟ جن کو ان بزرگوں نے یقین کے ساتھ کسی اختلاف کا اشارہ کیے بغیر روایت کیا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

نمبر (۹) جب نصوص کی تخصیص ان کے بس سے باہر ہوئی۔ تو سوچا کہ اذان خطبہ کو ہی اذان کی جنس سے خارج کر دیں۔ تاکہ یہ خود اذان کی جنس سے خارج ہو جائے اور ہم تخصیص کی زحمت سے نجات پا جائیں۔

تو وہ کہنے لگے کہ اذان تو غیر موجود مصلیوں کا بلاوا ہے۔ اور اقامت مسجد میں موجود رہنے والے مصلیوں کو اطلاع ہے۔ جیسا کہ ائمہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے۔ اور صاحب ہدایہ نے فرمایا۔ اذان غیر موجود مصلیوں کا بلاوا ہے۔ اور الحدادی نے سراج الوہاج اور علامہ بحر نے بحر الرائق میں تحریر کیا ہے۔

پس یہ لوگ اذان خطبہ کو حاضر مصلیوں کی اطلاع مانتے ہیں۔ غائبین کا بلاوا نہیں تسلیم کرتے۔ اور اذان خطبہ اذان کے الفاظ ہوتے ہوئے بھی اذان نہیں جیسے وہ اذان جو نومولود کے کان میں کہی جاتی ہے۔ غمزدہ انسان کے لئے یا مسافر کے پیچھے اور غول بیابانی کا اثر دور کرنے کے لئے دی جاتی ہے۔ اور دفن میت کے وقت منکر نکیر کا جواب یاد دلانے کے لئے اور شیطان کو بھگانے یا دیگر اغراض کے لئے پکاری جاتی ہے جن کا مقصد حاضری مسجد یا دخول وقت کا اعلان نہیں ہوتا بلکہ مبارک کلمات سے تبرک یا بلا کا انہ فاع ہوتا ہے۔

اس کے بعد ان کی باتوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ ایک جاہل[1] کہتا ہے کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان ہوتی ہی نہیں تھی۔ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز جمعہ بے اذان کے ہی پڑھتے تھے۔ تو کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو مکہ میں ساری نمازیں بغیر اذان کے ہی پڑھتے تھے۔ اس مسکین کو یہ معلوم نہیں کہ یہ اجماع امت و تصریح قرآن کا انکار ہے۔ کیونکہ سب کا اس پر اجماع ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں خطبہ کے علاوہ کوئی اذان نہ تھی، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ۔ اے ایمان والو جمعہ کے دن اذان دی جائے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے دوڑ پڑو۔ یہ مسجد کی طرف سعی کا حکم غائبین کے لئے ہی تو ہے یہ بھی فرمایا کہ بیع و شراء چھوڑ دو۔ بیع و شراء تو بازار میں ہوتی ہے۔ مسجد میں نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان خطبہ مسجد میں موجود نہ رہنے والوں کو نماز کے لئے بلانے کے لئے ہوا کرتی تھی۔ اور یہی اذان شرعی و اصطلاحی ہے۔ اور مکہ کی نماز نزول اذان سے قبل ہوئی تو کوئی مومن اس پر نماز جمعہ کو قیاس نہیں کر سکتا۔

اور دوسرے مخالف کا کہنا یہ ہے کہ بے شک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صاحبین رضی اللہ

---

[1] یہاں ایک بہت طویل حاشیہ ہے جو حل نہ ہو سکا۔ حبیب الرحمٰن۔

تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں یہی اذان خطبہ تھی۔ لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب انھوں نے اذان اول ایجاد کی تو یہ اذان حاضرین کا اعلان ہوگئی تو جب پہلے زمانہ میں اعلان تھی۔ تو باب مسجد پر ہونا ہی مناسب تھا۔ اور عہد عثمان غنی میں جب یہ حاضرین کو خطبہ کے لئے خاموش کرنے کے واسطے ہے تو اس کا مسجد کے اندر منبر کے قریب ہونا ہی مناسب ہوا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بات بھی بالکل غلط اور ظاہر البطلان ہے۔ کہ یہ بھی ہمارے علمائے کرام کے اجماع کے خلاف ہے۔

(۱) سارے ائمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ جمعہ کیلئے دو اذانیں ہیں۔

(۲) جنبی کی اذان دہرائی جائے گی۔ اقامت نہیں دہرائی جائے گی۔ دلیل یہ دی گئی کہ اذان کی تکرار مشروع ہے، اقامت کی نہیں، ہدایہ میں اس کی تصریح ہے۔ اور تکرار اذان کے جواز کے ثبوت میں اذان جمعہ کو ہی پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ کافی، تبیین، عنایہ اور در مختار میں ہے۔

۔ اذان کی تکرار فی الجملہ مشروع ہے:

یہاں تک پانچوں کتابوں کی عبارت میں اتفاق ہے۔ آگے کافی میں فرماتے ہیں۔ اقامت کی تکرار تو بالکل جائز نہیں، تبیین میں صرف یہ ہے۔ اقامت کا یہ حکم نہیں، عنایہ میں ہے۔ بخلاف اقامت کے۔ اور در مختار کی عبارت یوں ہے۔ اذان کی تکرار جمعہ میں مشروع ہے۔ نہ کہ اقامت کی تکرار۔

پس اذان ثانی اگر اذان اول کی طرح ہی اذان نہ ہو تو اس کی تکرار کس طرح ہوگی؟

(۳) علامہ بحر نے اپنی کتاب بحرالرائق میں صریح عبارت ارشاد فرمائی

۔ اسلئے کہ اذان کی تکرار شرعاً جائز ہے۔ جیسے جمعہ کی اذان کہ بار بار ہوتی ہے۔ اسلئے کہ وہ غائبین کے اعلان کیلئے ہے۔ تو اس کے بار بار کرنے میں فائدہ ہے کہ کسی نے پہلے نہ سنا ہو تو اب سن لے گا۔ البتہ اقامت کی تکرار جائز نہیں۔

(۴) اذان خطبہ کے اذان ہو کر اذان نہ ہونے کی وجہ یا تو یہ ہوگی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی ایجاد کردہ اذان سے اعلام غائبین کی ضرورت پوری ہوگئی۔ تو اب اذان خطبہ کی اس کے لئے ضرورت ہی نہیں رہی۔ تو یہ اذان نہ رہی۔ یا یہ وجہ ہوگی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی اذان ایجاد فرما کر یہ کہا کہ اب اذان خطبہ اذان نہ رہی بلکہ اس سے اطلاع حاضرین کا کام لیا جائے گا۔

● پہلی بات تو باطل ہے، کہ تثویب بھی تو اعلام بعد الاعلام رہی ہے۔ جسے متقدمین نے مکروہ کہا۔ اور متاخرین نے مستحسن گردانا۔ تو متاخرین اور متقدمین دونوں نے مل کر یہ طے کر دیا۔ اعلام تکرار کا امکان رکھتا ہے۔ اگر محال ہوتا تو نہ مستحسن ہو سکتا نہ مکروہ۔ پھر اس کے رد کے لئے صاحب بحر الرائق کا کلام ہی کافی ہے۔

● دوسری بات باطل ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ہی بری اور گندی بھی ہے۔ کہ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضور سید کائنات صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت بدل ڈالی۔ پناہ بخدا خلفائے راشدین اس سے بری ہیں وہ آپ کی سنتوں میں اضافہ تو کر سکتے ہیں۔ اس میں تغیر و تبدل نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ آپ نے جمعہ کے دن اذان کی سنت میں ایک اذان کا اضافہ کیا۔ جب اہل اسلام نے تمام شہروں میں اس کی اتباع کی۔ آپ کی سنت بدلنے سے اللہ تعالیٰ نے انہیں محفوظ رکھا۔ تم نے حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان نہیں سنا؟ آپ فرماتے ہیں۔

> چھ آدمیوں پر میں نے لعنت کی۔ اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی، اور ہر نبی مجاب الدعوۃ نے۔ ان چھ آدمیوں میں سے ایک سنت کا بدلنے والا ہے۔

اس حدیث کو ترمذی نے ام المومنین سے۔ حاکم نے ام المومنین اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ اور طبرانی نے کبیر میں عمرو بن شغوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلفظ سبعۃ لعنتھم وکل نبی مجاب روایت فرمایا۔ پس ان لوگوں کی کیسی بری بیہودگی ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف تغیر سنت کی نسبت کا انکار کرنے والوں کے فعل کو ضلالت شنیعہ بتاتے ہیں۔ اور خود ان مسکینوں کو یہ معلوم نہیں

کہ آپ کی طرف تغیر سنت کی نسبت کرنا بہت بڑی گمراہی ہے۔ اور اس کے مردود ہونے کی سب سے بڑی وجہ خود وہی ہے۔

● دوسری بات کا یہ جواب بھی ہے کہ آپ لوگوں کو کیسے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اذان خطبہ کی اذانیت کو ختم کر دیا۔ کیا انھوں نے خود اس کا اقرار کیا ہے۔ یا انھوں نے موذن کو حکم دیا تھا کہ اس اذان میں تخفیف کرے۔ یا اس کو پست آواز سے کہے۔ یا آپ لوگ امیر المومنین پر بے جانے بوجھے افترا کر رہے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ ہم سے باز پرس نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے۔

۔ اس پر کان بھی نہ دھر جس کا علم نہیں۔ بے شک کان، آنکھ دل سب سے پوچھا جائے گا ۔

● اس پر یوں بھی غور کرنا چاہیے کہ عہد رسالت کی اذان خطبہ کہ حسب سابق اعلان کا فائدہ دے رہی تھی تو اس کو اذانیت سے نکالنے کے لیے اس میں کچھ ایسا تصرف نا روا ضروری تھا۔ کہ اس سے اعلام کا فائدہ ختم ہو جائے۔ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کسی ایسی حرکت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کہ یہ تو دانستہ فائدہ شرعیہ کو ختم کرنا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تو دور دراز تک پھیلے ہوئے لوگوں کی اطلاع کے لیے اذان اول کا اضافہ فرمایا تھا۔ تو اذان ثانی کو عہد رسالت اور عہد صاحبین کی طرح اعلام غائبین کے لیے باقی رکھنے میں (کہ جن لوگوں نے پہلا اعلان نہ سنا ہو یہ دوسرا اعلان سن کر تو مسجد میں ضرور آجائیں گے۔) کیا حرج تھا؟ کہ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ دوسری اذان کی اذانیت کو ختم کر دیتے۔ تو اس کی اذانیت کے ختم کرنے کی نسبت حضرت ذوالنورین کی طرف کرنا۔ ان پر یہ الزام لگانا ہے کہ انھوں نے سنت بدلی، فائدہ شرعیہ گھٹایا۔ اور دینی مصلحت توڑی۔ ورنہ اتنا تو ہے ہی کہ ایک بے فائدہ کام کیا۔ اور ہدایہ میں ہے کہ عبث حرام ... ایک لغو فعل ہوا اور قرآن عظیم ان کے اوصاف بیان کرتا ہے۔۔ وہ لوگ لغو سے پرہیز کرتے ہیں۔

نفحہ (۷) ہماری گذشتہ بحثوں سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اذان ثانی کو اب صرف مقتدیوں کو خطبہ کے لیے خوش کرانے کی غرض سے باقی رکھنا صحیح نہیں۔ بلکہ یہ

نص، حرمت صحابہ، اور ہمارے ائمہ کے اجماع اور نصوص فقہاء کے خلاف و معادم ہے تو اب یہ بات نہ ماننے کے قابل ہے نہ لائق التفات، لیکن تباہی تو یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے اپنے مذہب کی نصوص چھوڑ کر مذکورہ بالا غیر مفید بحثوں کا سہارا لیا۔ اور بے مقصد زحمتیں برداشت کیں۔ پھر بے تکی حرکت یہ کی کہ اس پر ایک تفریع باطل لگادی، کہ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اذان خطبہ مسجد کے اندر منبر کے بالکل متصل ہو، حالانکہ اس اذان کی غرض امکان سامعین مان بھی لی جائے۔ تو اس اذان کے زیادہ ضرورت مند صحن و بیرونی صحن کے لوگ ہیں۔ اندرونی دالان کے لوگ تو امام کو منبر پر بیٹھا دیکھ کر خود ہی خوش ہو جائیں گے۔ ضرورت تو باہری صحن میں اذان دینے کی ہے۔ تاکہ جو لوگ امام کو نہیں دیکھتے مطلع ہو جائیں۔

اس اذان کو اقامت پر قیاس کرنا غلط ہے، کیونکہ اس کا مطلب تو جماعت کے لئے صف لگانے کا ہے، اور صف کے لئے پہلی صف سے درجہ بدرجہ صفیں مکمل کرنے کا حکم ہے چنانچہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

۔ پہلے پہلی صف مکمل کرو پھر اس کے بعد پھر اس کے بعد جو کمی ہو تو آخری صف میں ہو۔

اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند امام نسائی، ضیاء مقدسی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحاح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا (اب لوگوں نے سرکار کی اس سنت کو بھی ترک کر دیا ہے)

تو خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اقامت تو پہلی ہی صف میں ہونی چاہئے۔ اور اذان خطبہ کے باہر والے زیادہ محتاج ہیں۔

نفحہ (۸) کچھ طلبائے دین کے اس کلیہ کو کہ کوئی اذان مسجد میں نہ دی جائے یہ کہکر توڑنا چاہتے ہیں، کہ اقامت کو بھی تو اذان کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ احادیث میں ہے کہ

۔ ہر دو اذانوں کے بیچ میں اس کے لئے نماز ہے جو پڑھنا چاہے۔

حالانکہ اقامت کا مسجد کے اندر ہونا ہی ضروری ہے۔ تو فقہا کا یہ حکم کلی نہیں رہا، اور اقامت کی طرح اذان بھی مسجد میں دی جا سکتی ہے۔

ان بیچاروں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ اقامت پر اذان کا اطلاق تغلیباً ہے۔ یا بطور عموم مجاز، امام عینی عمدہ میں فرماتے ہیں۔

اذانین سے مراد اذان واقامت ہے۔ جیسا کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو عمرین کہا جاتا ہے اصطلاح بدیع میں اسکو تغلیب کہا جاتا ہے۔

مواہب لدنیہ میں امام الائمہ ابن خزیمہ سے ہے۔

.اذانین سے مراد اذان واقامت دونوں ہیں۔ اور یہ تغلیب ہے:

زرقانی میں ہے۔

.شریعت کے نزدیک اذان اقامت سے الگ ہے:

عینی اور مواہب میں تغلیب کی توجیہ کرتے ہوئے فرمایا۔

.اقامت کو اذان اس لئے کہا کہ اعلان ہونے میں دونوں شریک ہیں،

زرقانی نے فرمایا۔

.ان دونوں میں تغلیب نہیں۔ اس لئے کہ اذان لغت کے اعتبار سے اعلان کے معنی میں ہے، اور اقامت میں دخول وقت کا اعلان ہوتا ہے۔ تو ان دونوں میں عام و خاص کا فرق ہے۔

اور دونوں کے لئے اذان کا اطلاق لغوی ہی ہے،

ایک مرجوح اور مخالف روایت (الاقامت احد الاذانین) اقامت دو اذانوں میں سے ایک ہے۔ اسکو جو اس تعلیل کے سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے۔ تو وہ ایسا ہی ہے۔ جیسے اہل زبان کا مقولہ ہے القلم احد اللسانین قلم دو زبانوں میں سے ایک ہے۔ اسی لئے امام نسفی نے اس کی تفسیر میں کہا۔ کہ اذان و اقامت دونوں ہی ذکر معظم ہیں جیسا کہ القلم احد اللسانین کی تفسیر

کی جاتی ہے کہ دونوں ہی مانی الضمیر کو بیان کرتے ہیں۔

ان دونوں میں مغایرت پر دلالت کرنے والی، ہدایہ، کافی، ذیلعی، اکمل، درر، اور بحر کی عبارتیں ہیں کہ۔ اذان کی تکرار مشروع ہے اقامت کی نہیں۔ انھیں سب کتابوں میں اس کی بھی تصریح ہے کہ۔ جنبی کی اذان دہرائی جائے، اور اقامت نہیں دہرائی جائے گی، بحر الرائق میں ظہیریہ سے ہے کہ۔ اگر اذان کو اقامت کی طرح ادا کیا۔ تو اذان دہرائی جائے۔ اور اگر اقامت کو اذان کی طرح کہا تو نہ دہرائی جائے: کیونکہ تکرار اذان مشروع ہے۔ تکرار اقامت نہیں، اسی میں محیط سے ہے کہ۔ اگر اذان کو اقامت کیا تو استقبال قبلہ ضروری نہیں۔ اور اگر اقامت کو اذان قرار دیا تو استقبال قبلہ کرے۔

اس کے علاوہ بھی کتنے مسائل ہیں جن میں اذان و اقامت کا فرق ہے۔ ان سب ارشادات کا حاصل یہ ہوا کہ اذان کے جملہ احکام کے اقامت پر طریان کا دعویٰ کوئی سمجھدار آدمی نہیں کر سکتا۔ ہاں جہل مرکب بڑی مشکل بیماری ہے۔

نفحہ (۹) اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو سب کو علم کی توفیق بخشے۔ مسجد کے دو اطلاقات ہیں۔

الف۔ زمین کا وہ حصہ جو نماز کے لئے وقف کیا گیا ہو۔ مسجد کے حقیقی معنی یہی ہیں۔ اس اطلاق میں مسجد کی بنیادیں مسجد میں داخل نہیں۔ کہ بنیادیں اوصاف کے حکم میں ہیں۔ جیسے کہ اطراف و حدود۔ پس مسجد کا دروازہ اور دیواریں مسجد سے خارج ہیں۔ اسی طرح اذان کے چبوترے، مینارے، حوض اور کنویں حدود مسجد یا جوف مسجد ہی میں کیوں نہ ہوں اگر تمام مسجد سے قبل بنائے گئے۔ تو مسجد سے خارج ہیں ہاں مسجد مکمل ہو جانے کے بعد اگر ان چیزوں کو مسجد میں بنایا۔ تو یہ وقف کو بدلنا ہوا جو جائز نہیں۔ واقف نے وقف کی ضرورت کے لئے اس کی شرط لگائی ہو تو اور بات ہے۔ اور مسجد میں یہ ناممکن ہے کہ مسجد حقوق عبد سے بالکلیہ آزاد ہوتی ہے۔ درمختار کے کتاب الوقف باب احکام

المسجد میں ہے ۔

. اگر مسجد کے اوپر امام مسجد کے لئے کمرہ بنایا تو کوئی حرج نہیں کہ یہ مصالح مسجد میں سے ہے، لیکن مسجد مکمل ہوگئی ہو تو مسجد کی چھت پر منع کیا جائے گا۔ اگرچہ یہ کہے کہ میری نیت پہلے سے ہی کمرہ بنانے کی تھی اس کی تصدیق نہ کیجائیگی ۔

تاتارخانیہ میں ہے ۔

• جب خود واقف کا یہ حال ہے ، تو دوسرے کا کیا ۔ ایسی تعمیر گو مسجد کی دیوار پر ہو۔ اسکو بھی ڈھادینا چاہیئے ۔

(ب) اس اطلاق میں زمین مع بنیادوں کے مسجد ہے ، تو دروازے اور دیواریں سب مسجد میں داخل ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ (مسجدیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والے تعمیر کرتے ہیں) میں یہی مراد ہے ۔

امام احمد ، دارمی ، ترمذی نے اسکو تخریج کیا ۔ اور ترمذی نے حسن کہا ۔ ابن ماجہ ، ابن خزیمہ ابن حبان و حاکم نے اس کی تصحیح کی روایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہے ۔

. کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ جب تم کسی آدمی کو دیکھو کہ مسجد کی حاضری اسکی عادت بن چکی ہو ۔ تو اس کے ایمان کی گواہی دو ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ مسجد تو وہی آباد کرتے ہیں ۔ جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لائے ۔

مسجد کی آبادی تو نماز پڑھنے سے ہے ۔ تو وہاں کوئی مسجد کی عمارت نہ ہو ۔ جیسا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد حرام کا حال تھا کہ وہ کعبہ کے گرد کی زمین تھی ۔ جو طواف کے لئے خالی چھوڑی ہوئی تھی ۔ اور اسی دوسرے معنی پر ہی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ۔ لھدمت الصوامع والبیع ۔ (تو البتہ یہود و نصاریٰ کے صوامع اور عبادت خانے ڈھادیئے جاتے) اور بنی ہوئی عمارت ہی ڈھائی جاتی ہے ۔

(ج) اور مسجد کا ایک تیسرا اطلاق بھی ہے۔ اس اطلاق پر صحن کا حصہ بھی شامل ہوتا۔ اسی لئے معتکف کو اس میں جانا جائز ہے۔ اور اس کے بعد بھی وہ معتکف ہی رہتا ہے۔ بدائع اور شامی میں ہے۔

. معتکف ایسے منارہ پر چڑھ سکتا ہے۔ جس کا دروازہ مسجد سے خارج ہو، کیونکہ وہ مسجد میں شمار ہوتا ہے۔ اور وہاں پیشاب و پیخانہ منع ہے۔ تو وہ بھی مسجد کے ایک کونہ کی طرح ہوا اھ .

اسی لئے لوگ کسی مسجد کے منارہ سے ہونے والی اذان کو سن کر کہتے ہیں۔ کہ فلاں مسجد میں اذان ہو گئی۔ حالانکہ منارہ تو مسجد سے خارج بنا ہے۔ اور چونکہ یہ محاورہ عرب و عجم میں شائع ذائع ہے کہ اذان منارہ سن کر کوئی نہیں کہتا کہ چلو مسجد کے باہر اذان ہو گئی۔ اور یہی معنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کے بھی ہیں جو آپ نے فرمایا تھا۔

. جس مسجد میں اذان ہوتی ہو وہاں اذان دینا سنت ھدی ہے۔ (مسلم)

اور فقہاء کرام کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے کہ۔

. مسجد میں اذان ہو چکی ہو تو جماعت میں شریک ہوئے بغیر مسجد سے باہر جانا مکروہ ہے؛

اس تفصیل کے بعد یہ جاننا چاہئے کہ اذان اصل مسجد میں مکروہ ہے۔ صحن مسجد میں نہیں۔ اور تیج مسجد میں بھی نہیں۔ اس کی تعبیر یوں بھی کی جا سکتی ہے۔ اذان مسجد بالمعنی الاول میں مکروہ ہے معنی ثانی اور ثالث میں نہیں۔ ائمہ کی نصوص سے بھی یہی ظاہر ہے کہ خاص مسجد کے اندر مکروہ ہے منارہ صحن اور حدود میں نہیں۔ یہی حدیث سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا بھی منشا ہے۔

. کان الاذان علی باب المسجد اذان مسجد کے دروازہ پر ہوتی تھی .

ابو الشیخ نے کتاب الاذان میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ

. میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص ہرا جوڑا پہنے ہوئے مسجد کی چھت پر کھڑا ہوا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ رہا تھا۔

دوسری حدیث میں انھیں سے ہے۔

.کہ میں نے خواب میں ایک شخص کو ہرا جوڑا پہنے ہوئے مسجد کی چھت پر کانوں میں انگلیاں دیئے ہوئے کھڑا دیکھا جو کہہ رہا تھا (الحدیث)۔

مدخل کی عبارت ہم پہلے نقل کرتے ہیں کہ

. اذان منارہ پر یا سطح مسجد پر، یا اس کے دروازہ پر ہونا چاہیے۔

ان عبارتوں سے چند فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) اذان چبوترے پر، منارہ پر، کنویں کی منڈیر پر، حوض کی لگر پر، اگرچہ یہ چیزیں مسجد کے اندر ہی ہوں جائز ہے جب کہ بانی نے اس کی بنا مسجد سے پہلے کی ہو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ ابتدار سے ہی مسجد سے مستثنیٰ ہیں۔ تو بانی ان مطلوبہ چیزوں کو بنا سکتا ہے۔ اور لوگ اس کو اسی غرض سے استعمال کر سکتے ہیں۔ ایسے ہی کوئی جگہ جو خاص مسجد میں تمام مسجدیت سے قبل ہی وضو کے لئے خاص کر دی گئی ہو۔ یہ یوں بھی ممکن ہے کہ مسجد کے صحن میں کوئی حوض تھا، کنواں تھا، مسجد میں توسیع ہوئی یا مسجد کا احاطہ کیا گیا۔ (جیسے زمزم شریف کا کنواں کہ اب تو خاص مسجد حرام شریف میں ہے۔ لیکن اس کا اس جگہ مسجد حرام سے قبل ہونا بالکل ظاہر ہے۔

ہاں مسجد تمام ہونے کے بعد اصل مسجد میں نہ چبوترہ بنانا جائز ہے، نہ منارہ، نہ کنواں نہ حوض جیسا کہ ہم در مختار سے نقل کر آئے کہ

. تمام مسجدیت کے بعد دیوار یا چھت پر کوئی اور عمارت منع ہے:

ہمارے علماء نے اس بات پر تنصیص کی ہے۔ کہ مسجد میں کنواں نہیں کھودا جا سکتا۔ پرانا ہو تو باقی رہ سکتا ہے۔ جیسا زمزم کا کنواں۔ خانیہ، ہندیہ وغیرہ۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب جد الممتار حاشیہ در مختار و شامی میں ہے۔ الاشباہ و النظائر کے باب احکام المسجد میں ہے۔

.مسجد میں کلی وغیرہ منع ہے۔ ہاں کوئی جگہ پہلے ہی سے ان امور کیلئے مقرر ہو تو اور بات ہے،

ایسا ہی درمختار میں ہے ۔ امام شامی رحمۃ اللہ علیہ نے مصنف کے قول الاما احد لذالک پر فرمایا ۔ یہی امر غور طلب ہے کہ واقف کی طرف سے ان امور کے لئے جگہ مقرر کرنا شرط ہے یا نہیں ،، میں نے جد الممتار میں اس پر لکھا ۔ یہ شرط تو ضروری ہے ہی ۔ یہ بھی ضروری ہے کہ واقف مسجد مکمل ہونے سے پہلے ان امور کے لئے یہ جگہیں متعین کرے ۔ مسجد مکمل ہونے کے بعد نہ واقف کو اس تعین کا اختیار ہے نہ کسی اور کو کہ اس صورت میں مسجد کو گندگی کے لئے پیش کرنا ہے :

میں نے اس کا استنباط کتاب الوقف کی اس عبارت سے کیا کہ ۔ واقف بھی مسجد کے اوپر امام کے رہنے کیلئے کوئی گھر نہیں بنا سکتا ۔ مسجد ہونے کے بعد اس میں ان امور کیلئے جگہ نکالنے میں دوسری قباحتیں بھی ہیں ۔ مثلاً اس کی وجہ سے نماز کی جگہ گھر جائے گی ۔ اور اس کی وجہ سے صف منقطع ہو سکتی ہے ۔ جب کہ حدیث شریف میں ہے ۔

جس نے صفیں ملائیں اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے ملائیگا ۔ اور جس نے صفیں قطع کیں اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے دور کرے گا ۔

(احمد ، ابوداؤد ، نسائی ، ابن خزیمہ اور حاکم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند صحیح روایت کیا)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں (قطعہ) کا مطلب یہ تحریر فرمایا کہ صف سے غائب ہو کر ۔ یا صف میں لایعنی کام کر کے یا کوئی چیز بیچ صف میں رکھ کر جو صف کے ملنے سے مانع ہو ۔

علمائے کرام نے مسجد میں درخت لگانے سے منع کیا ۔ کہ وہ نماز کی جگہ گھیرے گا ۔ ایسا ہی خانیہ ، خزانۃ المفتین میں لکھا ہے ۔ اور مسجد میں نمی ہو تو اسے کم کرنے کے لئے درخت لگانا جائز ہے کہ یہ بضرورت ہے ۔ اور ضرورتیں تو ممنوعات کو جائز کر دیتی ہیں ۔ بحر الرائق میں ہے ۔

بمسجد کے نم فرش پر درخت لگا سکتے ہیں ، کہ اس کی جڑیں تری جوس لیں ، ورنہ درخت لگانا جائز نہیں ۔

ایسا ہی درمختار میں ہے۔ امام شامی رحمۃ اللہ علیہ نے مصنف کے قول الا اما احد لذالک پر فرمایا۔ یہی امر غور طلب ہے کہ واقف کی طرف سے ان امور کے لئے جگہ مقرر کرنا شرط ہے یا نہیں ، میں نے جد المتار میں اس پر لکھا۔ یہ شرط تو ضروری ہے ہی۔ یہ بھی ضروری ہے کہ واقف مسجد مکمل ہونے سے پہلے ان امور کے لئے یہ جگہیں متعین کرے۔ مسجد مکمل ہونے کے بعد نہ واقف کو اس تعین کا اختیار ہے نہ کسی اور کو کہ اس صورت میں مسجد کو گندگی کے لئے پیش کرنا ہے:

میں نے اس کا استنباط کتاب الوقف کی اس عبارت سے کیا کہ۔ واقف بھی مسجد کے اوپر امام کے رہنے کیلئے کوئی گھر نہیں بنا سکتا۔ مسجد ہونے کے بعد اس میں ان امور کیلئے جگہ نکالنے میں دوسری قباحتیں بھی ہیں۔ مثلاً اس کی وجہ سے نماز کی جگہ گھر جائے گی۔ اور اس کی وجہ سے صف منقطع ہوسکتی ہے۔ جب کہ حدیث شریف میں ہے۔

جس نے صفیں ملائیں اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے ملائیگا۔ اور جس نے صفیں قطع کیں اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے دور کرے گا۔

(احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن خزیمہ اور حاکم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند صحیح روایت کیا)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں (قطعہ) کا مطلب یہ تحریر فرمایا کہ صف سے غائب ہوکر۔ یا صف میں لایعنی کام کرکے یا کوئی چیز بیچ صف میں رکھ کر جو صف کے ملنے سے مانع ہو۔

علمائے کرام نے مسجد میں درخت لگانے سے منع کیا۔ کہ وہ نماز کی جگہ گھیرے گا۔ ایسا ہی خانیہ، خزانۃ المفتین میں لکھا ہے۔ اور مسجد میں نمی ہو تو اسے کم کرنے کے لئے درخت لگانا جائز ہے کہ یہ بضرورت ہے۔ اور ضرورتیں تو ممنوعات کو جائز کر دیتی ہیں۔ بحرالرائق میں ہے۔

بمسجد کے نم فرش پر درخت لگا سکتے ہیں، کہ اس کی جڑیں تری جوس لیں، ورنہ درخت لگانا جائز نہیں۔

ایسا ہی ظہیریہ و بزازیہ وغیرہ میں ہے۔ منحۃ الخالق میں بحر کے قول (ولاغلا) پر فرمایا۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد میں مذکورہ بالا ضرورت سے درخت لگانا جائز ہے اور ضرورت نہ ہو تو نہ درخت لگانا جائز ہے۔ نہ اس کا باقی رکھنا۔ اور اگر مسجد وسیع ہو جیسے بیت المقدس اور اس کے کسی حصہ میں سامان رکھنا ہو تو یہ بھی منع ہے کہ اس سے مسجد کو گودام اور دوکان بنانے کی راہ کھلے گی۔ اور اس کے باقی رکھنے میں جبکہ بلا ضرورت ہو مسجد میں دوکان و مکان باقی رکھنے کی راہ استوار ہو گی۔ اور مسجد میں ایسی چیزیں تیار کرنے سے مسجد کی تعمیر کی اصلی غرض فوت ہو گی۔ اس مسئلہ میں ایک رسالہ ابن امیر الحاج کے ہاتھ کا لکھا ہوا میں نے دیکھا۔ جسے آپ نے اس شخص کے رد میں تحریر فرمایا تھا جس نے بیت المقدس میں اسکو روا رکھا تھا۔ اور اسی کے آخر میں بعض علماء کی تحریر تھی جس میں اس مسئلہ میں علامہ کمال ابن ابی شریف شافعی نے ابن امیر الحاج کی تائید کی تھی۔

میں نے جد الممتار میں ان سب باتوں کو لکھ کر تحریر کیا۔ جو ان کو انصاف کی نظر سے دیکھے گا۔ بلا توقف اس قسم کی تمام ایجادات کو (جن سے تعمیر مسجد کی اصلی غرض میں خلل واقع ہو) حرام قرار دے گا چاہے گھر ہو یا دوکان، چبوترہ ہو یا منارہ، خزانہ ہو یا گودام، کنواں ہو یا حوض، درخت ہو یا کچھ اور الخ ایسے تمام مقامات پر ہماری مراد مسجد سے قسم اول (اصل مسجد) ہے۔

امام ابن الحاج مکی نے مدخل میں فرمایا کہ۔

اسی قسم سے وہ صندوق ہیں جن کو مسجد میں رکھنے کا رواج لوگوں نے قائم کر لیا ہے، یہ نماز کی جگہ کو گھیرتا ہے۔ اور اسی قسم کے وہ چبوترے ہیں جو مسجدوں میں اذان خطبہ کے لئے بعد میں بنائے گئے ہیں۔ بلکہ ان کا حکم صندوق سے زیادہ سخت ہے۔ کہ وہ بضرورت کھسک بھی سکتے ہیں۔ جبکہ چبوتروں میں یہ ناممکن ہے۔ اور اسی قسم سے یعنی مسجد کی جگہ روکنے والے اور صفیں قطع کرنے والے وہ رفیع منبر ہیں

جن سے نماز کی قابل ذکر جگہ گھر جاتی ہے۔ جو مسلمانوں کی نماز کیلئے وقف تھی (ملخصاً)

(اللہ تعالیٰ نصیحت کرنے والے اور قبول کرنے والے دونوں کو قبول فرمائے)

۲ امام کافی کے قول میں اذان کو جو ذکراً فی المسجد (مسجد کے اندر کا ذکر) کہا ہے۔ تو اس سے مراد مسجد کی قسم ثانی ہے۔ جس میں اصل مسجد اور وصف مسجد دونوں ہی شامل ہیں۔ خطبہ اصل مسجد میں ہوتا ہے۔ اور اذان وصف مسجد میں۔ تو مسجد میں ہونا خطبہ اور اذان دونوں ہی کی صفت ہے۔ اگرچہ جگہ میں اختلاف ہو۔ اور غایۃ البیان۔ اور فتح القدیر کے قول قالوا لایوذن فی المسجد (مسجد میں اذان ممنوع ہے) اس سے مراد بھی مسجد بمعنی اول ہے۔ تو دقتِ نظر سے یہ پتہ چلیگا کہ یہی ہدایہ کے قول کی تاویل اور اس کے مقصد کی تعیین ہے اس میں انکے کلام کو ظاہر سے پھیرنا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی آدمی کو حق کی توفیق دینے والا ہے۔

۳ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول۔ جس مسجد میں اذان ہوتی ہو وہاں سے اذان کے بعد بے جماعت چلا جانا منع ہے۔ اور فقہا کے اقوال جو ذکر کئے جا چکے۔ مسجد سے مراد معنی ثانی یا ثالث ہیں۔ ابوداؤد اور ابوبکر بن شیبہ نے عبدالرحمان ابن ابی لیلیٰ سے صحابہ کا قول نقل کیا کہ

عہد رسالت میں ایک انصاری نے حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں
عرض کی میں نے ایک آدمی کو دیکھا جس کے جسم پر دو ہرے رنگ کے کپڑے تھے۔
اس نے مسجد پر کھڑے ہو کر اذان دی

اس روایت میں لفظ قام علے المسجد ہے۔ اگر مسجد کے اندر کہنا ہوتا تو اذن فی المسجد کہتے۔ اس حدیث شریف کی اور زیادہ تشریح و توضیح حضرت ابوبکر بن شیبہ اور ابو الشیخ ابن ابی لیلیٰ کی دوسری روایت سے ہوتی ہے کہ

۔ زید ابن عبداللہ انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی یارسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم میں نے خواب میں ایک آدمی کو ہرے رنگ کا جوڑہ پہنے ہوئے
ایک منہدم دیوار کے ٹیلے پر کھڑے دیکھا جو اذان دے رہا تھا۔

اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں عبدالرحمٰن بن لیلیٰ سے روایت کی کہ۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار لوگوں کو اہتمام سے نماز کے لئے جمع کیا۔ حضرت عبداللہ بن زید انصاری نماز پڑھ کر واپس ہوئے تو خواب میں اذان ہوتے دیکھی۔ صبح کو رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ رات میں نے خواب میں اس طرح اذان ہوتے دیکھی کہ ایک آدمی ہرا جوڑہ پہنے سقف پر اذان دیرہا ہے۔

اس روایت میں سقف کا لفظ ہے دوسری روایتوں میں سور، اور سطح کا لفظ گذر چکا ہے۔

④ خانیہ اور خلاصہ کی عبارت۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ مسجد میں ایک ایسا گھر بنا لیا جائے جس میں چٹائی وغیرہ اسباب رکھے جائیں کہ عام اہل اسلام کی عادت اسی پر جاری ہے۔

اس عبارت میں مسجد سے مراد اس کے تیسرے معنی ہیں اور اس پر دلیل اسی عبارت کا یہ ٹکڑا ہے کہ۔ اہل اسلام کی عادت اسی پر جاری۔ اس لئے کہ تعارف تو یہی ہے کہ مسجد بمعنی سوم میں ایسا کمرہ بنتا ہے۔ یا مسجد بمعنی اول میں تو اس جگہ کی مسجدیت مکمل ہونے سے پہلے مسجد مکمل ہو جانے کے بعد اسی کا ایک ٹکڑا چٹائی اور فرش وغیرہ رکھنے کے لئے بنایا جائے۔ نہ عادت اس پر جاری۔ نہ خاموشی اس پر جائز۔

⑤ جامع الرموز میں ہے کہ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے۔ ایسا ہی نظم میں ہے۔ لیکن جلابی میں ہے کہ مسجد میں یا اس جگہ میں جو مسجد کے حکم میں ہے۔ اس میں اذان دینی چاہیے مسجد سے دور اذان نہ دینی چاہیے۔ تو نظم میں مسجد بمعنی اول میں اذان دینے کو مکروہ کہا ہے اور جلابی میں مسجد بمعنی ثانی مراد ہے۔ یعنی مسجد میں دینا نکا مطلب حدود مسجد میں ہے۔ جیسا کہ امام اتعالیٰ اور ابن ہمام نے صاحب ہدایہ کے قول ذکر فی المسجد کی تفسیر فی حدود المسجد سے کی تو جلابی کی عبارت میں لفظ او ما فی حکم المسجد سے اسی کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ کہ فنا مسجد

مسجد کے حکم میں ہے۔

ہندیہ میں بھی ایسا ہی امام سرخسی سے روایت ہے کہ

"صحن مسجد کے حکم میں ہے"، اور اسی کے مثل بہت ساری کتابوں میں ہے۔ جس کی تفصیل ہم نے "جد الممتار" میں لکھی ہے۔ تو حقیقت میں امام جلابی کا کلام "نظم" کی تردید نہیں، جیسا کہ قہستانی نے سمجھا۔

حضرت امام طحاوی نے نظم کا یہ جزیہ قہستانی سے ہی نقل کیا۔ لیکن قہستانی کے ادراک کو غیر معتبر جان کر چھوڑ دیا۔ اور اگر ایسا نہ مانا جائے تو یا تو جامع الرموز کے قہستانی صاحب ائمہ اعلام کے مقابلہ میں اکیلے ہوں گے یا امام جلابی ائمہ اکابر کے مقابلہ میں اکیلے ہونگے اور یہ تسلیم کر لیا جائے تو جلابی اور قہستانی کا یہ قول اختلاف کی منزل سے ائمہ کے خلاف ایک قول مرجوح رہ جائے گا۔ کہ ان کی حیثیت ائمہ سے اختلاف کرنے کی نہیں۔

اور یہ طے ہو چکا ہے کہ قول مرجوح کے موافق فتویٰ اور حکم جہل اور خرق اجماع ہے۔ اور سچ پوچھو تو خلاف بھی نہیں کہ ان کے قول فی المسجد کے معنی فی حدود المسجد واضح ہو گیا۔

نفحہ (۱۰) جب مخالفین کسی بات پر قادر نہ ہوئے۔ تو ان میں سے بعض نے خانیہ[مـه] اور خلاصہ میں آئے ہوئے لفظ "ینبغی" کا سہارا لیا۔ اور سمجھا کہ

مـه خانیہ کی عبارت یوں ہے۔ ینبغی ان یؤذن علی المنارۃ او خارج المسجد ولا یؤذن فی المسجد مخالفین کے منالک کا مطلب ہے کہ لفظ ینبغی کا تعلق دونوں سے ہے۔ یعنی مسجد کے باہر اور منارہ پر اذان دینا مناسب ہے اور مسجد میں اذان دینا مناسب نہیں۔ تو مسجد کی اذان زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ ہوئی تو اگر انہ مسلک جب اذان کا رواج ہو گیا تو کوئی حرج کی بات نہیں۔ پھر اتنا واویلا کیوں؟ اعلیٰ حضرت کے پہلے جواب کا مطلب ہے کہ لفظ ینبغی کا تعلق صرف پہلے جملہ سے ہے۔ دوسرا جملہ (لا یؤذن فی المسجد) اس سے خالی ہے جس کا مطلب اندرون مسجد اذان کی ممانعت ہے۔ جیسا کہ دیگر کتب فقہ میں لا یؤذن یا یکرہ الاذان فی المسجد سے ظاہر ہے۔ اس کی تائید فتاویٰ عالمگیری کی عبارت سے ہوتی ہے۔ جنہوں نے یہ عبارت خلاصہ کے حوالے سے نقل کی اور ینبغی کا لفظ چھوڑ دیا۔ عبد المنان اعظمی

معاملہ آسان ہے اس پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں حالانکہ

اولاً ۔ دوسری کتابوں کی عبارتیں لفظ ینبغی سے خالی ہیں۔ اور جہاں یہ لفظ ہے جملہ لا یوذن ، پر داخل نہیں ۔ خود صاحب بحر نے خلاصہ سے یہی عبارت نقل کی ۔ اور جملہ اولیٰ میں آئے ہوئے لفظ ینبغی کی طرف توجہ نہ فرمائی ۔

ثانیاً ۔ لفظ ینبغی کو مستحب کے معنی میں قرار دینا ائمہ متاخرین کی اصطلاح ہے ۔ کلام مشائخ میں یہ لفظ عام ہے ۔ جیساکہ ردالمحتار وغیرہ میں اس کی تصریح ہے ۔ انھوں نے فرمایا کہ ایسا قرآن عظیم میں بہت وارد ہوا ہے ۔ مثلاً آیت قرآنی ۔

ما کان ینبغی لنا ان نتخذ من دونک اولیاء — ہمیں زیب نہیں دیتا کہ اللہ کے علاوہ کسی کو اپنا ولی بنائیں ۔

مصباح المنیر میں ہے ۔

ینبغی ان یکون کذا معناہ یجب او یندب بحسب مافیہ الطلب ۔ — ینبغی کے معنیٰ وجوب اور استحباب دونوں ہی حسب طلب ہو سکتے ہیں ۔

ثالثاً ۔ اس لفظ میں استحباب کے معنی سنت کو بھی شامل ہیں ۔ اور سنت کا معاملہ ایسا آسان نہیں بلکہ لفظ ینبغی بسا اوقات صرف معنی وجوب پر ہی دلالت کرتا ہے ۔ ہدایہ وکنز وغیرہ میں ہے ۔

من حلف علی معصیۃ ینبغی ان یحنث — جس نے گناہ کرنے کی قسم کھائی تو اسے قسم توڑ دینا چاہیے ۔

یہاں قسم توڑنا واجب ہے ۔ صاحب ہدایہ اور بہت سارے ائمہ کا قول ہے ۔

ینبغی للمسلمین ان لا یغدروا ولا یغلوا ولا یمثلوا ۔ — مسلمانوں کو چاہیے کہ بے وفائی نہ کریں مال غنیمت سے نہ چرائیں ۔ اور مثلہ نہ کریں ۔

یہاں ترک غدر و غلول و مثلہ فرض ہے۔ فتح القدیر میں ہے۔

ینبغی للمسلمین ای یحرم علیھم ان یغدروا او یغلوا او یمثلوا۔ مسلمانوں کو چاہئے یعنی ان پر حرام ہے کہ غدر مال غنیمت کی چوری۔ اور مثلہ کریں۔

اسی طرح امام قدوری۔ اور صاحب ہدایہ وغیرہ کا قول ہے۔

ینبغی للناس ان یلتمسوا الھلال فی الیوم التاسع والعشرین من شعبان لوگوں کو چاہئے کہ شعبان کی انتیس تاریخ کو چاند تلاش کریں۔

محقق ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں۔

ای یجب علیھم وھو واجب علی الکفایۃ یعنی ینبغی کے معنی ہیں کہ ان پر چاند کی تلاش واجب ہے اور تلاش واجب علی الکفایہ ہے۔

اور جوہرہ نیرہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ یعنی قدوری میں لفظ ینبغی بمعنی یجب ہے۔ قنیہ میں ہے

فی استحسان القاضی صدر الشھید ینبغی للاخ من الرضاعۃ ان لا یخلوا باختہ من الرضاعۃ لان الغالب ھنالک الوقوع فی الجماع۔ قاضی صدر الشہید کے استحسان میں ہے کہ رضاعی بھائی کو رضاعی بہن کیساتھ تنہائی میں نہیں رہنا چاہئے۔ کہ ایسی حالت میں حرامکاری میں مبتلا ہونا غالب ہے۔

علامہ بیری فرماتے ہیں کہ یہاں بھی لفظ ینبغی کا مطلب وجوب ہے (شامی) المختصر اس بات کی بے شمار مثالیں پیش کیجا سکتی ہیں کہ کلام مشائخ میں ینبغی بول کر واجب مراد لیا جاتا ہے۔

رابعًا۔ پھر خانیہ اور خلاصہ کے کلام کا ظاہر مطلب عدم وجوب ہو۔ تو اسی کلام کا ایک اور ظاہر بھی ہے۔ جو اس کے معارض ہے۔ کہ نہی بصیغہ اخبار کلام مشائخ میں عمومًا وجوب فعل یا وجوب ترک کیلئے ہوتی ہے۔ امام ابن امیر الحاج نے باب صفۃ الصلاۃ بمسئلہ قرأت میں فرمایا۔

مسئلة القرأة فی الاخریین ظاهر قول المصنف ۔ لایزید علیهما شیئاً، یشیر الی عدم اباحۃ علیهما ۔

مسئلہ قرأت رکعتین اخیرین مصنف کے قول لایزید علیهما شیئاً کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ اس سے زائد قرأت مباح نہیں ۔

اور غنیہ کے باب العیدین میں ہے ۔

الایری الی قوله لایترك واحداً منهما فانه اخبر لعدم الترك والاخبار فی عبارات الائمة والمشایخ یفید الوجوب ۔

مصنف کے قول ۔لایترك واحد منهما، کو دیکھنا کہ یہ عدم ترک کی خبر ہے ۔ اور ائمہ ومشائخ کی عبارت میں اخبار وجوب کا فائدہ دیتا ہے ۔

بحرالرائق کے باب الامامت میں ہے ۔

قوله فان فعلن تقف الامام وسطهن افاد بالتعبیر بقوله تقف انه واجب فلوتقدمت اثمت کماصرح به فتح القدیر ۔

مصنف کے قول ۔ اگر عورتیں جماعت قائم کریں تو امام ان کے بیچ میں کھڑی ہو، مطلب یہ ہے کہ ایسا کرنا واجب ہے جس پر لفظ تقف دلالت کرتا ہے ۔ تو امام آگے بڑھ کر کھڑی ہو تو گنہگار ہوگی اس کی تصریح فتح القدیر میں ہے ۔

حاشیہ خیر رملی اور منح الخالق میں باب الاذان سے تھوڑے پہلے اسبیجابی کے قول

"اذجیئ بالجنازة بعد الغروب بدؤا بالمغرب ثم بها ثم بسنة المغرب "

جنازہ غروب آفتاب کے بعد لایا گیا تو پہلے مغرب کی فرض پڑھیں پھر جنازہ پڑھیں پھر سنتیں ادا کریں ۔

پر تشریح ہے ۔

الظاهر ان ذالك علی سبیل الوجوب

ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم بر سبیل وجوب ہے کیونکہ

لتعليلهم بأن المغرب فرض عين والجنازة فرض كفاية ولان الغالب فى كلامهم فى مثله ارادة الوجوب۔

علت یہ بیان کرتے ہیں کہ مغرب فرض عین ہے اور نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔ اور یوں بھی کہ عام طور پر فقہا کے کلام میں ایسی عبارت سے وجوب ہی مراد ہوتا ہے۔

علامہ سید طحطاوی در مختار کے حواشی میں فرماتے ہیں۔

وفيها (اى فى النهاية) لا يفعل (اى الدهن) لتطويل اللحية اذا كانت بقدر المسنون وهو يقتضى ان الدهن لهذا القصد يكره تحريمًا لانه يفضى الى المكروه تحريمًا۔ ولو كان مكروهًا تنزيهًا لما عبر بقوله لا يفعل۔

نہایہ میں ہے کہ ڈاڑھی جب بقدر سنت لمبی ہو تو زیادہ بڑھانے کے لئے تیل نہیں لگانا چاہئے نہایہ کے اس قول کا تقاضا ہے۔ کہ اس نیت سے تیل لگانا مکروہ تحریمی ہے کہ یہ ایک مکروہ تحریمی کا ذریعہ ہے گا۔ اور اگر یہ فعل مکروہ تنزیہی ہوتا تو اسکو لفظ لا یفعل سے منع نہ کرتے

اور ہمارا یہ ظاہر اسبیجابی، مجتبیٰ، بنایہ، اتقان اور فتح القدیر کی عبارتوں کے معارض بھی نہیں (کہ یہ بے اعتبار ٹھہرے)

خامسًا ۔ یہاں ایک اور ظاہر غیر معارض بھی ہے کہ نظم، حاشیہ مراقی الفلاح، غایۃ البیان، اور فتح القدیر میں ہے کہ لفظ کراہت مطلقًا بولا جائے تو کراہت تحریمی مراد ہوگی۔ ہاں کوئی قرینہ صارفہ ہو تو اور بات ہے۔

امام عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب حدیقہ ندیہ باب آفات الیدین، میں رقمطراز ہیں۔

الكراهة عند الشافعيه اذا اطلقت تنصرف الى التنزيهية لا التحريمية

لفظ کراہت مطلق بولا جائے تو شوافع کے نزدیک کراہت تنزیہیہ پر محمول ہوگا اور

بخلاف مذہبنا۔ ہمارے مذہب (احناف) میں تحریمی پر۔

سادسًا۔ مسجد میں اذان دینے میں بارگاہ الٰہی کی بے ادبی ہے۔ جیسا کہ ہم انشاءاللہ تیسرے شمارہ میں بیان کریں گے۔ تو اس سے پرہیز ضروری ہوا۔

سابعًا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ کبھی کبھی بیان جواز کے لئے افضل کو کبھی ترک کر دیتے تھے۔ جبکہ زمانہ رسالت میں کبھی بھی اذان کا مسجد کے اندر ہونا ثابت نہیں۔ تو یہ سب باتیں مل جل کر یہ ثابت کرتی ہیں کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ تحریمی ہے۔ اور جس کو اس سے تسلی نہ ہو تو کم از کم اتنا تو ہے کہ یہ مسئلہ کراہت تحریم و کراہت تنزیہ میں دائر ہے۔ تو ایک امر مشکوک کو چھوڑ دینا دانشمندی ہے۔ اور کم از کم اتنا تو ہے جس کے مانے بغیر چارہ نہیں۔ کہ مسجد میں اذان مطلقًا مکروہ ہے اور اہل حق کے لئے ممانعت کا اتنا حکم ہی کافی ہے۔



شمامة ثالثة من مسك القرآن الكريم
قرآن کریم کے مشک سے تیسرا شمامہ

ہم نے اس شمامہ کو یہاں تک اس لیے مؤخر کیا کہ اس کا اختتام مشک قرآن سے ہو تاکہ اس میں رغبت کرنے والوں کی رغبت میں اور اضافہ ہو۔

نفحہ (۱)

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولاتجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون۔ ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوی لھم مغفرۃ واجر عظیم۔

اے ایمان والو! نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز ایسے بلند نہ کرو جیسا آپس میں ایک دوسرے سے آواز بلند کرتے ہو۔ کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہوجائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور اپنی آواز پست کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کیلئے آزمالیا ہے ان کیلئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دربار مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے ادب کی طرف رہنمائی کی کہ اس

بارگاہ میں بلند آوازی جائز نہیں۔ اور ایسی شدید وعید فرمائی کہ اس میں (معاذ اللہ) عمل ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے۔ اور وہاں پست آوازی پر اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ ہے۔

اور شبہ نہیں کہ یہ اہتمام صاحب مقام کی ہیبت و اجلال کیلئے ہے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تو دربار الٰہی جل جلالہ کا ادب و احترام تو اس سے بدرجہا اعلیٰ و اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کس نے نہ سنا؟

وخشعت الاصوات للرحمٰن فلا تسمع الا همسا۔ — قیامت کے دن دربار الٰہی میں ساری آوازیں پست ہونگی۔ اور سرگوشی کے علاوہ کچھ بھی سن نہ سکوگے

مسجد اللہ تبارک و تعالیٰ کا دربار عالی ہے۔ واللہ العظیم اگر آدمی مسجد کی حاضری کے وقت قیامت میں رب العالمین کے حضور اپنا کھڑا ہونا یاد کرے۔ اور مقام کی عظمت یاد کرکے سوچے کہ کہاں اور کس واسطے کھڑا ہے۔ تو اجازت یافتہ انسانوں کے علاوہ (یعنی قاری اور خطیب) کسی کی آواز نہ نکلے۔

پس اصل حکم یہی ہوا کہ مسجد میں اجازت یافتہ لوگوں کے سوا کسی کی سرگوشی کے علاوہ کچھ نہ سنا جا سکے۔ اسی لئے احادیث کریمہ میں مسجد میں آواز بلند کرنے کی ممانعت آئی۔ ابن ماجہ نے واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

① قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وشرائکم وبیعکم وخصوماتکم ورفع اصواتکم۔ — حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں، پاگلوں اور خرید و فروخت اور لڑائی جھگڑا اور بلند آوازی سے محفوظ رکھو۔

ابن عدی، اور طبرانی نے معجم کبیر میں اور بیہقی وابن عساکر نے مکحول سے انھوں نے

واثلہ سے اور ابوالدرداء نے ابوامامہ رضی اللہ عنہم سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی۔

(۲) جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وسل سیوفکم واقامۃ حدودکم ورفع اصواتکم وخصوماتکم۔

اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں، پاگلوں، اور بے نیام تلواروں، خرید و فروخت، حدیں قائم کرنے اور جھگڑے سے محفوظ رکھو۔

عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں محمد ابن اسلم، عبد ربہ ابن عبد اللہ، مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روایت کی۔

(۳) جنبوا مساجدکم مجانینکم وصبیانکم ورفع اصواتکم وسل سیوفکم وبیعکم وشرائکم واقامۃ حدودکم وخصوماتکم۔

اپنی مسجدوں کو اپنے پاگلوں، بچوں اور آواز بلند کرنے، تلواریں بے نیام کرنے، بیع وشرا اور حدود قائم کرنے اور جھگڑوں سے محفوظ رکھو۔

امام عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے عبید اللہ ابن ابی حفص سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک سند پہونچائی۔ کہ

(۴) قال من اجاب داعی اللہ واحسن عمارۃ مساجد اللہ کانت تحفتہ بذالک من الجنۃ قیل یا رسول اللہ ما احسن عمارۃ مساجد اللہ قال لا یرفع فیھا صوت ولا یتکلم برفث

آپ نے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی پکار کا جواب دیا۔ اور مسجد کو اچھی طرح آباد کیا۔ تو اس کو جنت کا تحفہ ملیگا۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد کو اچھی طرح آباد کرنا کس طرح ہوتا ہے۔ فرمایا اس میں آواز بلند نہ کرے۔ اور بیہودہ گوئی میں مبتلا نہ ہو۔

امام مالک اور امام بیہقی رحمہما اللہ سالم ابن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں۔

(۵) ان عمر بن الخطاب رضی اللہ

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

تعالیٰ عنہ بنی الیٰ جانب المسجد رحبة فسماھا البطیحاء فکان یقول من اراد ان یلغط او ینشد شعرا او یرفع صوتا فیخرج الیٰ ھذہٖ الرحبة۔

مسجد کے پہلو میں ایک کشادہ جگہ نکال دی تھی۔ جسے بطیحا کہا جاتا۔ تو آپ فرماتے جسے بات کرنی ہو یا شعر پڑھنا ہو، یا آواز بلند کرنی ہو تو اس احاطہ میں جائے۔

امام ابن مبارک و ابراہیم بن سعد نے اپنے نسخہ میں سعید ابن ابراہیم عن ابیہ روایت کی۔

⑨ کان سمع عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ صوت رجل فی المسجد فقال اتدری این انت اتدری این انت کرہ الصوت۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کی آواز مسجد میں سنی تو فرمایا تجھے معلوم نہیں کہ تو کہاں ہے؟ تجھے معلوم نہیں کہ تو کہاں ہے۔ آپ نے آواز کو ناپسند کیا۔

اس حدیث کو ائمہ نے قبول کیا۔ اور فقہا نے یہاں تک تصریح فرمائی کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا بھی مکروہ ہے۔ ہاں اہل فقہ کی دینی بات چیت کا استثنا ہے۔ ایسا ہی درمختار وغیرہ کتب فقہ میں مرقوم ہے۔

تو جب ذکر الٰہی کا یہ حال ہے۔ تو اذان جو خالص ذکر بھی نہیں۔ کیونکہ اس میں حیعلتین تو نماز کا بلاوا ہے۔ امام عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں فرمایا۔

فان قلت الاذان ذکر فکیف تقول انہ شبہ الذکر وشبہ الشئ غیرہ قلت ھو لیس بذکر خالص علی مالا یخفیٰ انما اطلق اسم الذکر علیہ باعتبار ان اکثر الفاظہ ذکر۔

اگر یہ شبہ ہو کہ اذان تو ذکر ہے اسکو ذکر کے مشابہ قرار دینا صحیح نہیں۔ کیونکہ شبہ اور مشتبہ میں مغایرت ہوتی ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ اذان ذکر خالص نہیں۔ ہاں اس کے بیشتر الفاظ ضرور ذکر ہیں۔ اسی کا لحاظ کر کے اسکو ذکر کہا جاتا ہے۔

کنز کے قول. کلمہ شہادت کے وقت قبلہ کا استقبال اور صلاۃ و فلاح کے وقت دائیں بائیں مڑیں، کی تشریح میں بحر الرائق نے محیط سے نقل کیا۔

لانہ حالۃ الذکر والثناء علی اللہ تعالیٰ والشہادۃ لہٗ بالوحدانیۃ ولنبیہ علی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالرسالۃ فالاحسن ان یکون مستقبلاً فاما الصلوٰۃ والفلاح دعاء الی الصلوٰۃ واحسن احوال الداعی بان یقبل علی المدعوین۔

اذان میں کلمہ شہادتین حالت ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی ہے اور اس وقت استقبال قبلہ ہی مناسب ہے۔ اور صلاۃ و فلاح میں نماز کی طرف بلانا ہے۔ تو اس وقت یہی اچھا ہے کہ بلانے والا بلائے ہوؤں کی طرف متوجہ ہو۔

پس جب صورت حال یہ ہے۔ اور شریعت مقدسہ میں مسجد کے اندر اذان دینے کا ثبوت نہیں۔ تو اذان مسجد ممنوع ہو گی۔ ہمارا یہی کہنا ہے۔

نفحہ (۲)

اللہ تبارک و تعالیٰ ایک قوم کی حالت بیان کرتا ہے۔

فاذا فریق منھم یخشون الناس کخشیۃ اللہ او اشد خشیۃ۔

ایک گروہ آدمیوں سے خدا سے ڈرنے کی طرح ڈرتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ خوف کھاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فاللہ احق ان تخشوہ ان کنتم مومنین

حالانکہ مومنوں کو اللہ تعالیٰ سے ہی سب سے زیادہ ڈرنا چاہئے۔

اور جو آدمی بادشاہوں کے دربار میں حاضری دیتا ہے۔ خوب جانتا ہے کہ جب کوئی شخص دربار کے باہر رہتا ہے۔ اور بادشاہ اس کو بلانے کا حکم دیتا ہے۔ تو دربان دربار

کے اندر سے ہی اُنے پکارنے نہیں لگتے۔ بلکہ باہر نکل کر آواز دیتے ہیں۔ اگر یہ دربان بادشاہ کے سر پر ہی کھڑے ہو کر چلانے لگیں تو بے ادبی کے مرتکب ہوں گے۔ بادشاہ کے غضب کے مستحق اور سزا کے مستوجب ہوں گے۔

اور جو بادشاہوں کے دربار میں نہ جا سکا ہو تو وہ ہمارے علاقہ کے ججوں کی کچہری میں حاضر ہو۔ جج مسلمان ہوں یا غیر مسلم وہ دیکھے گا کہ جج جب گواہوں یا مدعی و مدعا علیہ کو حاضر کرنے کا حکم دیتے ہیں تو چپراسی انھیں کچہری کے کمرہ کے اندر سے نہیں بلاتے بلکہ دروازہ کے باہر آ کر پکارتے ہیں۔ یہ روزمرّہ کا مشاہدہ ہے۔

اور جو اس کے بے ادبی ہونے میں شبہ کرے وہ خود ہی اس کا تجربہ کرے۔ کہ جج کے سامنے کھڑے ہو کر فلاں حاضر ہو، فلاں حاضر ہو پکارنے لگے۔ تو ہمارا بیان اس کے لئے مشاہدہ میں تبدیل ہو جائے گا۔ تو اس کا سبب کچہری کا ادب اور حکام کا خوف ہی ہے۔ پس اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے تو اس سے زیادہ ڈرنا چاہیئے۔

اور اس قسم کے امور تعظیم و اظہار ادب میں جہاں کوئی شرعی حکم منصوص نہ ہو۔ معاملہ مشاہدہ پر ہی موقوف ہوتا ہے۔ اور مشاہدہ کا حال ہم بیان کر چکے۔ تو اسی کی طرف پلٹنا چاہیئے۔ اور غائب مصلیوں کو مصلیٰ کے اندر کھڑے ہو کر پکارنے کو بارگاہ الوہیت میں بے ادبی ہی تصور کرنا چاہیئے۔

ہم نے جو مسئلہ کو مشاہدہ پر محمول کرنے کی بات کہی، وہ عقل سلیم کے نزدیک مسلم ہے۔ اور تتبع اور تلاش سے بزرگوں کے کلام میں اس کی بہت ساری نظیریں مل سکتی ہیں۔

چنانچہ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں۔

الثابت هو يد اليمنى على اليسرى	حدیث شریف سے اتنا ثابت ہے (کہ قیام
وكونه تحت السرة او الصدر كما قال	کی حالت میں) دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا جائے

الشافعی۔ لم یثبت فیہ حدیث یوجب العمل فیحال علی المعهود وضعها حال قصد التعظیم۔ فی القیام والمعهود فی الشاهد منه تحت السرق۔

یہ امر کہ وہ ناف کے نیچے ہو یا سینہ کے نیچے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اس باب میں ایسی کوئی حدیث نہیں جس پر عمل واجب ہو۔ تو اس معاملہ کو شاہد پر محمول کرنا چاہیے۔ کہ حالت تعظیم میں جہاں ہاتھ باندھنا معلوم ومشہور ہو وہی اختیار کیا جائے۔ اور یہ زیر ناف ہے۔

انھیں نظیروں میں سے حضرت محقق کا یہ قول بھی ہے۔ جس کی ان کے شاگرد ابن امیر الحاج نے تحسین بھی کی ہے۔

لااری تحریر النغم فی الدعاء کما یفعله القراء فی هذا الزمان ویصدر ممن فهم معنی الدعاء والسوال وما ذالك الانوع لعب فانه لو قدر فی الشاهد سائل حاجته من ملك ادی سواله بتحریر النغم فیه من الرفع والخفض والتغریب والرجوع کالتغنی نسب الی التهمة الی قصد السخریة واللعب اذ مقام طلب الحاجة التضرع لا التغنی۔

دعا میں گلے بازی (گانا) کو میں جائز نہیں تصور کرتا جیسا کہ آجکل کے قاری کرتے ہیں۔ اور یہ فعل ایسے لوگوں سے بھی صادر ہوتا ہے جو سوال اور دعا کے معنی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ ایک قسم کا کھیل اور مذاق ہے۔ اگر شاہد کے اعتبار سے دیکھا جائے تو کوئی سائل جو بادشاہ سے اپنی حاجت کی درخواست کر رہا ہو۔ اپنے سوال کو گویّوں کی طرح گا کر آواز کی بلندی اور پستی گٹکری اور آواز کی آرائش کیساتھ مانگے۔ تو ایسے سائل کو کھیل مذاق کی تہمت دیجائیگی۔ کہ مقام الحاح زاری کا ہے نہ گانے کا۔

حلیہ میں اس کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

قد اجاد رحمه الله فیما اوضح وافاد۔

حضرت محقق نے بہت عمدہ توضیح و افادہ فرمایا۔

الشافعي. لم يثبت فيه حديث يوجب العمل فيحال على المعهود وضعها حال قصد التعظيم. في القيام والمعهود في الشاهد منه تحت السرة.

یہ امر کہ وہ ناف کے نیچے ہو یا سینہ کے نیچے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اس باب میں ایسی کوئی حدیث نہیں جس پر عمل واجب ہو۔ تو اس معاملہ کو شاہدہ پر محمول کرنا چاہیے۔ کہ حالت تعظیم میں جہاں ہاتھ باندھنا معلوم ومشہور ہو وہی اختیار کیا جائے۔ اور یہ زیر ناف ہے۔

انھیں نظیروں میں سے حضرت محقق کا یہ قول بھی ہے۔ جس کی ان کے شاگرد ابن امیر الحاج نے تحسین بھی کی ہے۔

لا ارى تحرير النغم في الدعاء كما يفعله القراء في هذا الزمان ويصدر ممن فهم معنى الدعاء والسوال وماذالك الانوع لعب فانه لو قدر في الشاهد سائل حاجته من ملك ادى سواله بتحرير النغم فيه من الرفع والخفض والتغريب والرجوع كالتغني نسب الى التهمة الى قصد السخرية واللعب اذ مقام طلب الحاجة التضرع لا التغني.

دعا میں گلے بازی (راگ گانا) کو میں جائز نہیں تصور کرتا جیسا کہ آجکل کے قاری کرتے ہیں۔ اور یہ فعل ایسے لوگوں سے بھی صادر ہوتا ہے جو سوال اور دعا کے معنی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ ایک قسم کا کھیل اور مذاق ہے۔ اگر شاہدہ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو کوئی سائل جو بادشاہ سے اپنی حاجت کی درخواست کر رہا ہو۔ اپنے سوال کو گویوں کی طرح گا کر آواز کی بلندی اور پستی گٹکری اور آواز کی آرائش کیساتھ مانگے۔ تو ایسے سائل کو کھیل اور مذاق کی تہمت دیجائیگی۔ کہ مقام الحاح زاری کا ہے نہ گانے کا۔

حلیہ میں اس کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

قد اجاد رحمه الله فيما اوضح وافاد.

حضرت محقق نے بہت عمدہ توضیح و افادہ فرمایا۔

اس قسم کی بہت سی نظیریں فتح القدیر، حلیہ، غنیہ وغیرہ میں ہیں۔ بلکہ میرا کہنا تو یہ ہے کہ خود حدیث شریف میں اس طرف رہنمائی ہے۔ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

استحی من اللہ استحیائك من رجلین من صالحی عشیرتك رواہ ابن عدی عن ابی امامة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

تم اللہ تعالیٰ سے ایسا ہی شرم کرو جیسا اپنے خاندان کے دو نیک مردوں سے شرم کرتے ہو۔ اس حدیث کو ابن عدی نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے حضور سے روایت کی۔

اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

ان اللہ احق ان یستحیی منہ من الناس

اللہ تعالیٰ کو اس کا زیادہ حق ہے کہ آدمی اس سے انسانوں کی بہ نسبت زیادہ شرم کرے۔

اس حدیث کو احمد و ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا۔ اور نسائی ابن ماجہ اور حاکم نے معاویہ ابن حیدۃ سے روایت کیا۔ اور یہ حدیث۔

اذا صلی للہ فلیلبس ثوبیہ فان اللہ احق من تزین لہ۔

نماز پڑھو تو پورے لباس میں کہ اللہ کیلئے زینت و آرائش کا سب سے زیادہ حق ہے۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے اوسط میں اور امام بیہقی نے ابن عمر رضی اللہ عنہم سے حضور سے روایت کیا اور اس کی وضاحت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہوئی کہ۔

انھوں نے اپنے غلام نافع کو دونوں کپڑے پہنائے (یعنی مکمل جوڑا دیا) پھر انھیں مسجد کے اندر ایک ہی چادر میں لپٹا ہوا دیکھا۔ تو فرمایا کیا تمہارے پاس پہننے کیلئے پورا جوڑہ نہیں ہے۔ اگر میں تم کو گھر سے باہر کسی کام کے لیے بھیجتا تو مکمل جوڑا پہن کر جاتے یا ایک چادر لپیٹ کر حضرت نافع نے جواب دیا ضرور پورا لباس پہنتا۔ اس پر ابن عمر نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون اس بات کا مستحق ہے کہ اس کیلئے زینت کیجائے۔ حضرت نافع کو اقرار کرنا

پڑا کر اللہ تعالیٰ۔

نفحہ (۳)

امام عبدالرزاق نے اس کو حضرت نافع سے روایت کیا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

یاایہا الذین آمنوا لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا و تسلموا علی اہلہا ذالکم خیر لکم لعلکم تذکرون فان لم تجدوا فیہا احداً فلا تدخلوھا حتی یوذن لکم۔

اے ایمان والو! دوسروں کے گھروں میں بے انس پیدا کئے اور گھروالوں کو سلام کئے بغیر داخل نہ ہو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ اگر کسی کو گھر میں نہ پاؤ تو جبتک اجازت نہ ملے گھر میں داخل نہ ہو۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے دوسرے انسانوں کے گھر میں بے اذن و انس داخلہ ممنوع فرمایا۔ اور مسجدیں بلاشبہ اللہ رب العزت جل و علا کے گھر ہیں۔ طبرانی نے کبیر میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور نے فرمایا۔

ان بیوت اللہ فی الارض المساجد و ان حقاً علی اللہ تعالیٰ ان یکرم من زارفیہ۔

روئے زمین پر مسجدیں اللہ تعالیٰ کا گھر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لیا کہ اس میں زیارت کو آنے والوں کی تکریم فرمائے گا۔

ابوبکر ابن شیبہ نے اسکو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا قول بتا کر نقل کیا۔ اور امام طبرانی نے کبیر میں اور ضیاء نے مختارہ میں ابو قرصافہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول نقل کیا۔

ابنوا المساجد کم واخرجوا القمامۃ منہا فمن بنی للہ بیتاً بنی اللہ لہ بیتاً فی الجنۃ۔

مسجدیں بناؤ اور ان سے کوڑے صاف کرو تو جو خدا کے لئے گھر بنائے، اللہ تعالیٰ نے اسکے لئے جنت میں گھر بنا دیا۔

اور بے اجازت داخل ہونے کی ایک صورت یہی ہے کہ اجازت کسی اور کام کی ہے۔ اور داخل ہونے والا کسی اور کام کی غرض سے داخل ہوا۔ اسی نکتہ کی طرف حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا۔

من سمع رجلاً ینشد ضالته فی المسجد فلیقل لا ردھا اللہ علیك فان المساجد لم تبن لھذا۔	جس نے کسی آدمی کو سنا کہ مسجد میں اپنی کھوئی ہوئی چیز تلاش کر رہا ہے۔ تو دعا کرے کہ خدا کرے تو اسے نہ پائے کہ مسجدیں اس کام کیلئے نہیں بنائی گئیں۔

امام احمد، امام مسلم، امام ابوداؤد، ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے روایت کیا۔

مذکورہ بالا سبھی محدثین نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے اس حدیث کو حضور اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان الفاظ میں روایت کیا۔

لا وجدته لا وجدته لا وجدته انما بنیت المساجد لما بنیت له۔	تو اسے نہ پائے، تو اسے نہ پائے، تو اسے نہ پائے مسجدیں اس کام کیلئے نہیں بنائی گئیں۔ وہ تو جس کیلئے بنائی گئی ہیں بنائی گئی ہیں۔

عبدالرزاق نے ابی بکر ابن محمد سے روایت کی۔

انه سمع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم رجلا ینشد الضالة فی المسجد فقال ایھا الناشد غیرك الواجد لیس لھذا بنیت المساجد۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو مسجد میں کھوئی ہوئی چیز تلاش کرتے سنا تو فرمایا اے تلاش کرنے والے۔ پانے والا تیرے علاوہ ہو۔ مسجدیں اس کام کیلئے نہیں ہیں۔

اس موضوع پر حدیثیں بہت ہیں۔ اور یہ اس صورت کو بھی شامل ہے کہ تلاوت

کے لیے مصحف شریف کو ڈھونڈھے۔ یا کسی کی امانت جو اس کے پاس تھی کھو جانے پر مسجد میں تلاش کرے حالانکہ ایسی چیز کا تلاش کرنا واجب ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات الیٰ اھلھا۔	اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانت واپس کرو۔

تلاش پانے کا مقدمہ ہے۔ اور پانا دینے کا ذریعہ۔ اور جو واجب کا ذریعہ ہو وہ خود واجب ہے۔ فقہاء نے اس عموم میں ہر گمشدہ چیز کی تلاش کو داخل کیا۔ اور کسی خاص گمشدہ کا استثناء نہیں کیا۔ اس کا رمز یہ ہے کہ واجب کی ادائیگی ہر چند کہ عمل آخرت ہے۔ پر یہ بھی عمل آخرت کے لیے مسجد نہیں بنائی گئی۔ حضرات امام احمد و مسلم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

انما ھذہ المساجد لا تصلح لشئ من القذر والبول والخلاء انما ھی لقراۃ القرآن وذکر اللہ والصلاۃ	یہ مسجدیں گندگی پیشاب و پیخانہ کے لئے نہیں یہ تو صرف تلاوت قرآن، ذکر الٰہی اور نماز کیلئے ہیں۔

بخاری و ابن ماجہ حضرت ابوہریرہ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

انما بنی لذکر اللہ والصلاۃ	یہ تو نماز اور ذکر الٰہی کیلئے ہی بنائی گئی ہیں۔

امام احمد نے کتاب الزہد میں حضرت ابوضمرہ عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف ذکر کا ہی ذکر کیا۔

مسند الفردوس میں بروایت ابوہریرہ مروی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کل کلام فی المسجد لغو الا	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد کے اندر تلاوت کلام اللہ ذکر الٰہی اور بھلائی

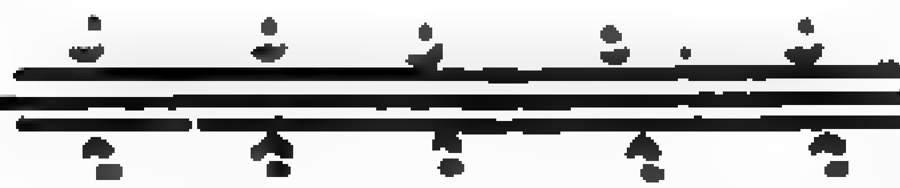
القرآن و ذکر اللہ و مسالۃ عن ... سے سوال اور اس کو دینے کے علاوہ
خیر و اعطاء ذکا ۔ ... ہر بات لغو ہے ۔

یہ پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے کہ اذان خالص ذکر الٰہی نہیں ۔ اگر مسجد اس کیلئے بنی ہوتی تو شرع شریف مسجد کے اندر اذان کا حکم فرماتی ۔ اور اس پر عمل درآمد ایک بار ہی سہی مروی ضرور ہوتا ۔ بھلا یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ جس کام کے لیے مسجد کی تعمیر ہوئی وہی مسجد میں کبھی نہ ہوا ۔ نہ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں نہ خلفائے راشدین کے عہد میں ۔ تو یہی کہا جائے گا کہ مسجد اس کیلئے بنائی ہی نہیں گئی ۔

اور ایسا ہوتا بھی کیسے یہ تو دربار الٰہی کی حاضری کا اعلان ہے ۔ اور دربار اعلان کیلئے نہیں ہوتا اعلان تو دربار کے باہر ہوتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے ۔

اس ضعیف بندے پر کلام مجید، حدیث مقدس اور فقہ مبارک سے یہی ظاہر ہوا ۔ باتیں سب کی سب ظاہر ہیں ۔ اگرچہ اخیر میں ہم نے شواہد اور متابعات سے کام لیا ۔ لیکن یہ سب بھی اہل انصاف کے نزدیک قطع مکابرہ اور دفع زیادتی کیلئے کافی ہے ۔

میں اللہ تعالیٰ سے عفو و عافیت، رحمت کاملہ، اور نعمت متکاثرہ اور عیش صافیہ کا طالب ہوں ۔ اللہ تعالیٰ کے لیے ہی حمد ہے ۔ اور ہمارے سردار محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے آل و اصحاب اور ان کے گروہ سب پر درود و سلام ہو ۔



اختلاف کو خاکستر کردینے والے عود و عنبر کا
چوتھا شمامہ

حمد اللہ تعالیٰ کے لئے ہی خاص ہے۔ اور وہی ہمارے لئے کافی ہے۔ اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام و رحمت ہو۔

حق و ہدایت والے ہمارے بزرگوں اور بھائیوں کو معلوم ہو (اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے) کہ معاندو ہابیہ، اور ان کی پیروی کرتے ہوئے ابھرتے طلبہ، سب کو اس امر نے تھکا دیا کہ ایک صحیح حدیث یا فقہ کی کوئی نص صریح پیش کریں۔ جو اذان کے مسجد کے اندر منبر سے متصل ہونے کا افادہ کرے (جیسا کہ آجکل رواج پڑ گیا ہے) مگر وہ اس پر قادر نہ ہو سکے۔ اور اللہ تعالیٰ باطل کو سربلندی عطا نہیں کرتا۔

پس وہ تنکوں کا سہارا پکڑنے لگے۔ ان میں پانچ باتوں میں تو سب متفق ہیں بقیہ کچھ لوگوں نے انفرادی بحث بھی کی ہیں۔

یہ بندہ ضعیف پہلے تو پانچوں متفقہ دلائل کا ذکر فرداً فرداً اور اس کا رد کریگا۔ پھر انفرادی لچر اور پوچ دلائل کی بھی خبر گیری کرے گا۔ پہلی پانچ باتیں یہ ہیں۔

① اذان جمعہ کے لئے تمام فقہا نے بین یدیہ (خطیب کے سامنے) کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ اذان مسجد کے اندر منبر سے متصل ہونا چاہئے۔

② اس مسئلہ کو بیان کرتے ہو کہ جس اذان کو سن کر جمعہ کے لئے مسجد کی طرف جانا واجب ہو جاتا ہے۔ وہ اذان اول ہے یا اذان ثانی۔ بعض فقہاء نے یوں تعبیر کی یہ وہی اذان ہے جو عند المنبر (منبر کے پاس) ہوتی ہے۔

③ اور بعض فقہاء نے علی المنبر (منبر کے اوپر) فرمایا جو پاس سے بھی زائد قریب پر دلالت کرتا ہے۔

④ معاندین کا یہ گمان فاسد ہے کہ اس اذان کا مسجد کے اندر منبر سے متصل ہونا متوارث ہے (یعنی خلفا عن سلف ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے) توارث کے بیان میں جس نے احتیاط سے کام لیا تو اتنا کہہ کر رہ گیا کہ قدیم سے ایسا ہوتا آیا ہے۔ اور جو جرأت بے جا کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اور خلفائے راشدین کے عہد مبارک سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔

⑤ ان سب کا کہنا ہے کہ تمام ممالک میں اسی پر عملدرآمد ہے۔ اور تمام اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے۔

اب میں ان پانچ متفقہ باتوں کا تفصیلی رد۔ اور بعد میں متفرقات سے بھی تعرض کروں گا اللہ تعالیٰ سے ہی میری توفیق ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے، اور اسی کیطرف میرا رجوع ہے۔

نفحہ (۱) ہم احادیث و فقہ سے یہ ثابت کر آئے ہیں کہ جب امام منبر پر بیٹھے تو اس اذان کا خطیب کے سامنے ہونا مسنون ہے۔ لیکن سامنے کے لفظ میں مخالفین کی آنکھ ٹھنڈی کرنے والی کوئی بات نہیں۔ بلکہ اس کا مفاد صرف اتنا ہے کہ منبر کے سامنے خطیب کے چہرے کے مقابل ہو۔ بیچ میں کوئی حائل نہ ہو جو روئے خطیب کا آڑ بنے۔ یہ بات مسجد کے اندر اور باہر دونوں ہی صورتوں کو شامل ہے۔ اس حد تک کہ مشاہدہ اور مقابلہ باقی رہے۔ اصل لفظ بین یدیہ (سامنے) کا مفاد اس کے سوا نہیں۔

البتہ فقہ نے ہم کو بتایا کہ اذان مسجد کے اندر نہ ہونی چاہیے۔ بلکہ مسجد سے اتنی دور ہونا چاہیے کہ مسجد میں نہ شمار کی جائے۔ بلکہ مسجد کے حدود اور اس کی فنا میں ہو۔ احادیث مبارکہ نے بھی اسی کی طرف رہنمائی کی ہے۔ جس سے اس مقام کی تعین ہوتی ہے۔

اب میں اس لفظ کی تحقیق کرتا ہوں۔ لفظ۔ بین یدیہ۔ دو حرفوں سے مرکب ہے۔ ان اجزائے ترکیب کے اعتبار سے اس لفظ کے معنی حقیقی یہ ہوئے کہ۔ آدمی کے دونوں ہاتھ کے درمیان جو فضا ہے۔ چاہے وہ آدمی کے آگے کی فضا ہو چاہے پیچھے کی۔ کیونکہ دونوں ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دیا جائے۔ تو ان کے بیچ میں آدمی کے دونوں پہلو اور دونوں رانیں ہوتی ہیں۔ اور انہیں دونوں کو جب منہ کے آگے یا پشت کے پیچھے دراز کیا جائے۔ تو پہلی صورت میں آگے کی جانب دونوں ہاتھ کے بیچ کی فضا اور دوسری صورت میں پیچھے کے جانب کی اتنی فضا۔ بین یدیہ۔ ہے۔ اور دونوں ہاتھ لٹکانے کی صورت میں آگے پیچھے کا سوال ہی نہیں۔

لفظ۔ بین یدیہ۔ کے معنی ترکیبی حقیقی تو یہی ہیں لیکن یہ یہاں مراد نہیں ہو سکتے اور معنی مرکب میں بسا اوقات یہی ہوتا ہے کہ معنی حقیقی تفصیلی چھوڑ کر دوسرے معنی اجمالی مراد ہوتے ہیں یہ اطلاق کبھی لغوی ہوتا ہے اور کبھی عرفی۔ اپنے معنی تفصیلی کے لحاظ سے یہ دوسرے معانی اگرچہ مجازی قرار دیئے جائیں۔ لیکن استعمال کے لحاظ سے حقیقی ہوتے ہیں۔ لفظ بین یدیہ کا بھی یہی حال ہے۔ کہ وہ سامنے اور مقابل کے معنی میں طے ہو گیا ہے۔ قرب کے معنی سے قطع نظر کرکے یا اس کا لحاظ کرتے ہوئے۔ اور اس وقت میں اس لفظ کی تفسیر حاضر اور مشاہد سے کی جاتی ہے۔ کیونکہ رویت عادیہ کے لئے قرب و مقابلہ شرط ہے جو مرئی ہے دیکھنے کے وقت قریب بھی ہے اور مقابل بھی ہے۔

لفظ۔ بین یدیہ۔ کا اصلی مفاد یہی ہے۔ البتہ قرب چونکہ ایک امر اضافی، حد درجہ

متفاوت المعنی کی مشلک ہے۔ اس لئے اس کے مختلف درجات میں سے کسی ایک کی تعین مقام کی خصوصیت کے لحاظ سے ہوگی اور قرب و بعد کے مختلف مراتب پر دلالت لفظ کے تقاضہ سے نہیں عقل کے تقاضہ سے ہے۔

پھر اصل میں تو یہ لفظ ظرف مکان کے لئے تھا۔ لیکن بعد میں ظرف زمان کے لئے بھی مستعمل ہونے لگا۔ یا تو مطلقاً زمانہ ماضی یا ماضی قریب کے لئے، کیونکہ ماضی حضور کے قریب ہے، اور اسی طرح مستقبل میں بھی کہ آنے والا زمانہ بھی متقابل اور متوجہ ہے۔

قرآن عظیم اور محاورات عرب میں لفظ۔ بین یدیہ ، ان دونوں معنی میں وارد ہوا۔ مفسرین نے اسی معنی سے اس کی تفسیر کی، میں نے تتبع اور تلاش سے قرآن پاک میں ۲۸ جگہ یہ لفظ پایا جن میں بیسؔ مقامات میں قرب پر کوئی دلالت نہیں۔ اور ایک مقام پر معنیٰ ترکیبی حقیقی کے لئے ہے۔ اور ستر ہ مقامات پر قرب کے لئے۔ مگر اس قرب میں بھی تفاوتِ عظیم ہے۔ کہ اتصال حقیقی سے پانچ سو برس کی راہ کی دوری تک پر قرب کا اطلاق ہوا ہے ہم نے ان سب آیتوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

قسم اول

(۱) سورہ بقرہ (۲) سورہ طٰہٰ (۳) سورۂ انبیاء (۴) سورۂ حج ان سورتوں میں آیات کے الفاظ یکساں ہیں یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم ان کے پس و پیش کا اسے علم ہے۔

(۵) سورہ مریم شریف کی آیت لہ ما بین ایدینا وما خلفنا وما بین ذالک اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ ہمارے پیش و پس اور اس کے درمیان کی حکومت۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت اور اس کا علم قریب یا بعید کے ساتھ خاص نہیں۔

(۶) سورۂ بقرہ، میں فانہ نزلہ علی قلبک مصدقا لما بین یدیہ اللہ پاک نے قرآن عظیم کو آپ کے قلب پر اتارا اپنے سے پہلے کی تصدیق کرتا ہے۔

(۷) آل عمران میں نزل علیك الكتاب بالحق مصدقا لما بین یدیه آپ پر کتاب اتاری حق کے ساتھ جو گذرے ہوئے کی تصدیق کرتی ہے۔

(۸) سورۃ انعام میں وھذا کتاب انزلناہ مبٰرك مصدق الذی بین یدیه ہم نے اس مبارک کتاب کو اتارا جو گذرے ہوئے کی تصدیق کرتی ہے۔

(۹) سورہ یونس میں وما کان ھذا القرآن ان یفتری من دون اللہ لکن تصدیق الذی بین یدیه۔ یہ قرآن غیر خدا کی طرف سے افترا نہیں ہے۔ یہ تو گذرے ہوئے کی تصدیق ہے۔

(۱۰) سورۃ یوسف میں ما کان حدیثا یفتری ولکن تصدیق الذی بین یدیه وتفصیل کل شیٔ یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں۔ لیکن اپنے سے پہلے کاموں کی تصدیق اور ہر شیٔ کی تفصیل ہے۔

(۱۱) سورہ سبا میں وقال الذین کفروا لن نومن بھذا القرآن ولا بالذی بین یدیه کافروں نے کہا ہم نہ تو اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں۔ نہ اس پر جو گذشتہ ہے۔

(۱۲) سورہ ملٰئکہ میں والذی اوحینا الیك من الكتاب ھو الحق مصدقا لما بین یدیه۔ جو کتاب ہم نے آپ کی طرف وحی کی حق ہے۔ اور گذرے ہوئے کی تصدیق ہے۔

(۱۳) سورہ حم السجدہ میں وانه لکتٰب عزیز لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه یہ عزت والی کتاب کہ باطل کو اسکی طرف راہ نہیں نہ اسکے آگے سے نہ پیچھے سے۔

(۱۴) سورہ احقاف میں قالوا یا قومنا انا سمعنا کتٰبا انزل من بعد موسٰی مصدقا لما بین یدیه۔ اے ہماری قوم ہم نے ایک کتاب سنی جو موسٰی کے بعد اتاری گئی اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی ہے۔

(ان سب آیات میں ہے کہ قرآن عظیم گذشتہ کتابوں کی تصدیق کرتا ہے)

اور بلا شبہ قرآن عظیم تمام ہی گذری ہوئی آسمانی کتابوں کی تصدیق فرماتا ہے قریب کی ہو یا بعید کی اور گذشتہ کتابوں میں کوئی بھی اس کی مخالفت نہیں کرتی۔ اور کافر کسی پر بھی ایمان نہیں لاتے۔

(۱۵) آل عمران کی یہ آیت بھی قسم اول میں ہی ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حکایت کرتی ہے۔ مصدقا لما بین یدی من التوراۃ کہ میں تصدیق کرتا آیا ہوں اپنے سے پہلی کتاب توریت کی۔

(۱۶) سورہ مائدہ کی آیت وقفینا علیٰ اثارھم بعیسی بن مریم مصدقا لما بین یدیہ من التوراۃ ہم ان نبیوں کے نشان قدم پر عیسیٰ بن مریم کو لائے تصدیق کرتا ہوا توریت کی جو اس سے پہلے تھی۔

(۱۷) اور سورہ صف کی آیت مصدقا لما بین یدیہ من التوراۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔ میں اپنے سے پہلے کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوا۔ اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا۔ جو میرے بعد تشریف لائیں گے انکا نام احمد ہے۔

ان آیات میں لفظ بین یدیہ کو حضور پر حمل کیا جا سکتا تھا لیکن مفسرین نے اس کی تفسیر من قبلہ ہی کیا کہ ذہن کا تبادر اسی طرف ہوتا ہے۔

(۱۸) اور سورہ بقرہ میں۔ فجعلناھا نکالا لما بین یدیھا وما خلفھا۔ تو ہم نے (اس بستی کا) واقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کیلئے عبرت کر دیا۔ اس کی تفسیر بھی اگلی اور پچھلی امتیں کی گئی جس کا ذکر گذشتہ امتوں میں مذکور اور بعد والی قوموں میں مشہور ہوا (بیضاوی)

(۱۹) اور حٰم سجدہ میں۔ اذ جاءتھم الرسل من بین ایدیھم ومن خلفھم

۱؎ تیرہویں آیت کی طرف اشارہ ہے ۲؎ گیارہویں آیت کی طرف اشارہ ہے۔

اور جب رسول ان کے آگے پیچھے پھرتے تھے۔ حضرت حسن بصری سے اس کی تفسیر مروی ہے۔ کہ رسول انہیں پہلی امتوں کے حادثات اور آخرت میں آنے والے عذاب سے ڈراتے۔ (نسفی) یا گذشتہ اور آئندہ قومیں کہ انہیں پہلوں کی خبر پہونچی، اور ہود اور صالح علیہ السلام نے انہیں دعوت دیتے ہوئے متاخرین کا حال بتایا۔ (بیضاوی)

(۲۰) سورہ احقاف میں اذ انذر قومه بالاحقاف وقد خلت النذر من بین یدیه ومن خلفه حضرت ہود نے اپنی قوم کو مقام احقاف میں ڈرایا۔ اور اس کے پہلے سنانے والے گذر چکے تھے اور بعد میں آئے۔ یعنی حضرت ہود سے پہلے اور ان کے بعد اپنی قوموں کی طرف کہ سوائے خدا کے کسی اور کو نہ پوجو (جلالین)

قسم ثانی

(۲۱) سورہ اعراف میں هو الذی ارسل الریاح بشرا بین یدی رحمة اللہ تعالیٰ نے ہواؤں کو بارش سے پہلے بشارت دینے والی بنا کر بھیجا۔

(۲۲) سورہ فرقان میں هو الذی ارسل الریاح بشراً بین یدی رحمته

(۲۳) سورہ نمل میں امن یهدیکم فی ظلمات البر والبحر ومن یرسل الریاح بشرا بین یدی رحمته۔ یا وہ جو تمہیں راہ دکھاتا ہے اندھیریوں میں خشکی اور تری کی۔ اور وہ کہ ہوائیں بھیجتا ہے اپنی رحمت کے آگے خوشخبری سناتی۔

ان آیات میں لفظ بین یدیه بارش کے قریب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

(۲۴) لآتینهم من بین ایدیهم ومن خلفهم وعن ایمانهم وعن شمائلهم. میں ان پر آئیں گے ان کے آگے ان کے پیچھے اور دائیں اور بائیں۔

اس آیت میں شیطانوں کے وسوسہ کا بیان ہے۔ جس کے لئے ان کا ان لوگوں کے قریب ہونا ضروری ہے جنکو وسوسہ دیں گے۔ (اس سے خدا کی پناہ)

(۲۵) ۔ سورۂ رعد میں لہ معقبات من بین یدیہ ومن خلفہ۔ اس کے نگران اس کے آگے پیچھے ہیں ۔ اس آیت میں نگرانی کا ذکر ہے ۔ جو قریب سے ہوتی ہے ۔

(۲۶) ۔ سورہ سبا ۔ میں افلم یروا الی ما بین ایدیھم وما خلفھم من السماء والارض تو کیا انھوں نے نہ دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے ہے ۔ آسمان وزمین ۔

اس آیت میں سماء سے مراد آسمان دنیا ہے ۔ جو نسبۃً ہم سے قریب ہے ۔ اور ہم پر سایہ فگن ہے ۔

(۲۷) اسی میں ہے ومن الجن من یعمل بین یدیہ باذن ربہ (الی قولہ تعالیٰ) یعملون لہ ما یشاء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور راسیات ۔ اور جنوں میں سے وہ جو اس کے آگے کام کرتے ۔ اس کے رب کے حکم سے ۔ ـــــ اس کے لئے بناتے جو وہ چاہتا اونچے اونچے محل اور تصویریں ۔ اور بڑے بڑے حوضوں کے برابر لگن ۔ اور لنگر دار دیگیں ۔ ۔ اس آیت میں بادشاہ کے حسب مرضی کام کرنے والوں کے اس کے سامنے ہونے سے مراد اس کی نگاہ میں ہونا ہے ۔

(۲۸) اسی میں مابصاحبکم من جنۃ ان ھو الا نذیر لکم بین یدی عذاب شدید تمہارے ان صاحب میں جنون کی کوئی بات نہیں، وہ تو نہیں مگر تمہیں ڈر سنانے والے ، ایک سخت عذاب کے آگے ۔ اس میں لفظ بین یدی قیامت کے قرب پر دلالت کرتا ہے ۔

(۲۹) ۔ سورہ یٰسین میں وجعلنا من بین ایدیھم سدًا ومن خلفھم سدًا۔ ہم نے ان کے آگے ایک دیوار بنا دی اور ان کے پیچھے ایک دیوار ۔ یہاں لفظ بین ایدی اتصال حقیقی کے لئے ہے تاکہ نابینائی پیدا ہو ۔ (پناہ بخدا)

(۳۰) اسی میں ہے ۔ واذا قیل لھم اتقوا ما بین ایدیکم وما خلفکم

جب ان سے کہا گیا کہ سامنے اور پیچھے کے عذاب سے بچو، یعنی دوسروں کی طرح کہا گیا کہ عذاب دنیا اور عذاب آخرت سے بچو (جلالین)

(۳۱)۔ حم سجدہ ۲۵۔ میں وقیضنا لھم قرناء فزینوا لھم ما بین ایدیھم و ماخلفھم۔ اور ہم نے ان پر کچھ ساتھی تعینات کئے۔ انھوں نے انھیں مزین کر دیا جو ان کے آگے۔ اور جو ان کے پیچھے ہے ما بین ایدیھم سے مراد امور دنیا اور شہوتوں کی اتباع اور خلفھم سے مراد امور آخرت (جلالین)

(۳۲)۔ سورہ حجرات میں۔ یاایھا الذین آمنوا لاتقدموا بین یدی اللہ ورسولہ اے ایمان والو اللہ ورسول پر سبقت نہ کرو۔ اس آیت میں نہی کا مفاد حکم خدا ورسول سے پہلے کسی امر کے فیصلہ کی ممانعت ہے۔ اور اس کی شناعت کو محسوس کے ساتھ تمثیل کر کے دکھایا گیا۔ اگر چلنے میں غلام آقا سے آگے چلے تو برا ہے۔ اور یہ برائی قرب کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔

(۳۳)۔ سورہ حدید میں۔ یوم تری المومنین والمومنات یسعیٰ نورھم بین ایدیھم وبایمانھم اس دن تم دیکھو گے کہ مومن مردوں اور عورتوں کا نور ان کے آگے اور دائیں چلے گا۔ یہاں کہ یسعیٰ اسبات پر دلالت کرتا ہے کہ آگے اور دائیں سے مراد وہ جگہ ہے جو ان کے لئے روشن کی گئی ہے۔ تو یہاں بین یدیہ سے مراد قرب ہے۔ اور نور تو مومنوں سے متصل ہی ہوگا۔

(۳۴)۔ سورہ مجادلہ میں ہے۔ یاایھا الذین آمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقہ۔ اے ایمان والو رسول کریم سے بات کرنا چاہو تو اس سے پہلے صدقہ پیش کرو:

(۳۵) االشفقتم ان تقدموا بین یدی۔ نجواکم صدقات۔ بات چیت

سے قبل صدقہ پیش کرنے سے ڈر رہے ہو۔ ان دونوں آیتوں میں مراد تعظیم رسول ہے تو یہ قرب سے ہی ظاہر ہو گی۔

(۳۶) ۔ سورۂ ممتحنہ، میں ہے ولا یاتین ببھتان یفترینہ بین ایدیھن وارجلھن ایسا بہتان نہ ظاہر کرو جسے تم نے اپنے ہاتھوں اور پیروں کے بیچ گھڑا ہو وہ لڑکا جو دوسرے کا ہو، عورت اس کو اپنے شوہر کی طرف منسوب کرے۔ اور اس کو شوہر کا حقیقی لڑکا بتائے۔ تو عورت جب بچہ جنے گی تو وہ حقیقتاً اس کے پاؤں اور ہاتھوں کے بیچ میں ہو گا۔ تو یہاں بین یدیہ کے معنی حقیقی ترکیبی مراد ہیں۔

(۳۷) ۔ سورۂ تحریم میں۔ ونورھم یسعیٰ بین ایدیھم وایمانھم۔ ان کا نور انکے آگے آگے اور دائیں چل رہا ہو گا۔

(۳۸) ۔ سورہ جن، میں عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدا۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر اپنے پسندیدہ رسولوں کے سوا کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ ان رسولوں کے آگے پیچھے نگراں چلتے ہیں۔ یعنی فرشتے جو وحی کی تبلیغ تک ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ سب آیات واضح ہیں۔

اسی سے ہے جعلناھا نکالا لما بین یدیھا وما خلفھا۔ ہم نے (اس بستی) کا یہ واقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کے لئے عبرت کر دیا، مشہور اور ظاہر یہی ہے کہ ما بین یدیہ اور خلفہ سے مراد وہ امتیں ہیں جو اس زمانہ میں تھیں اور ان کے بعد میں (جلالین) یا جو دیہات قریب تھے اور وہ جو دور تھے۔ یا ان دیہاتوں والے (بیضاوی)

ایسا ہی آیت مبارکہ اذجاءتھم رسلھم من بین ایدیھم ومن خلفھم جب اللہ تعالیٰ کے بھیجے فرشتے آئے ان کے آگے اور پیچھے، اس آیت کے معنی یہ ہیں،

فرشتے ان کے پاس ہر طرف سے آئے اور ان کے ساتھ ہر طرح کے حیلے برتے۔

(مدارک، بیضاوی)

ائمہ تفسیر ولغت کا بیان یہ ہے۔ صحاح، قاموس، مختار الصحاح، تاج العروس وغیرہ میں بین یدی الساعۃ کے معنی قیامت سے پہلے، اور صراح میں آگے چلنے والے۔ اور تاج العروس میں ہے کہ بین یدیک ہر اس چیز کو کہا جائے گا جو تمہارے آگے ہو، معالم التنزیل تفسیر سورۂ حجرات میں بین الیدین کے معنی آگے ہے۔ اور خازن میں بین یدیہ کے معنی جو اس کے آگے ہو۔ تفسیر ابو سعود میں سورۂ یونس علیہ السلام میں بین یدیہ کے معنی آگے، اور جلالین میں سورہ رعد کے لفظ بین یدیہ کے معنی آگے۔ اسی میں سورہ مریم کے لفظ مابین ایدینا کے معنی ہمارے آگے۔ اسی میں اور دیگر تفاسیر میں سورہ بقرہ اور دیگر سورتوں کے لفظ مصدقا لما بین یدیہ کے معنی اس سے پہلے کی کتابیں انموذج جلیل میں، اوپ آیت کے تحت ہے۔ مابین یدی الانسان ہر وہ چیز جس پر انسان کی نظر چہرہ پھیرے بغیر پڑے۔ کرخی اور فتوحات الٰہیہ میں اسی آیت کے تحت ہے۔ انسان کے مابین یدیہ وہ چیز ہے جس پر اس کی نظر چہرہ پھیرے بغیر پڑے۔ تکملہ مجمع البحار میں ہے فعلتہ بین یدیک کا ترجمہ میں نے اسکو تیرے حضور میں کیا۔ اور عنایۃ القاضی میں آیۃ الکرسی کے مابین یدیہ کے معنی لکھے ہیں کہ ما بین یدیہ کا اطلاق امور دنیا پر ہے کہ وہ تمہارے سامنے ہیں۔ اور حاضر کی تعبیر ما بین یدیہ سے کی جاتی ہے۔ اور امور آخرت تم سے پوشیدہ ہیں جیسے وہ چیز جو تمہارے پیچھے ہو۔ اور جمل میں اسی آیت کی تفسیر میں مابین ایدیھم کے معنی جو حاضر و شاہد ہو۔ لکھے ہیں خطیب شربینی۔ اور جمل میں، بین یدی اللہ ورسولہ کے معنی ان دونوں کے حضور کئے ہیں۔ کہ جو آدمی کے پاس ہوگا وہ بین یدیہ ہے۔ اور آدمی اس کو دیکھنے والا ہے۔ (پوری بات آگے آرہی ہے)

تو قرآن عظیم، احادیث کریمہ، اور قدیم وجدید ائمہ کی نصوص سے ظاہر ہوگیا۔

کا قول نقبار ۔ یوذن بین یدی الخطیب ۔ کی دلالت مسجد کے اندر ہونے پر بھی نہیں ۔ چہ جائیکہ منبر کے پاس ہو ۔

(۱) لفظ ۔ بین یدیہ ۔ افادہ قرب میں متعین نہیں ۔ جیسا کہ پہلے ذکر کی ہوئی بیس آیتوں سے ظاہر ہوا ۔ اور پہلے ذکر کئے ہوئے ائمہ لغت و تفسیر کی تصریحات سے ظاہر ہوا ۔ نقبار کی غرض تو یہ بیان کرنا ہے ۔ کہ اس اذان میں مسنون خطیب کا سامنا ہے ۔ جیسا کہ فاتح شرح قدوری کی عبارت سے ظاہر ہے ۔ کہ ۔ جب موذنین خطیب کے سامنے اذان دے لیں ۔ نقبار کو اس عبارت سے صرف سامنا بتانا ہے ۔ یہ بات کہ اذان جوجوف مسجد میں نہ ہو ۔ نہ مسجد سے دور ہو بلکہ مسجد کے حدود و اطراف میں ہو ۔ یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے ۔ جس کو باب الاذان میں بیان کیا گیا ہے ۔ اور اس دوسرے مسئلہ سے سامنے کی دوری متعین ہوتی ہے ۔

(۲) اور اگر ۔ بین یدیہ ۔ کے معنی قریب تسلیم بھی کر لئے جائیں ۔ تو قرب ایک امر اضافی ہے ۔ ہر چیز کا قرب اسی کے حساب سے ہوگا ۔

(الف) دیکھو اکیسویں آیت میں ۔ بین یدیہ ۔ کے معنی بارش قریب ہونے کے ہیں ، لیکن ایسا نہیں کہ ہوا چلی اور بارش آئی ۔ بلکہ اس طرح جیسا قرآن عظیم میں ہے ۔ ۔ ہوا نے بادل کو اٹھایا ، تو ہم نے اسے خشک علاقہ کی طرف روانہ کیا ۔ تو اس سے بارش ہوئی ۔

(ب) ۲۶ ویں آیت میں آسمان کو ہمارے قریب (بین یدیہ) بتایا ۔ اور وہ ہم سے پانچ سو برس کی راہ کی دوری پر ہے ۔ حضرت ترجمان القرآن ۔ علامۃ الکتاب ۔ افصح العرب ۔ اور اعلم القوم باللسان ، سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت الکرسی کے ۔ یعلم ما بین ایدیھم ۔ کے معنی زمین سے آسمان تک بتائے ۔ اور ما خلفھم کے معنی آسمان متعین فرمائے ۔ (طبرانی نے اسے کتاب السنۃ میں روایت کیا)

(ج) ۲۷ ویں آیت میں کہا گیا کہ جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے (بین یدیہ) چیزیں بناتے تھے۔ حالانکہ وہ شیاطین تھے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں داخل ہوکر وہ عظیم الشان عمارتیں، مجسمے اور میدانوں کی طرح وسیع وعریض لگن۔ بڑی بڑی دیگیں کہ ایک ہزار آدمیوں کے کھانے کو کافی ہوں۔ بنا ہی نہیں سکتے تھے۔

ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں تین لاکھ کرسیاں بچھائی جاتیں۔ جن پر مومن انسان بیٹھتے، ان کے پیچھے مومن جن ہوتے، تو شیطان تو ان سب کے بعد میں ہی ہوں گے۔

(اٹھائیسویں آیت میں ارشاد فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قیامت کے قریب ہے۔ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا۔ میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ساتھ ساتھ مبعوث کیے گئے۔ احمد و شیخان، نے سہل بن سعد سے اور ترمذی نے حضرت انس سے اس کو روایت کیا)

اور اللہ تعالیٰ نے آج ۱۳۳۳ھ تک امت مرحومہ کو مہلت دی۔ اور اس کے بعد بھی یہ امت باقی رہے گی۔ اس کے باوجود یہ مہلت نہ تو آیت کریمہ کے منافی ہے نہ حدیث مقدس کے۔ آپ کی حدیث ہے کہ مجھے قیامت کے قریب تلوار دے کر بھیجا گیا تاکہ لوگ ایک خدا کو پوجیں (احمد و ابو یعلیٰ اور طبرانی نے کبیر میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو سند حسن کے ساتھ روایت کیا)

(۲) انجیل میں۔ بین یدی القرآن، ہے۔ اور ان دونوں کے بیچ میں چھ سو سال سے زائد کا فاصلہ ہے۔ اور توریت انجیل کے۔ مابین یدیہ، ہے ان دونوں کے درمیان حسب روایت جمل انیس سو پچہتر سال کا فاصلہ ہے۔ اور یونہی توراۃ قرآن کے بھی۔ بین یدیہ، ہے۔ تو توریت و قرآن شریف کا فاصلہ لگ بھگ تین ہزار سال کا ہوا۔

(د) یہ بات یقینی ہے کہ غروب آفتاب کے وقت پچھم طرف رخ کر کے کھڑا ہونیوالا عربی میں کہتا ہے۔ الشمس بین یدی، اور فارسی میں کہتا ہے۔ آفتاب پیش روئے من است، اور ہندی میں کہتا ہے۔ سورج میرے منہ کے سامنے ہے، حالانکہ ان دونوں کے درمیان تین ہزار سال کی مسافت ہے۔ اور یہی بات ثریا کی طرف رخ کر کے بھی کہتا ہے۔ جب کہ اس کے اور ثریا کے درمیان آٹھ ہزار سال کی راہ ہے۔

(ز) انتیسویں آیت میں لفظ بین یدیہ سے مراد اتصال حقیقی ہے۔ اس لئے کہ نہ جاپن ہے اس کے متحقق نہیں ہو سکتا۔ تو اس سے یہ ثابت ہوا لفظ بین یدیہ کے مدلول کی جولان گاہ اتصال حقیقی سے شروع ہو کر آٹھ ہزار سال کی مسافت تک پھیلی ہوئی ہے۔ تو اس کی اصل عام زیر شہود کے لئے ہے۔ اور محل و مقصود کے لحاظ سے اس حضور میں اختلاف ہو سکتا ہے مثلاً ثریا اتنی دور ہے، اور سورج اتنی دور ہے، اور سیارے پانچ سو برس کی راہ سے تو ان اشیاء میں یہ قریب کہا جائے گا۔ اور مزدوروں میں اتنی دوری ہے کہ نگرانی ہو سکے، مزدور سست نہ پڑیں اور کھسک نہ سکیں۔ اور مصلی کو حکم ہے کہ اپنی نگاہ موضع سجود پر رکھے۔ تو اس کے موضع سجود میں اتنی ہی دوری اصل ہے۔ اور مصلی کے سامنے سے گذرنا تبھی کہا جائے گا جب گذرنے والا خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے والے کی نگاہ کی زد میں آئے اور یہ موضع سجود ہی ہے جس کی محققین نے تصریح کی ہے۔

(ح) مقولہ جلست بین یدیہ، میں مراد حدود بصر سے بھی کم اور محدود دائرہ ہوگا۔ کہ یہ بیٹھنا بات چیت کے لئے ہے۔ جس کا تعلق سماع سے ہے۔ اور سماع کا دائرہ بصر کے دائرہ سے بھی محدود و مختصر ہے۔ چنانچہ کشاف، مدارک۔ اور شربینی وغیرہ کے مصنفین نے اسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

حقیقۃ قولھم جلست بین یدی — قول جلست بین یدی فلان کی حقیقت یہ ہے

فلان ان تجلس بين جهتين المسامتين ليمينه و شماله قريبا منه فسميت الجهتان يدين لكونهما على سمت اليدين مع القرب منهما توسعًا كما يسمى الشئ باسم غيره اذ جاوره۔

کہ دائیں بائیں کی دو مقابل جہتوں کے بیچ میں فلاں کے قریب بیٹھا جائے۔ ان دونوں جہتوں کو دو ہاتھ سے تعبیر کیا کہ یہ جہتیں انھیں دو نوں ہاتھوں پر ان سے قریب ہیں۔ اور یہ مجاز ہے جیسا کہ دو پاس والی چیزوں میں ایک کا نام دوسرے کو دیا جاتا ہے۔

(خلیب شربینی کی یہی عبارت ہے جس کا ہم نے وعدہ کیا تھا)

تنبیہ اس عبارت میں اس معنی کو شروع میں حقیقی کہا۔ اور بعد میں مجازی قرار دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اجزائے تفصیل کے معنی کے لحاظ سے تو یہ مجاز ہے۔ اور اجمال کے لحاظ سے معنی حقیقی۔

(ط) ایک شخص قرآن کریم پڑھنا چاہتا ہے۔ مگر خود بے وضو ہے۔ تو وہ اپنے خادم سے کہتا ہے میرے سامنے قرآن عظیم لے کر بیٹھ جاؤ۔ تو یہاں قریب سے ایسا قرب مراد ہوگا کہ پڑھنا ممکن ہو۔ اور یہ قرب تیز نگاہی، اور ضعف بصارت کے اعتبار سے مختلف ہوگا۔ اور تحریر کے جلی اور خفی ہونے کے لحاظ سے بھی متعدد ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرب کے یہ مختلف معانی موارد اور مقامات کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان معانی پر دلالت کرنے میں خود لفظ "بین یدیہ" کو کوئی دخل نہیں اور جب صورت حال یہ ہے۔ تو لفظ بین یدیہ سے کسی خاص قرب پر استدلال باطل ہے جس سے اذان کا منبر کے متصل یا مسجد کے اندر ہونا سمجھا جائے۔ نہ کہ یہ حکم دیا جائے کہ اذان منبر سے الگ کر دی جائے اور چونکہ اس قرب کے مدعی وہ لوگ ہیں۔ اور لفظ بین یدیہ سے اس مدعی پر وہی لوگ استدلال کرتے ہیں۔ تو انھیں ہی علاحدہ سے کوئی دلیل لانی چاہئے۔ کہ یہاں اس لفظ سے مراد یہی قرب ہے

اور یہ بھلا ان کے بس کی بات کہاں؟

اور وہ خود یہاں بین یدیہ کے معنی متعین کرنے سے عاجز ہوں۔ تو ہم سے دریافت کریں ہم تبرعاً انھیں بتاتے ہیں کہ یہاں وہی قرب مراد ہے جو اس لفظ کا مدلول ہے یعنی موجود و شاہد۔ جیسے دیکھنے کے لئے چہرہ داہنی یا بائیں موڑنے کی ضرورت نہ پڑے۔ قرب کے تمام افراد میں یہی معنی مشترک ہے اور اس معنی پر اضافہ تو موقعہ استعمال کی خصوصیت سے مستفاد ہوتا ہے۔ جو مسئلہ دائرہ میں مسجد کی باہری حد میں اور بیرونی صحن ہے۔

بات مکمل ہوگئی اور مسلک حق موید بالدلیل ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ظاہر ہوگیا اگر یہ لوگ اس کو ناپسند کرتے ہیں۔ ہم تو اس ظہور حق پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہی کرتے ہیں۔

(۳) یہاں بین یدیہ کی حد متعین کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نجم العدل ہیں۔ اور جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں ہوتا تھا وہی حق و باطل کے درمیان امتیاز ہے۔ جیسے حدیث صحیح سے سنا جا چکا کہ حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی تھی، تو یہاں قرب کی بحکم رسول یہی حد مقرر ہوئی۔ اور جو اس پر اضافہ کرے یا اس میں کمی کرے وہ ظلم و تعدی کرنے والا ہے۔ پس جس نے اس قرب مردی میں اضافہ کرکے داخل مسجد کردیا۔ تو اس نے سنت رسول پر زیادتی کی، اور جس نے اس قرب میں کمی کی کہ ہر معنی مسجد سے اس کو خارج کردیا اس نے بھی ظلم کیا اور جس نے دو آخری معنی کے اعتبار سے خارج مسجد کیا۔ اور معنی اول کے اعتبار سے داخل مسجد کیا اس نے حق کے موافق حکم کیا۔ اور حکم تو اللہ و رسول جل و علا و صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

نفحہ (۲) الحمد للہ گذشتہ صفحات میں تحقیقات کے جو گلشن لہلہائے۔ ان سے ان صاحب کی ناسمجھی ظاہر ہوگئی۔ جنھوں نے اذان خطبہ کے داخل مسجد ہونے پر مفردات امام راغب اصفہانی کے اس قول سے استدلال کیا۔

یقال ھذا الشئ بین یدیک ای قریبا منک۔ کہا جاتا ہے کہ یہ چیز تمہارے سامنے ہے یعنی تم سے قریب ہے۔

اور کشاف اور مدارک کے مذکورہ بالا قول سے۔

جلست بین یدی فلان الخ میں فلاں کے سامنے بیٹھا (الیٰ آخرہ)

اوّلاً۔ ہم تو اس کا اعتراف ہی کرتے ہیں کہ لفظ بین یدیہ بسا اوقات قرب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن خود قرب میں بھی تو بڑی وسعت ہے۔

ثانیاً۔ انھیں یہ امر محسوس ہی نہ ہوا، کہ یہاں لفظ بین یدیہ کے معنی مشترک حاضر و شاہد پر قرب کی زیادتی جلوس کی خصوصیت سے مستفاد ہے پھر اس جلوس خاص کے بھی متعدد مراتب ہیں۔ ایک بازاری آدمی اور وزیر اعظم دونوں بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور دونوں ہی اپنے اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ میں بادشاہ کے پاس بیٹھا تھا۔ لیکن دونوں پاس میں کتنا فرق ہوتا ہے۔ کہ وزیر بادشاہ کے ساتھ صدر میں ہوتا ہے۔ اور عام آدمی جوتا نکالنے کی جگہ بلکہ چوکھٹ کے باہر تو اس لفظ سے قرب پر استدلال الٹ گیا۔ کہ دربار کے دروازہ کی چوکھٹ کے پاس بیٹھنے والا بھی صدر میں بیٹھنے والے کی طرح بین یدیہ السلطان ہے۔

ثالثاً۔ راغب کے قول میں یہ رغبت ظاہر کرنے والوں کو کچھ یاد رہا اور کچھ بھول گئے۔ کیونکہ مخالف نے امام راغب کے قول کے جو معنیٰ بتائے وہاں ائمہ لغت و تفسیر کے خلاف ہے یا موافق، اگر خلاف ہے تو آپ نے جمہور ائمہ لغت کی تصریحات کو چھوڑ کر امام راغب کے شاذ قول کی طرف کیوں رغبت ظاہر فرمائی۔ اور اگر خلاف نہیں تو حاضر و شاہد میں جتنا قرب ہے اس پر قناعت کیوں نہیں۔ حالانکہ رویت عادیہ کے لئے قریب ہونے کی شرط لابدی ہے۔ یا تم قرب کی ایک متعین حد مانتے ہو۔ اور اسے کلی مشکک نہیں مانتے۔ پھر تو آپ کا جواب آپ کے جیسا نا سمجھ ہی دے سکے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے قول حق میں فرماتا ہے۔

اقتربت الساعۃ وانشق القمر — قیامت قریب ہوئی اور چاند شق ہوچکا۔

بلکہ اسی قدوس پروردگار نے فرمایا۔

اقترب للناس حسابھم وھم فی غفلۃ معرضون۔ — لوگوں کے حساب کی گھڑی آپہونچی اور وہ ابھی غفلت میں اعراض کر رہے ہیں۔

حالانکہ حساب قیام قیامت کے بعد آدھا دن گزار کر ہوگا۔ اس وقت ایک دن کی مقدار آج کے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی۔

رابعاً۔ امام قدوری نے اپنی شرح میں فرمایا۔ اشیاء کی حفاظت کے دو طریقے ہیں۔

(۱) نگراں کے ذریعہ حفاظت۔ جوہرہ نیرہ میں اس کی تشریح فرمائی کہ محافظ چیز سے اتنا قریب ہوکہ اسے دیکھتا رہے۔ اور اگر اتنا دور ہوگیا کہ چیز نگاہ سے اوجھل ہوگئی تو یہ حفاظت نہیں ہے۔ امام قدوری اور صاحب جوہرہ نے قرب وبعد کا مدار دیکھنے نہ دیکھنے پر رکھا۔ تو کلام راغب میں بھی قرب سے مراد یہی حاضر ومشاہد ہونا چاہیئے۔ جیسا کہ دیگر ائمہ لغت وتفسیر کی تحقیق ہے۔

خامساً۔ اس مستدل سے خود امام راغب کو شکایت ہوگی کہ اس نے میری پوری بات یاد نہیں رکھی۔ کیونکہ ان کی پوری بات تو یہ ہے۔

یقال ھذا الشئ بین یدیک ای قریبا منک وعلی ھذا قولہ. لہ ما بین ایدینا ومصدقا لما بین یدی. من التوراۃ وقولہ وقال الذین کفروا لن نومن بھذا القراٰن وبالذی بین یدیہ ای متقدما لہ من الانجیل ونحوہا (مختصرًا)

محاورہ ہے کہ یہ چیز تمہارے سامنے یعنی تم سے قریب ہے اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل اقوال میں لفظ بین یدیہ سے یہی قرب مراد ہے (مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی زبان سے کہلایا) جو ہمارے سامنے ہے سب خدا کیلئے ہے (اور قرآن کیلئے خود فرمایا) اپنے سے آگے والی کتاب توریت کی تائید کرتا ہے۔ اور کافروں کا قول نقل کیا کہ ہم نہ تو قرآن پر ایمان لائینگے نہ اس سے

پہلے کی کتابوں مثلاً انجیل وغیرہ پر

اس پوری عبارت میں امام راغب نے بین یدیہ کے معنی قریب بتا کر اس کا مصداق لما بین ایدینا کو قرار دیا۔ تو کیا فرشتوں نے ہمارے سامنے کہہ کر صرف اپنے متصل اشیاء مراد لیں کیا صرف وہی اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں ؟

سادساً۔ اسی معنی قریب کی نزع مصدقاً لما بین یدی من التوراۃ کو کہا جن میں دو ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ تو جب یہ عظیم زمانی فاصلہ لفظ بین یدیہ کے معنی قریب کے منافی نہیں، تو قرب مکانی میں مسجد کے حدود اور اس سے متصل زمین کا فاصلہ لفظ بین یدیہ کے معنی قرب کے کیا منافی ہوگا۔ جو عام طور سے سو ہاتھ بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ کئی مساجد میں بیس ہاتھ بھی نہیں ہوتا۔

سابعاً۔ اگر امام راغب کے قول، وقولہ وقال الذین کفروا کو ماسبق والے قول پر ہی معطوف قرار دیجئے تو اب لگ بھگ تین ہزار سال کا فاصلہ بھی قریب ہی ہوگا اور اسکو جملہ مستانفہ قرار دیا جائے۔ تو اب یہ لفظ بین یدیہ کے دوسرے معنی کا بیان ہوگا کہ بین یدیہ کے معنی (جیسے قریب ہوتے ہیں ویسے اس کے ایک معنی) جملہ کتب ماضیہ بھی ہیں، جو بعید تر ہیں۔ اسی طرح امام راغب کے ہی بیان سے بین یدیہ کے معنی قریب و بعید دونوں ہی ثابت ہوئے۔ پھر آپ کو معنی قرب پر کیوں اصرار ہے ؟

ثامناً۔ چلئے ہم نے امام راغب کے قول کی وہی مراد تسلیم کرلی، جو آپ کو مرغوب ہے۔ مگر اس کو کیا کیجیے گا۔ کہ صحابی رسول حضرت سائب بن یزید عزنی رضی اللہ عنہ جو خود بھی صاحب زبان ہیں اور آپ اور آپ کے امام راغب دونوں سے زیادہ عربی زبان کی باریکیاں سمجھتے ہیں۔ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اذان جمعہ کو بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کہتے ہیں۔ اور علیٰ باب المسجد بھی کہتے ہیں۔ یہ حدیث گرامی تو آپ کی کٹ حجتی کے منہ پر

ایسی مہر ہے۔ جس کا توڑنا ناممکن ہے۔ ہم اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد بجالاتے ہیں۔

تاسعًا۔ مستدل نے یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ بین یدیہ بعض مواقع میں قرب سے خالی بھی ہوتا ہے۔ اور صرف سامنے اور مقابل کے معنی میں آتا ہے۔ جیسا کہ بعض آیات قرآن میں بھی واقع ہوا ہے۔ مگر مسئلہ اذان میں جو لفظ بین یدیہ آیا ہے۔ اس کے معنی صرف وہ محاذاۃ ہے جو قرب سے خالی ہو۔ اس کی تصریح کسی نے نہیں کی ہے۔

مقام حیرت ہے کہ ۔ بین یدیہ ، کو قریب و بعید دونوں کے لئے مان کر، اور یہ تسلیم کر کے کہ قرآن عظیم میں ایسا وارد ہے۔ اور مستدل ہو کر سادگی سے یہ کہنا کہ مسئلہ متنازعہ میں بین یدیہ کے معنی بعید ہونے کی تصریح کہیں سے ثابت نہیں (الٹی بھیویں الاپنا ہے)

اس عدم ثبوت سے مستدل کو کیا فائدہ پہونچے گا۔ آپ کا استدلال تو اس احتمال کے تسلیم کرتے ہی ختم ہو گیا۔ کہ ۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال ۔ اب تو اگر آپ یہ ثابت کر سکے کہ مسئلہ اذان میں اس لفظ کے معنی بعید نہیں مراد ہیں، تو بات بنتی اور یہ آپ کے بس سے باہر ہے جبھی تو معنی محتمل مراد نہ ہونے کی تصریح کے عدم سے استدلال کرنے لگے)

سبحان اللہ یہ بھی پتہ نہیں کہ مستدل کا موقف کیا ہے۔ اور معترض کو کس بات سے فائدہ پہونچتا ہے؟۔

اسلوب بیان کی خامی

یہ جملہ جیسا کہ قرآن کی بعض آیات میں واقع ہوا۔ یہ بتانے کے لئے بولتے ہیں کہ یہ جو واقع ہوا سہوًا و خطاءً واقع ہوا ۔ کیا قرآنی آیات کے لئے یہ اسلوب بیان صحیح ہے ۔ اللہ تعالیٰ سے ہم عفو کے طالب ہیں۔

جب تم نے یہ تسلیم کر لیا کہ بین یدیہ کے معنی قرآن میں بعید مقابل کے لئے ہے۔ تو اس سے منہ موڑ کر اس کو راغب کے بیان کے مطابق قریب مراد لینے کی کیا وجہ ہے؟

اگر کوئی وجہ فرق تھی تو آپ کو دونوں ہی پہلو کے لئے دلیل دینی چاہیے تھی کہ قرآن میں بعید مراد ہونے کی یہ وجہ ہے اور اذان میں قریب مراد ہونے کی دلیل یہ ہے۔ اور جب آپ کے پاس تفریق کی کوئی دلیل نہیں۔ تو قرآن عظیم سے رخ موڑ کر راغب کا دامن پکڑنا کار ذلیل ہے۔

نفحہ (۳)

ہمارے اماموں نے اصول کی کتابوں میں تحریر فرمایا۔ کہ عند حضور کیلئے ہے۔ چنانچہ امام فخر الاسلام بزدوی اپنے اصول میں۔ اور امام صدر الشریعہ نے تنقیح و توضیح میں، اور علامہ تفتازانی نے تلویح میں فرمایا ــــ کہ عند حضور کیلئے ہے۔ محقق علی الاطلاق اور ان کے شاگرد رشید محقق چلپی کی شرح تقریر میں ہے۔ کہ عند حضور حسی کے لئے ہے۔ جیسے آیۂ کریمہ فلما راٰہ مستقراً عندہٗ۔ اور حضور معنوی کے لئے جیسے وقال الذی عندہٗ علم من الکتاب۔ اس نے کہا جس کے پاس علم کتاب تھا۔

اور اسی طرح امام اجل ابو البرکات نسفی نے منار میں اور اس کی شرح کشف الاسرار میں اور علامہ شمس الدین الفناری نے فصول البدائع فی اصول الشرائع میں۔ مولا خسرو نے مرات الاصول اور اس کی شرح مرقات الوصول میں فرمایا ــــ کہ عند حضور حقیقی یا حکمی کیلئے آتا ہے۔ مدقق بہاری نے مسلم الثبوت میں ملک العلماء بحر العلوم نے فواتح الرحموت میں فرمایا کہ ــــ عند حضور حقیقی کے لئے ہے۔ جیسے عندی کوز میرے پاس پیالا ہے۔ اور معنوی کے لئے جیسے عندی دین فلان۔ مجھ پر فلاں کا قرضہ ہے۔

اور یہ بالکل واضح ہے کہ حاضر پیش نگاہ ہے۔ اور جو پیش نگاہ ہے قریب ہی کہا جائے گا۔ تو نہ تو عند کے معنی سے قرب کے انکار کی گنجائش۔ اور نہ عند کیلئے ساتھ چپکا ہونا ضروری ہے۔ اور سچ پوچھو تو عند اپنے مفاد میں۔ بین یدیہ سے بھی زیادہ وسیع ہے۔ نہ یہ کہ عند کو بین یدیہ سے تنگ مانا جائے۔ چنانچہ عند اور لدی میں یہی فرق بیان

کیا جاتا ہے۔ کہ عند قریب وبعید دونوں کے لئے ہے۔ اور لدی خاص طور سے قریب پر دلالت کرتا ہے۔ رضی نحوی نے شرح کافیہ میں تحریر کیا۔

عند اعم تصرفا من لدی لان عند	عند اپنے تصرفات میں لدی سے اعم ہے
یستعمل فی الحاضر القریب وفیما ھو	کہ وہ پاس اور دور دونوں میں مستعمل ہے
فی حوزتک وان کان بعیدا بخلاف	اور لدی کا استعمال بعید میں ہوتا ہی
لدی فانہ لا یستعمل فی البعید۔	نہیں ہے۔

اور ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ خود قریب کی جولانگاہ بھی بہت وسیع ہے۔ مزید آیات قرآنیہ سے ہم اسے واضح کرتے ہیں۔

(۱) ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ۔	جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور اپنی آواز پست کرتے ہیں۔

نص قرآنیہ میں ہم واضح کر آئے ہیں کہ یہ حکم ہر اس شخص کے لئے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیش نگاہ ہو۔ حضور کے بالکل پاس بیٹھنے والوں کے لئے کچھ خاص نہیں۔ بلکہ جو پاس ہے اور جو باب مسجد کے پاس ہے۔ سب کے لئے یہی حکم ہے۔ محراب رسول اور دروازہ مسجد پر بیٹھنے والے دونوں ہی عند رسول اللہ کہے جائیں گے۔ سبھی کیلئے چیخنا اور چلانا منع ہے بلکہ کہئے کہ ضرورت سے زیادہ آواز نکالنا منع ہے۔

اور اس مقام پر اگر عند کے وہی معنی ہوں۔ جو یہ لوگ اذان عند منبر میں مراد لیتے ہیں تو آواز پست رکھنے پر مغفرت اور اجر عظیم کے وعدہ کا مستحق وہ بے ادب بھی ہو جائے گا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے چند ہاتھ کی دوری پر کھڑا چیخ رہا ہو۔ یا صرف اس کے لئے خاص ہوگی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بالشت کی دوری پر کھڑا ہو کر کسی سے پست آواز میں بات کرے یا خود حضور ہی سے کلام کرے، اور چار ہاتھ دور کھڑا ہو کر کسی سے پست آواز سے بات کرے تو وہ دائرہ

رحمت مغفرت سے باہر ہے کہ (وہ عند رسول اللہ نہیں) بھلا کون عقلمند مسلمان ایسا کہہ سکے گا۔

(۲) ارشاد الٰہی ہے۔

ھم الذین یقولون لا تنفقوا علی من عند رسول اللہ حتی ینفضوا۔

یہ منافقین کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس رہنے والوں پر کچھ خرچ نہ کرو۔ تاکہ یہ ادھر ادھر منتشر ہو جائیں۔

یہاں عند کا مفہوم پہلی والی آیت سے بھی وسیع ہے۔ کیونکہ یہاں تو عند سے مراد وہ سبھی لوگ ہیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کرتے ہیں۔ اگرچہ فی الحال حضور سے بہت دور ہوں۔

(۳) ارشاد الٰہی ہے کہ منافق آپ کے سامنے کہتے ہیں۔

طاعۃ فاذا برزوا من عندک بیت طائفۃ منھم غیر الذی تقول۔

ہم آپ کے فرماں بردار ہیں۔ اور جب آپ کے پاس سے دور ہو جاتے ہیں۔ تو انکی ایک جماعت اس کے خلاف بولنے لگتی جو آپکے سامنے کہہ چکے تھے۔

یہ منافقین کے حال کا بیان ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں آپ کے بالکل پاس نہیں بیٹھتے تھے۔ قریب کی جگہ تو ابوبکر و عمر، عثمان و علی و دیگر مخلصین صحابہ کے لئے تھی۔ منافقین تو اِدھر اُدھر آنکھ بچا کر بیٹھتے تھے۔ اگر کچھ کسی مجبوری سے آپ کے سامنے بیٹھ بھی گئے ہوں۔ تو عند کہہ کر سبھی منافقین مراد ہیں۔ قریب بیٹھنے والے ہوں یا دور۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ان المتقین فی جنات و نھر فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر۔

بے شک متقین باغوں اور نہروں میں سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور ہونگے۔

یہ آیت تو سارے ہی متقیوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ لیکن اس میں کہاں یہ نسبت علماء کے

کسی صالح مسلمان کا درجہ ، اور بہ نسبت اولیاء کے کسی عالم کا درجہ ، اور بہ نسبت انبیاء کے کسی ولی کا درجہ ، اور کہاں سید الانبیاء اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا درجہ ، ان مراتب میں تو فلک الافلاک اور تحت الثریٰ سے بھی زیادہ فاصلہ ہے ۔ مگر سب کو عند اللہ سے بیان کیا گیا ہے

(۵) و (۶) کی آیات ۔

ان للمتقین عند ربھم جنت النعیم ۔ متقین کے لئے رب کے پاس جنت نعیم ہے ۔

واذ قالت رب ابن لی عندک بیتاً فی الجنۃ ۔ اس نے دعا مانگی یا اللہ میرے لئے اپنے پاس جنت میں ایک مکان بنا دے ۔

حضرت سلمان و حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پاک بی بی کی دعا قبول کرلی ۔ تو کیا وہ انبیاء و اولیاء سے بھی زیادہ قرب الٰہی کی طالب تھیں ۔ وہ تو اس کی خواستگار تھیں کہ قرب کا وہ مقام جو ان کے لائق ہو چاہے حضرت خدیجہ و عائشہ رضوان اللہ علیہا کے درجہ کے ہم پلہ بھی نہ ہو ۔ چہ جائیکہ انبیاء اولیاء عظام علیہم الرحمہ والرضوان کے درجہ کے برابر ہو ۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے شہدائے کرام کے بارے میں ارشاد فرمایا ۔

بل احیاء عند ربھم شہداء اللہ تعالیٰ کے پاس زندہ ہیں ۔

تو بھلا کہاں سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا مقام بلند اور کہاں عام شہداء کرام رضوان اللہ علیہم کی منزل بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام میں شہادت پانے والوں کی منزلیں ۔

(۸) اللہ تعالیٰ فرشتوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے ۔

ان الذین عند ربک جو فرشتے تمہارے رب کے پاس ہیں

ان فرشتوں میں باہم درجات کا کتنا تفاوت ہے ۔ ہم اس کی حقیقت تو نہیں جان سکتے ۔

مگر تفاوت ہونا یقیناً معلوم ہے۔ قرآن عظیم کا ارشاد ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کیلئے ایک متعین مقام ہے۔

(۹) اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے۔

وقد مکروا مکرھم وعند اللہ مکرھم — کافروں نے خدا سے مکر کیا۔ ان کا مکر تو خدا ہی کے پاس ہے۔

کافروں کے مکر کے لئے اللہ تعالیٰ سے کوئی قرب نہیں۔ نہ قرب مکانی کہ یہ ذات باری کے لئے محال ہے نہ قرب مرتبی کہ مکر تو نہایت ذلیل چیز ہے۔ لا محالہ اس آیت میں قرب سے مراد حضور ہے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے اس سے پوشیدہ نہیں۔ تو یہ حضور علمی کا۔

(۱۰) اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا۔

ثم محلھا الی البیت العتیق (یعنی اللہ) قال فی المعالم ای عند البیت العتیق یرید ارض الحرام کلھا قال فلا یعنی بہ المسجد الحرام کلہ۔ — قربانی کے جانور ذبح کرنے کی جگہ بیت اللہ کے پاس ہے۔ معالم التنزیل میں فرمایا الی البیت العتیق کا مطلب عند البیت العتیق ہے یعنی حرم کی پوری زمین (چنانچہ دوسری جگہ) ارشاد ہوا پورے حرم کے قریب نہ جاؤ۔

آیتِ مذکورہ بالا میں پورے حرم کو منحر عند البیت العتیق قرار دیا۔ جب کہ حدود حرم مختلف جہات میں بیت اللہ شریف سے کوسوں دوری پر ہے۔

(۱۱) احادیثِ کریمہ میں بہت سے تابعین فرماتے ہیں۔ ہم ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے۔ پتہ نہیں یہ باطل کوش یہاں قربت کو کتنے قریب محمول کرینگے۔

(۱۲) دربان کہتا ہے میں ابھی بادشاہ کے پاس سے آرہا ہوں۔ حالانکہ وہ دروازہ سے آگے بڑھ نہیں سکتا۔

(۱۳) مکہ کا رہنے والا اپنا پتہ بتاتا ہے کہ میرا گھر باب السلام کے پاس ہے۔ حالانکہ بسا اوقات دونوں کا فاصلہ دو ڈھائی سو ہاتھ سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔

(۱۴) شاگرد استاذ سے اپنا تعلق بتاتے ہوئے کہتا ہے۔ میں اپنے استاذ کے پاس مکمل تین سال رہا۔ حالانکہ قیام اس کا مسجد میں ہوتا ہے۔ اور شیخ کی مجلس میں اسے آخری صف میں بیٹھنے کی جگہ ملتی ہے۔

(۱۵) یہ کہاں کا انصاف ہے۔ فقہار کے کلام میں آئے ہوئے لفظ عند سے تو اذان ثانی کے متصل منبر ہونے پر استدلال کیا جائے۔ اور فقہائے کرام نے خود لفظ عند کے جو معنی بتائے ہیں اس سے روگردانی کیجائے۔

ہدایہ، کنز، تنویر وغیرہا میں فرمایا یہ عبارت کنز کی ہے۔

من سرق عن المسجد متاعاً وربہ عندہ قطع۔	جس نے مسجد سے ایسا سامان چرایا جس کا مالک سامان کے پاس تھا۔ اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔

کنز کی شروح، مجتبیٰ، فتح القدیر، بحر الرائق اور در مختار میں فرمایا۔ الفاظ در مختار کے ہیں۔

عندہ ای بحیث یراہ	سامان کے مالک کے پاس ہونیکا مطلب ہے کہ اتنی دور ہو جہاں سے اپنا سامان دیکھ رہا ہو۔

مذکورہ بالا شواہد سے یہ ثابت ہو گیا کہ عند کے معنی بھی اس سے زیادہ نہیں جو ہم نے بین یدیہ کے معنی میں بیان کیا۔ اور ان دونوں لفظوں کی کوئی دلالت اذان کے داخل مسجد ہونے پر نہیں۔ چہ جائیکہ منبر سے متصل مراد لی جائے۔ مگر جب کوئی وہم آدمی کے دماغ میں جم جاتا ہے تو وہ جو چیز بھی دیکھتا ہے اس کو وہی چیز سمجھتا ہے، اور کوئی بات سنتا ہے تو وہی چیز اس کے خیال میں آتی ہے۔ جیسا کہ بھوکے سے پوچھا جائے کہ ایک ایک کتنا ہوتا ہے۔ تو وہ جواب دیتا ہے دو روٹی۔

نفحہ (۴) الحمد للہ رب العالمین گذشتہ اظہار سے ان لوگوں کی جہالت واضح ہوگئی، جو اس موقع پر بھی امام راغب کے قول سے استدلال کرتے ہیں کہ

عند لفظ موضوع للقرب فتارۃ یستعمل فی المکان وتارۃ فی الاعتقاد نحو عندی کذا وتارۃ فی الزلفیٰ او المنزلۃ (مفردات امام راغب)	لفظ عند قرب کیلئے وضع کیا گیا ہے، تو کبھی مکان کیلئے ہوتا ہے اور کبھی اعتقاد کے لئے جیسے کوئی کہے میرے پاس ایسا ہے، اور کبھی رتبہ اور مرتبہ کیلئے ہوتا ہے۔

یا امام سرخسی کے قول سے استدلال کرتے ہیں کہ

وعند عبارۃ عن القرب (مبسوط)	عند قرب بیان کرنے کیلئے ہے۔

کیونکہ ہم نے قرب کے تمام مواد کا ذکر کردیا ہے جس کے لئے آیات کے اعادہ کی ضرورت نہیں اور یہ بھی بتادیا ہے کہ ان تمام آیتوں کا ترجمہ دونوں زبانوں میں لفظ نزد و پاس سے کیا گیا ہے۔ جب کہ ان موارد میں قرب کے معنی میں بڑی وسعت ہے۔

اور خود لفظ قرب کا بھی یہی حال ہے۔ جیسا کہ آیت اقترب الساعۃ (قیامت قریب ہوئی) اور اقترب للناس حسابھم (لوگوں کے لئے ان کے حساب کا وقت قریب ہوا) وغیرہ سے ظاہر ہے (کہ لفظ قرب اپنے دامن میں صدیوں کا فاصلہ سمیٹے ہوئے ہے) اور یہ بات بچوں تک پر واضح ہے۔

ہم نے ان سے بارہا ایک مسئلہ پوچھا، جس کا جواب آج تک کوئی نہ دے سکا۔ اور وہ کیسے جواب دیتے۔ وہی جواب تو خود ان پر لوٹتا۔ بات یہ ہے کہ جب حق ظاہر ہوتا ہے زبانیں گونگی ہوجاتی ہیں۔ صورت مسئلہ یہ ہے۔

زید نے ایک دینار ساڑھے دس درم یا زائد کا ایک ہلکا پھلکا منبر بنایا۔ جسے ایک آدمی بلا تکلف و بے زحمت و مشقت جہاں چاہے اٹھا لیجائے۔ اذان منبر کے وقت زید اسے

مسجد میں لے کر پہونچا ۔ متولی مسجد نے اسے مالک سے عاریۃً مانگ لیا کہ نماز سے فارغ ہو کر واپس کر دیں گے ۔ بعد نماز لوگ تو ادھر اُدھر منتشر ہو گئے ۔ اور منبر وہیں پڑا رہ گیا۔ اور مالک سامنے مسجد کے دروازہ پر یا حدود مسجد کے اندر کھڑا رہ کر اسے دیکھتا اور نگرانی کرتا رہا۔

اسی اثنا میں ایک وہابی چوری کی نیت سے مسجد کے اندر دوسرے دروازے سے داخل ہوا ۔ اور مالک کے ایک ذرا رخ پھیرنے کا انتظار کرتا رہا ۔ جیسے ہی مہلت پائی منبر لے کر نکل بھاگا ۔

سوال یہ ہے کہ وہ وہابی چوری کی علت میں ماخوذ ہوگا یا نہیں ۔ اور اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں ؟

تو داخل مسجد اذان کے حامی اگر یہ جواب دیں کہ نہیں ۔ تو ائمہ فقہ کی نص صریح کے خلاف ہوگا کہ ان کا ارشاد ہے ۔

جس نے مسجد کے اندر کے سامان کو چرایا جبکہ مالک اس سامان کے پاس ایسی جگہ ہو جہاں سے سامان نظر آرہا ہو ۔ تو اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا ۔

اور اگر یہ جواب دیں کہ ہاتھ کاٹا جائے گا تو کاٹنے کی شرط یہ تھی کہ مالک سامان کے اتنے پاس ہو کہ اس کا محافظ قرار دیا جائے ۔ کیونکہ مسجد خود محفوظ جگہ نہیں تو ان لوگوں نے یہ اعتراف کر لیا کہ مسجد کے دروازے کے پاس اس کے فنا میں منبر کے سامنے کھڑا ہونے والا منبر کے پاس ہی ہے ۔ یہ تو ہمارا دعویٰ تھا جس کا اعتراف مخالف نے کیا ۔ اللہ تعالیٰ کے لئے بے شمار پاک اور مبارک تعریفیں جس سے وہ راضی ہو اور جسے پسند کرے ۔

نفحہ (۵) اگر ہم ان لوگوں کے معیار فہم پر اتر کر بھی بات کریں ۔ تو اتنا تو سب پر ظاہر ہے ۔ کہ عند ظرف زمان اور ظرف مکان دونوں ہی کے لئے ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے ۔

خذوا زینتکم عند کل مسجد ہر مسجد کے پاس اپنی زینت اختیار کرد

یعنی ہر نماز کے وقت کپڑے پہنو، اور خود وقت بھی مکان اور اجسام دونوں ہی کیطرف مضاف ہوتا ہے۔ جب کہ وقت کے ساتھ ان کو کوئی خصوصیت ہو۔ ارشاد الٰہی ہے۔

ویوم حنین اذا عجبکم کثرتکم اور حنین کا دن یاد کرو۔ جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے۔

حُنین ایک جگہ کا نام ہے۔ یہی حال یوم بدر، یوم احد، یوم دار، لیلۃ العقبہ، لیلۃ المعراج اور لیلۃ الغار کا ہے۔ صحیحین کی حدیث ہے، ومن لہا یوم السبع۔ سبع کا لفظ بار کے سکون کے ساتھ بھی مروی ہے۔ تو لفظ سبع سے مراد مکان حشر ہوگا، اور بار کے ضمہ کے ساتھ تو شیر مراد ہوگا۔ اکثر علمار کے نزدیک یہی راجح ہے، پس ان مقامات میں یوم کی نسبت مقام کی طرف ہے۔ تو ایسا کیوں صحیح نہ ہوگا کہ اذان عند المنبر کے معنیٰ اذان وقت منبر ہو۔ کیونکہ اس اذان کو منبر سے اک نسبت خاص ہے۔

نفحہ (۶) اور انہوں نے بعض فقہار کے قول اذان علی المنبر سے استدلال کیا۔ تو ان میں سے بعض نے علی کی تفسیر عند سے کی۔ اور ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ خود لفظ عند میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے ان کے دل کو چین ملے۔

اور ان میں سب سے بڑے جاہل نے کہا کہ علی معنی میں بار کے ہے۔ مطلب یہ کہ بار الصاق کے لئے آتا ہے۔ تو لفظ اذان علی المنبر کا مطلب ہوگا۔ وہ اذان جو منبر کے متصل ہو۔ اس بات سے قطع نظر کہ یہاں علی کا بار کے معنی میں ہونا خود محل نظر ہے۔ لطف یہ ہے کہ خود الصاق کے معنی اتصال حقیقی نہیں ہیں۔ عربی کے اس قول۔ مررت بزید (میں زید کے ساتھ چلا) کا یہ مطلب نہیں کہ میں زید سے چپک کر چلا۔ بلکہ تم زید کے پیچھے پیچھے منبر اور دروازۂ مسجد کی دوری سے زائد فاصلہ پر بھی چلو اس طرح کہ تمہاری نظر زید پر رہے، تو تم کہہ سکتے

ہو کر میں زید کے ساتھ چلا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وکاین من ایۃ فی السمٰوات والارض یمرون علیھا وھم عنھا معرضون۔ — آسمان وزمین میں کتنی آیتیں ہیں جن پر وہ گذرتے ہیں۔ اور وہ ان آیتوں سے اعراض کرتے ہیں۔

اس آیت میں خود لفظ علی ہی ہے۔ تو کیا تم علی کو الصاق کے معنی میں لے کر آسمانی آیتوں سے متصل ہونے کے لئے آسمانوں تک بلند ہونیکی طاقت رکھتے ہو۔

پس اس آیت میں لامحالہ تمرون علیھا کے یہی معنی مراد لینے ہونگے، کہ تم ان آیتوں کو دیکھتے ہوئے گذرتے ہو (اس حال میں کہ تم میں اور ان آیتوں میں آسمان وزمین کی دوری تھی)

اور ان میں سب سے زیادہ سلیم الطبع نے یہ تشریح کی کہ بعض فقہاء کی عبارت میں علی المنبر کا لفظ قرب کی تاکید کیلئے ہے۔ مطلب یہ کہ مراد مبالغہ فی القرب ہے یعنی منبر کے اتنا قریب کہ گویا منبر ہی پر ہو۔ لیکن یہ بھی ان کی ہوس ہی ہے۔

اولاً ۔ تمام اہل زبان کا اس امر پر اتفاق ہے کہ لفظ کے معنی حقیقی جب تک بن سکیں معنی مجازی مراد لینے کی کوئی سبیل نہیں۔ اور یہ واضح ہے کہ علی کو عندیا با، یا مبالغہ کیلئے لینا۔ اس کے معنی مجازی ہوں گے۔ کہ اس کے معنی حقیقی تو لازم کرنے کے ہیں جیسا کہ اصول امام شمس الائمہ اور کشف امام بخاری میں ہے۔

اما علی فللالزام باعتبار اصل الوضع — علی اصل وضع کے اعتبار سے الزام کیلئے ہے۔

تحریر امام ابن ہمام اور تقریب امام ابن امیر الحاج میں ہے۔

وھو ای اللزوم ھو معنی الحقیقی — لزوم ہی علی کے معنی حقیقی ہیں۔

اور رضی شرح کافیہ میں ہے۔

منہ سر علی اسم اللہ ای ملتزماً۔ — اسی محاورہ سے ہے اللہ کے نام پر سیر کر یعنی اسکو لازم پکڑ

قرآن عظیم میں یہ لفظ اسی معنی میں وارد ہوا۔ ارشادِ الٰہی ہے۔

فجاءته احدیٰهما تمشی علی استحیاء ای ملازمۃ للحیاء۔

ان دو عورتوں میں سے ایک شرم کرتی ہوئی آئی (یعنی وہ شرم کو لازم کئے ہوئے تھیں۔

اور اذان خطیب اس امام کو لازم ہے جس نے منبر کا التزام کیا ہے۔ تو یہ لوگ علی کو اس کے حقیقی معنی (لزوم) سے پھیر کر کدھر پلٹ رہے ہیں ؟۔

ثانیًا۔ علی مصاحبۃ کے لئے ہے۔ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔

علی حرف جر لها معان (الی ان قال) ثانیها المصاحبة کمع نحو وأتی المال علی حبه ذوی القربیٰ ای مع حبه وان ربك لذو مغفرة للناس علی ظلمهم۔ (اتقان)

علی حرف جر ہے اس کے چند معانی ہیں دوسرا معنی مصاحبت ہے۔ جیسے لفظ مع قرآن عظیم میں ہے کہ مال کو محبت کے باوجود قرابت والوں کو دیا (دوسری مثال) تمہارا رب ظلم کے باوجود لوگوں کی مغفرت کرنے والا ہے (یہاں علی ظلم کا مطلب مع ظلم ہے)

اور حدیث شریف میں ہے۔

زکوٰۃ الفطر علی کل عبد وحر

زکوٰۃ فطر ہر آزاد اور غلام پر ہے۔

بنایہ میں فرمایا۔

علی هنا بمعنی مع لان العبد لا تجب علیه الفطر وانما تجب علی سیدہ۔

علی یہاں بھی مع کے معنی میں ہے کہ صدقۂ فطر غلام پر واجب نہیں وہ تو مالک پر ہے (تو مطلب یہ ہوا کہ غلام کا صدقہ بھی اپنے ساتھ دے)

قاموس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

والمصاحبة کمع واتی المال علی حبه

مع کیطرح علی بھی مصاحبۃ کیلئے آتا ہے جیسے اٰتی المال علی حبه۔

اور فتوحات الٰہیہ میں آیت مبارکہ تمشی علی استحیاء کی توضیح میں فرمایا۔

علی بمعنیٰ مع ای مع استحیاء — آیت میں علی مع کے معنی میں ہے۔ یعنی شرماتے ہوئے

اور اذان خطبہ بلاشبہ جلوس علی المنبر کے مصاحب ہے۔ نہ اس سے قبل نہ بعد پس مصاحبۃ اگر علی کے معنی حقیقی ہوں۔ تو آپ کے مراد لئے ہوئے معانی مجازی ہوئے۔ اور مجاز حقیقت کے معادم نہیں ہو سکتا۔ اور یہ معنی مجازی اور آپ کے معانی بھی مجازی تو ایک اور معنی مجازی کا احتمال پیدا ہوا۔ اور احتمال استدلال کے لئے کتنا مضر ہے یہ سب کو معلوم ہے۔

ثالثاً۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

واتبعوا ماتتلوالشیاطین علی ملک سلیمان۔ — اور انہوں نے ملک سلیمان پر شیطانوں کے پڑھے ہوئے کی اتباع کی۔

اتقان اور فتوحات الٰہیہ میں ہے۔

ای فی زمن ملکہ — یعنی ان کی حکومت کے زمانہ میں

مدارک امام نسفی میں ہے۔

ای علی عھدہ وفی زمانہ — یعنی ان کی حکومت اور ان کے زمانہ میں

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اذان خطبہ منبر کے وقت اور زمانہ میں ہے۔ تو یہ عند زمانیہ کے ہم معنی ہو گیا۔

رابعاً۔ اصل یہ ہے کہ فقہاء نے اس باب میں اختلاف کیا ہے کہ جمعہ کے لئے سعی کے وجوب میں کس اذان کا اعتبار ہے۔ اذان اول کا (حنفیہ کے نزدیک یہی صحیح ہے۔ اور حسن بن زیاد نے امام اعظم سے اس کی روایت کی) یا اذان خطبہ کا کیونکہ آیت سعی کے نزول کے وقت اذان اول تھی ہی نہیں۔ (یہی امام طحاوی کا قول ہے، جس کو شرح نقایہ میں امام شمنی نے نقل کیا)

قال الطحاوی انما یجب السعی وترک البیع اذا اذن الاذان الذی یکون والامام علی المنبر لانہ الذی کان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

امام طحاوی نے فرمایا کہ جمعہ کے وقت وجوب سعی اور ترک بیع کا حکم اس اذان کے وقت ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے۔ کیونکہ یہی اذان عہد رسالت اور ابوبکر وعمر رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں نہ تھی ۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے مرقات میں بھی روایت ان الفاظ میں ہے ۔

قال الطحاوی انما یجب السعی وترک البیع اذا اذن الاذان والامام علی المنبر لانہ الذی کان علی عہدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ومن الشیخین رضی اللہ عنہما۔

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جمعہ کیلئے سعی اور ترک بیع کا وجوب امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جانے والی اذان سے ہے۔ کیونکہ عہد رسالت اور زمانہ شیخین میں صرف یہی اذان تھی ۔

ہر ایک پر روشن ہے کہ اس عبارت میں مخالفین کے شبہ میں پڑنے کی کوئی گنجائش نہیں (کہ امام طحاوی نے امام کے منبر پر ہونے کی بات کہی ہے نہ کہ اذان کے) اور اسی عبارت کو بعض متاخرین نے اپنے طور پر مختصر کیا ہے ۔ اصل عبارت کو دیکھا جائے تو اس شبہ کی کوئی بنیاد نہیں بنتی ۔

بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے ۔ امام طحاوی نے اپنے استدلال میں فرمایا وہ اذان جس پر سعی واجب ہوتی ہے ۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صاحبین رضی اللہ عنہما کے عہد مبارک میں یہی تھی ۔ بعد کے جن لوگوں نے اس اذان کی تعبیر علی المنبر یا عند المنبر سے کی جیسے صاحب کافی وکفایہ اور مبسوط وغیرہ ان لوگوں نے بھی یہی کہا کہ یہی اذان حضور کے مبارک عہد میں ہوتی تھی ۔ اور سب کو معلوم ہے کہ اذان خطبہ عہد رسالت میں منبر کے اوپر نہیں ہوتی تھی اسی لئے تو

ان علماء نے بھی علی کو عند کے معنی میں لیا۔ اور روایت سے یہ ثابت ہے کہ وہ جس کو عند کہتے ہیں وہ علی باب المسجد ہے تو عبارت میں لفظ عند ہو یا علیٰ سب کو اسی ثابت شدہ محمل پر محمول کرنا چاہیئے۔ نہ کہ اس واقعہ کے انکار کے لئے معبرین کی تعبیر کو سند بنانا چاہیئے مگر افسوس کہ انصاف دنیا سے ناپید ہو رہا ہے۔

نفحہ (۷) اگر ہم عند اور علی کے بارے میں ذکر کی ہوئی تمام تحقیقات سے قطع نظر کر لیں تب بھی بات وہی ثابت ہوتی ہے جو ہم نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ذکر کی ہے۔

اولاً۔ ان تمام عبارتوں میں جہاں اذان علی المنارہ یا اذان علی المنبر یا عند المنبر کا لفظ آیا ہے بطور تعارف و حکایت حال کے ہے۔ (یعنی وہ اذان جو فلاں جگہ ہوتی ہے اس میں کوئی حکم نہیں کہ اذان یہاں ہونی چاہیئے) بخلاف ان اقوال کے جن میں مسجد میں اذان کی ممانعت آئی ہے۔ جیسے۔ لایوذن فی المسجد، مسجد میں اذان نہ دی جائے یا۔ یکرہ الاذان فی المسجد، مسجد میں اذان مکروہ ہے۔ کہ یہ صاف صاف حکم ہے، اور اعتبار حکم کا ہے تعارف و حکایت کا نہیں۔

ثانیاً۔ یہ طریقہ بیان (کہ جو اذان فلاں جگہ ہوتی ہے) علامت ہے۔ اور علامات کا مسنون ہونا تو بڑی بات ہے۔ جائز ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا۔ امام اجل ابو زکریا نووی شرح صحیح مسلم اور علامہ محدث طاہر فتنی نے مجمع البحار میں فرمایا۔

ان العلامۃ تکون بحرام او مباح۔ — کسی چیز کی علامت مباح اور حرام دونوں ہی کو قرار دیا جا سکتا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ کسی میدان میں بادشاہ، امراء اور عوام سبھی جمع ہیں۔ ایک آدمی بادشاہ کو نہیں پہچانتا۔ اس نے ایک پرہیزگار عالم دین سے پوچھا۔ ان لوگوں میں بادشاہ

کون ہے جس کی اطاعت ہم پر واجب ہے، وہ عالم کہے گا کہ جس کے سر پر سونے کا تاج ہے دیکھئے یہاں سونے کے تاج کی علامت سے بادشاہ کو پہچنوایا گیا۔ تو کیا یہ تعارف اس بات کا حکم ہو گیا کہ مردوں کو سونے کا تاج پہننا جائز ہے ؟

توجب ہمارے علماء نے یہ حکم بتا دیا کہ مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے اور یہ کہ مسجد کی اذان مکروہ ہے۔ تو اگر اس کے خلاف مسجد کے اندر اذان دی جانے لگے۔ جیسا کہ آجکل لوگ کر رہے ہیں۔ تو یہ اذان بھی امام طحاوی کے مسلک پر موجب سعی و ترک بیع ہو گی۔ ہم یہ فرض کئے لیتے ہیں کہ یہ اذان متصل منبر لوگوں نے از خود ایجاد کر لی ہے۔ پھر بھی اس ممنوع اذان کو وجوب سعی کی علامت قرار دیں تو اس سے یہ اذان جائز تو ہو نہیں جائیگی۔

ثالثاً۔ قضیہ حملیہ میں دو حکم ہوتا ہے۔ ایک موضوع کے وصف کا صدق ذات موضوع پر اور دوسرا وصف محمول کا صدق ذات موضوع پر۔ پہلے والا حکم ضمنی منطقی ہوتا ہے اور دوسرا حکم صریحی۔ شرع کے نزدیک یہی معتبر ہے۔

حکم منطقی قصدی ہو تو تب بھی شرعاً معتبر نہیں۔ اور مسئلہ دائرہ میں تو اس اذان پر جو فی زمانہ متصل منبر ہوتی ہے۔ مختار نے اذان کا حکم ضمناً لگایا ہے۔ تو یہ شرع کے نزدیک کب معتبر ہوگا!

اس کی مثال یہ ہے کہ لفظ علیک السلام میں مخاطب پر سلام کا حکم منطقی قصدی ہے۔ مگر شریعت نے اسے نامعتبر اور ناجائز بتایا۔ حدیث شریف میں ہے۔

علیك السلام تحیة الموتیٰ۔ علیک السلام مردوں کا سلام ہے۔

رابعاً۔ تمام بحث ومباحثہ کے بعد اذان علی المنبر سے اگر کوئی حکم ثابت ہو تو بطور اشارۃ النص ثبوت ہوگا۔ اور مختار کے قول لایوذن فی المسجد۔ دیکرہ الاذان فی المسجد، عبارۃ النص ہے، اور تمام علمائے اصول کا اجماع ہے کہ عبارت النص راجح اور اشارۃ النص مرجوح ہے۔ اور درمختار میں ہے کہ قول مرجوح پر فتویٰ دینا جہالت اور خرق اجماع ہے۔

خامساً۔ اذان علی المنبر کے معنی میں مختلف قسم کے احتمال ہیں۔ اور ممانعت اذان فی المسجد کی عبارت نص صریح ہے۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ محتمل صریح کا مقابل نہیں ہوسکتا۔ اور کلام محتمل سے استدلال باطل ہے۔

اس نفحہ میں جتنی باتیں ہم نے ذکر کیں اپنے منصب سے اتر کر، اور لگام ڈھیلی کرکے۔ اور بطور مناظرہ، ورنہ ہم نے تو فقہائے کرام کے کلام کی وہ تحقیق کی ہے۔ کہ جس کے بعد منصف کو کلام کی گنجائش ہی نہیں۔ بلکہ مجادل بھی جدل سے باز آئے۔ رہ گیا مکابرانہ کلام تو یہ ایک گمراہی ہے جس سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

نفحہ (۸) ائمہ مالکیہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک اذان خطبہ میں بھی سنت یہی ہے کہ مینارہ پر ہو خطیب کے سامنے یہ اذان بدعت مکروہ ہے۔ امام محمد عبدری فاسی مالکی مدخل میں فرماتے ہیں۔

ان السنة فی الاذان الجمعة اذا صعد الامام علی المنبران یکون المؤذن علی المنارۃ۔ کذالک کان علی عهد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وصدرًا من خلافة عثمان رضی اللہ عنه ثم زاد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذانا آخر بالزوراء وابقی الاذان الذی کان علی عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی المنارۃ والخطیب علی المنبر اذ ذاک ثم لما تولی هشام بن عبد الملک	امام کے منبر پر چڑھنے کے وقت کی اذان میں سنت یہ ہے کہ موذن اس وقت منارہ پر ہو۔ ایسا سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور زمانہ ابو بکر و عمر اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ابتدائے خلافت تک رہا۔ اس کے بعد حضرت ذوالنورین نے ایک اور اذان زیادہ فرمائی جو مقام زوراء پر دی جاتی اور عہد رسالت والی اذان کو جہاں کا تہاں باقی رکھا۔ (یعنی جب خطیب منبر پر چڑھتا۔ اس وقت اذان منارہ پر دی جاتی) ہشام ابن

اخذ الاذان الذی فعلہ عثمان رضی اللہ عنہ بالسوراء وجعلہ علی المنار ثم نقل اذان الذی کان علی المنار حین صعود الامام علی المنبر علی عہد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وصدرا من خلافۃ عثمان رضی اللہ عنھم۔ بین یدیہ۔ قال علمائنا رحمھم اللہ تعالیٰ علیھم وسنۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اولی ان یتبع۔

عبدالملک بادشاہ ہوا۔ تو اس نے اذان اول کو مقام زوراء سے منارہ کی طرف منتقل کیا۔ اور اذان عہد رسالت وصاحبین اور ابتدائے عہد عثمان غنی میں (یعنی امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت منارہ پر ہوتی تھی۔ اسکو امام کے سامنے دلانے لگا۔ ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔

حواشی جواہر زکیہ شرح عشاویہ للعلامۃ یوسف الصفتی سکندری مالکی میں ہے۔

اذان الثانی کان علی المنارۃ فی زمن القدیم وعلیہ اهل المغرب الی الأن فعلہ بین یدی الامام مکروہ کما نص علیہ البرزلی وقد نھی عنہ مالک وفعلہ علی المنار والامام جالس ا ھ سکندری

دوسری اذان زمانہ قدیم سے منارہ پر ہوتی تھی اہل مغرب کا آج بھی اسی پر عمل درآمد ہے اس اذان کے امام کے سامنے دینے کو امام برزلی نے مکروہ لکھا ہے۔ امام مالک نے اس سے منع فرمایا۔ امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت منارہ پر اذان مشروع ہے۔

مواہب لدنیہ میں امام احمد قسطلانی نے اور اس کی شرح میں علامہ زرقانی مالکی نے فرمایا۔

قال الشیخ خلیل ابن اسحاق فی التوضیح

شیخ خلیل ابن اسحاق نے توضیح میں فرمایا

شرحہ علی ابن الحاجب - اختلف اھل النقل ھل کان یوذن بین یدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم او علی المنار الذی نقل اصحابنا انہ کان علی المنار نقلہ ابن القاسم عن مالک فی المجموعۃ ونقل ابن عبد البر فی الکافیۃ عن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان الاذان بین یدی الامام لیس من الامر القدیم (سیاتی تمامہ بعونہ)

جو ابن حاجب کی شرح ہے۔ کہ علمائے نقل نے اختلاف کیا کہ اذان ثانی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ہوتی یا منارہ پر۔ ہمارے اصحاب کے منارہ پر ہونا ہی منقول ہے جیسا کہ ابن قاسم نے اس کو امام مالک رضی اللہ عنہ سے مجموعہ میں نقل کیا۔ ابن عبد البر نے بھی امام مالک سے یہی نقل کیا کہ امام کے سامنے اذان دینا قدیم معمول نہیں ہے۔ (پوری تفصیل انشاء اللہ آگے آرہی ہے۔

امام مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کے یہ نصوص اذان بین یدی الخطیب کے بالکلیہ بدعت ہونیکی تصریح ہیں۔ چہ جائیکہ اس کا مسجد میں ہونا جائز ہو، سنت تو یہ ہے کہ اور تمام اذان کی طرح یہ بھی منارہ پر ہو۔

تو مخالفین کا یہ افتراء ہے کہ اذان ثانی کا منبر کے متصل مسجد میں ہونا اجماع مسلمین سے ثابت ہے۔ بھلا امام دار الہجرۃ امام مالک اور ان کے خلفاء رضی اللہ عنہم کو چھوڑ کر کون سا اجماع منعقد ہو سکتا ہے؟ تنہا ائمہ مالکیہ کا اختلاف ہی قدح اجماع کے لئے کافی ہے۔ جبکہ اس مسئلہ میں ائمہ احناف رحمہم اللہ کی تصریح بھی موجود ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ اور احناف وغیرہ کسی سے بھی اس کے خلاف ہونے کا علم نہیں۔ تو کہیں ایسا تو نہیں کہ اذان بین یدی الخطیب کے مکروہ ہونے پر ہی اجماع ہو۔

نفحہ (۹)

مذکورہ بالا بیان سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ ان لوگوں کا یہ گمان بھی باطل ہے کہ تمام اسلامی شہروں میں سارے مسلمانوں کا تعامل اسی پر ہے کہ یہ اذان

مسجد کے اندر منبر کے متصل ہوتی ہے۔ (تو تعامل کی دلیل سے اذان ثانی متصل منبر جائز ہوئی)

کیونکہ سکندری پھر سفلی کا بیان سن چکے کہ مالکیہ اور اہل مغرب کا تعامل بیرون مسجد کا ہے۔ خود ہندوستان کے اکثر شہروں میں شاہی جامع مسجدوں میں منبروں سے دور چبوترے بنے ہوتے ہیں، جن پر آج تک اذان ہوتی ہے۔ پہلے ہم یہ بتا آئے ہیں کہ یہ اذان بھی دراصل بیرون مسجد ہے، لیکن عوام لاعلمی کی وجہ سے حقیقت سے غافل اور ظاہر سے دھوکہ میں پڑے ہیں۔ اور اس کو اذان اندرون مسجد سمجھتے ہیں۔ اور یہی ان میں شائع و ذائع ہے۔ اور پھر اسی لاعلمی پر اپنے ایک فاسد قیاس کی بنیاد رکھتے ہیں کہ مسجد مسجد سب برابر ہیں ان میں باہم نہ کوئی فرق ہے نہ کوئی فرق کا قائل۔ پس جب یہ اذان مسجد کے اندر ہوتی ہے تو پنج وقتہ نمازوں میں بھی اذان مسجد کے اندر ہونے میں کیا حرج ہے۔ اور نماز کے وقت دربار الٰہی کے جس حصہ میں بھی جی چاہتا ہے، کھڑے ہو کر چیخنے لگتے ہیں۔ اور جب انھیں کوئی تنبیہ کرتا ہے کہ اللہ سے ڈرو اور مسجد میں آواز بلند نہ کرو تو عناد و فساد کرنے لگتے ہیں۔ اور اب صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ سنت کا عمل مردہ ہو گیا ہے۔ اور تصریحات ائمہ جھوٹ قرار دی جا چکی ہیں۔ اور خلاف سنت عمل کو تعامل قرار دے لیا ہے۔ اور حکم شرع کے ابطال کے لئے اسی کو دلیل بنا لیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ سے اسی کیلئے فریاد ہے۔ اور اسی سے مدد کی طلب ہے۔

اور یہ نکتہ وہ لوگ سمجھ ہی نہیں پاتے کہ ایسا تعامل قطعاً سند نہیں۔ ورنہ جھوٹ، غیبت، چغل خوری اس سے زیادہ جواز کے مستحق ہوں گے۔ کہ ان کا تعامل قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد مشرق و مغرب میں پھیل گیا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ ثم یفشو الکذب۔ پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔

صاحب فتاویٰ خیانیہ نے اواخر کتاب اجارہ میں سید امام شہید رحمۃ اللہ علیہ

سے ذکر کیا۔

انما یدل علی الجواز مایکون علی الاستمرار من الصدر الاول فاذا لم یکن کذالك لایکون فعلهم حجة الا اذا کان من الناس کافة بالبلدان کلها۔ الاتری انهم لو تعاملوا علی بیع الخمر او علی الربا، لا تفتی بالحل۔

وہی تعامل جواز کی دلیل بنتا ہے۔ جو صدر اول سے آج تک برابر جاری ہو۔ اور ایسا نہ ہو تو کسی عہد کے لوگوں کا فعل حجت نہیں یا ان تمام شہروں قصبوں اور قریوں کے سبھی انسانوں کا تعامل ہو تو اور بات ہے اور یہ بالکل واضح امر ہے کہ اب اگر سب جگہ کے سب لوگ شراب بیچنے لگیں۔ سودی کاروبار میں مبتلا ہوں تو بھی اس کے حلال ہونیکا فتویٰ نہیں دیا جائیگا۔

درمختار کے باب الجمعہ میں ہے۔

انما یصلح دلیلاً علی الحل اذکان عاماً من عهد الصحابة والمجتهدین کما صرحوا به۔

تعامل اس وقت جواز کی دلیل بنتا ہے جبکہ عام ہو اور عہد صحابہ و مجتہدین سے اس پر عملدرآمد ہو۔ ایسا ہی ائمہ نے تصریح کی ہے۔

اسی کتاب کے باب الجنائز میں بعض محققین شوافع سے منقول ہے۔

هذا الاجماع اکثری وان سلم فمحل حجیته عند صلاح الازمنة بحیث ینفذ فیها الامر بالمعروف والنهی عن المنکر وقد تعطل ذالك منذ ازمنة۔

یہ اجماع اکثری ہے۔ اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کے دلیل جواز ہونے کا تب اعتبار ہوگا کہ یہ امت کے صلاح کے وقت کا ہو۔ جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نافذ ہو۔ اور یہ تو زمانہ دراز سے معطل ہے۔

مجدد الف ثانی شیخ احمد العمری سرہندی کے مکتوبات کی جلد ثانی مکتوب ۵۴ میں ہے۔

دنیا بدعات کے سمندر میں غوطہ لگا چکی ہے۔ اور محدثات کی تاریکیوں میں مطمئن ہے۔ رفع بدعت اور تکلم باحیاء سنت کا دعویٰ کون کر سکتا ہے۔ اس زمانہ کے اکثر علماء تو بدعات کے حامی اور سنت کے مٹانے والے ہیں۔ بدعات کے شیوع اور کثرت کو تعامل قرار دیتے ہیں۔ اور اس کے جواز بلکہ استحسان کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ بدعت پھیل جائے اور گمراہی عام ہو جائے تو تعامل بن جاتا ہے۔

یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ کسی چیز کا ایسا تعامل اس کے حسن ہونیکی دلیل نہیں۔ جز اس صورت کہ وہ تعامل معتبر ہے۔ جو صدر اول سے معمول بہا ہو۔ یا اس پر تمام لوگوں کا اجماع ثابت ہو۔

(پھر خیاشیہ کی مذکورہ بالا عبارت سے استدلال کر کے فرمایا) تمام لوگوں کا تعامل اور تمام شہروں اور دیہاتوں کا عمل معلوم ہونا۔ آدمی کی وسعت و طاقت سے باہر ہے۔

مسئلہ اذان میں ہمارے مخالفین میں سے بہتوں کو اس پر فخر ہے کہ وہ شیخ مجدد کے غلاموں میں سے ہیں ہم نے بار ہا شیخ مجدد کی یہ عبارت پڑھ کر انہیں سنائی بھی (کہ اب سے وہ اپنے تعامل معقول کے دعوے سے باز آئیں) مگر وہ تعامل کے دعوی سے باز نہیں آئے۔ دراصل (حضرت مجدد) کے بجائے انھوں نے اپنے نفس کی خواہش کو اپنا شیخ بنالیا ہے اور اسی کے فتوے پر عمل کرتے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے عفو طلب کرتے ہیں۔

علامہ شامی نے رد المحتار، کتاب الاجارہ، رسالہ تحریر العبارۃ، عقود دریہ، سب میں علامہ قنالی ؎ زادہ سے نقل کیا۔ کہ وقف کی زمین پر مکان بنانے اور درخت لگانیکا معاملہ

؎ یہ لفظ رد المحتار مطبوعہ قسطنطنیہ میں ہے۔ اور تحریر العبارہ میں قنلی زادہ بغیر الف کے ہے، اور عقود الدریہ میں منلی زادہ چھپ گیا ہے ۱۲ منہ

وقف کے اجیروں میں کثیرالوقوع ہے۔ جب متولی اور قاضی سے ایسے اجاروں کے ختم کرنے کی درخواست کی جاتی ہے۔ اور اجرت مثل پران زمینوں کے کرایہ پر اٹھانیکی بات کہی جاتی ہے۔ تو ان زمینوں کے قدیم کرایہ دار اس کی فریاد کرتے ہیں۔ اور اس کو ظلم قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود ہی ظالم ہیں۔ اور بعض صدرو اکابر ان کی مدد کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ تو لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا ہے۔ اس لئے جیسا اب تک ہوتا آیا تھا ویسا ہی عملدرآمد ہوتے رہنا چاہیئے۔ کہ ہر بات سے بُری نئی بات پیدا کرنا ہے۔

اور وہ یہ نہیں جانتے کہ برائی کے وقت شر جانے سے چشم پوشی خود بری ہے۔ اور امت میں فساد واقع ہونے کے وقت سنت کا زندہ کرنا جہاد سے بھی افضل ہے اور بزرگ ترین عبادت ہے۔

علامہ شامی تحریر میں فرماتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ پرانی بیماری ہے (کثر پھیل جائے تو لوگ چشم پوشی اختیار کرتے ہیں) لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ شامی میں ہے کہ لوگ آدمی کی حق بات کو بھی ناحق سمجھتے ہیں یہ قدیم برائی ہے۔ عقود الدریہ میں انھوں نے فرمایا کہ یہ ایک ورق میں ہم نے علم عظیم ظاہر کیا۔

واللہ اس اذان ممنوع و محدث سے لوگوں کے ہلاکت میں پڑنے کا حال بھی ایسا ہی ہے۔ اور سنت چھوڑ کر اس امر مکروہ میں پڑے رہنے کے لئے لوگوں نے ایسے ہی اعذار بارده تراش رکھے ہیں۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

نفحہ (۱۰) جب یہ ظاہر ہوگیا کہ اذان متصل منبر کے تعامل کی کوئی اصل نہیں۔ پھر توارث کے ثبوت کی کون سی صورت ہے؟ کہ اس سے بھی یہ لوگ پناہ پکڑتے ہیں۔ اور جب حدیث و فقہ سے ان پر مواخذہ کیا جاتا ہے تو کج بیانی دکھلاتے ہیں۔

سبحان اللہ! توارث تو تمام قرنوں کے تعامل کا نام ہے۔ اور جب آجکل کا

تعامل ثابت نہ ہو سکا تو گذشتہ زمانوں کا کیسے ثابت ہوگا۔ اور حدیث صحیح سے پتہ چلا کہ عہد رسالت و زمانہ خلافت راشدہ میں عمل در آمد ان کے مزعومہ کے خلاف تھا۔ تو کہاں سے توارث ثابت ہوگا۔ کس سے اس کی نسبت ثابت کریں گے اور کس کا ورثہ اس کو قرار دیں گے۔

محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا :

"رکعتین اولین میں قرأت جہری اور آخرین میں سری ہی توارث ہے یعنی ہم نے اس کو اپنے باپ دادا اور بزرگوں سے لیا۔ اور انھوں نے اسکو اپنے بزرگوں سے اخذ کیا۔ ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک، اور انھوں نے اس کو صاحب وحی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سیکھا۔ اس لئے اس کے واسطے کسی نص معین کی ضرورت نہیں"

یہی توارث کے وہ معنی ہیں جس سے شرعاً دلیل پکڑنا درست ہے۔ اور جس کی سند ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں تو سند دائرہ میں یہ لوگ کیسے توارث ثابت کریں گے۔ جبکہ ہم خوب جانتے ہیں کہ صاحب وحی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین سے اس کے خلاف روایت ہے۔

اقول۔ تحقیق مقام یہ ہے کہ احوال کی چار قسم ہے۔

(۱) جس کا حادث نہ ہونا معلوم ہو۔

(۲) جس کے حدوث کا علم نہ ہو۔

(۳) حدوث کا علم تفصیلی ہو کہ کب کس نے ایجاد کیا۔

(۴) حدوث کا علم اجمالی ہو۔ یعنی یہ تو معلوم ہو کہ نو ایجاد ہے۔ لیکن یہ نہ معلوم ہو کہ کب اور کیسے ایجاد ہوا۔

جو چیز عامۃ المسلمین میں عام طور سے معمول بہ ہو۔ اور اس کا عمل شائع وذائع ہو۔ اور

اس کے بارے میں یہ بھی معلوم ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی ایسا ہی ہوتا تھا۔ یہ قسم اول ہے، اور اسی کو متوارث اعلیٰ بھی کہتے ہیں۔

اور جب نہ یہ معلوم ہو کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کا کیا حال تھا نہ یہی پتہ چلے کہ اس کی ایجاد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ہوئی ہے۔ تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ چیز شروع سے اسی طرح ہوتی آرہی ہے۔ اور ہر بعد کے زمانہ والے نے اپنے سے پہلے زمانہ والوں سے اسے حاصل کیا۔ تو ایسی چیز کو حال کی دلیل پر عمل اور اصل وظاہر کا لحاظ کرتے ہوئے متوارث حکمی کہا جاتا ہے۔ کہ امور شرعیہ میں سنت پر عمل کرنا ہی اصل ہے۔ اور مسلمانوں کا ظاہر حال بھی یہی ہے کہ سنت پر عمل کریں۔ یہ متوارث کی قسم ثانی ہے، اس کے لئے کسی خاص سند کی ضرورت نہیں۔

اور جس چیز کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے بعد کی ایجاد ہے۔ ایسی چیز کے بارے میں متوارث ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اس کے حدوث کے وقت کا علم ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ کسی چیز کے حدوث کے وقت کا علم نہ ہونے کے لئے یہ لازم نہیں۔ کہ ہم اس کے حدوث سے ہی بے خبر ہوں۔ یا یہ جانتے ہوں کہ وہ حادث نہیں ہے۔

کتنی چیزوں کے بارے میں ہمیں بالیقین معلوم ہوتا ہے کہ یہ حادث ہے لیکن اس کے حدوث کے وقت کا پتہ نہیں ہوتا۔ جیسے اہرام مصر۔ بلکہ حدوث مطلق میں آسمان وزمین بھی۔ اور حدوث مقید میں جیسے وہ جھاڑ فانوس اور قندیلیں جو حجرۂ نبوی شریف کے آس پاس لٹکائی ہوئی ہیں۔ حضرت علامہ سمہودی نے خلاصہ وفاء الوفا میں فرمایا کہ

ہمیں ان کے ابتدائے حدوث کا وقت نہیں معلوم۔

تو ایسے نو پید امور جن کے حدوث کے وقت کا ہمیں علم نہ ہو۔ حسب قواعد شرعیہ

ان کے بارے میں یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ کسی سنت ثابتہ کے مخالف تو نہیں۔ مخالف نہ ہو تو اس کا معاملہ استحباب سے وجوب تک میں دائر ہوگا اور زمانہ کی قدامت کے اعتبار سے کبھی کبھی اس کو بھی۔ متوارث، کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ خطبہ جمعہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دونوں چچاؤں کے ذکر کا رواج کہ حادث ہے۔ پر یہ نہیں معلوم کہ کب سے رائج ہے۔ البتہ یہ کسی سنت ثابتہ کے خلاف نہیں۔ تو یہ توارث کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔ اس کے بعد کی ایجاد کو متوارث بمعنی اصطلاح شرع نہیں کہا جائے گا۔ ہاں توارث لغوی ہو سکتا ہے۔ جیسے تقیہ شیعوں میں متوارث ہے۔ اور جھوٹ وہابیہ میں ابا عن جد رائج ہے۔

اور اگر ایسی نو پید چیز ہو۔ جو بعد عہد رسالت ہو۔ اور اس کے حدوث کا وقت معلوم ہو۔ اور وہ خود قبیح اور قواعد قبح کے تحت داخل ہو تو قبیح ہے اور اس کا دائرہ بھی مکروہ سے لے کر تحریم تک پھیلا ہوا ہے۔

اور اگر یہی حادث نہ سنت ثابتہ کے خلاف ہو۔ نہ قواعد قبح کے دائرے میں آتی ہو۔ تو یہ صرف مباح ہے نہ قبیح ہے نہ مستحب۔ ہاں جب شہر و علاقہ کی عادت سے خارج ہو تو مکروہ ہوگا۔ چنانچہ علماء[1] نے فرمایا کہ لوگوں سے ان کے اخلاق کے موافق معاملہ کرو۔ اور حدیث شریف میں ہے۔

۔ لوگوں کو بشارت دو نفرت نہ دلاؤ۔

سنت ثابتہ کی مخالفت کرنے والی بات، بدعت مردودہ ہوگی۔ اور گو وہ لاکھ

---

[1] حدیث میں وارد ہے کہ لوگوں سے ان کی عادتوں کے موافق برتاؤ کرو۔ اقامۃ القیامہ ص۲
رواہ مسندا وقال رواہ الحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین۔ صلۃ الصدین

پھیل گئی ہو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور ایسے حادث امر پر پوری امت مسلمہ کا اجماع نہیں ہو سکتا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو گمراہی پر مجتمع ہونے سے محفوظ رکھا ہے۔

ایک استثنائی صورت البتہ ہے۔ کہ وہ بات ہے تو عہد رسالت کے بعد کی اور بظاہر مخالف سنت بھی ہے۔ لیکن زمانہ کی تبدیلی کی وجہ سے اس کا حکم شرعی بدل گیا، اور اس تبدیلی پر تمام مسلمانوں کا عملدرآمد جاری وساری ہو گیا۔ جیسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد پر نور میں عورتیں مسجد میں جاتی تھیں۔ لیکن بعد میں ان کو عام طور سے مسجد میں حاضر ہونے سے روک دیا گیا ہے۔

ایسا نوزائیدہ امر حقیقت میں سنت ثابتہ کے مخالف نہیں ہوتا۔ اگرچہ بظاہر ایسا ہی نظر آتا ہے کہ اب جو بات پیدا ہو گئی ہے۔ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا ہوتا۔ تو آپ بھی عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع فرما دیتے۔ کما قال ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا) ام المومنین حضرت عائشہ نے ایسا ہی فرمایا۔

یہ تحقیق مقام ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ ہمارا مسئلہ پہلی تقسیم کی چوتھی قسم سے ہے۔ اور تقسیم ثانی کی پہلی قسم ہے۔ یعنی اس کے بارے میں ہمیں حادث ہونا تو معلوم ہے۔ لیکن یہ نہیں معلوم کہ اس کے حدوث کا وقت کب ہے؟ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کے خلاف عمل ہو رہا ہے۔ اور یہ ان امور سے بھی نہیں جس کا حکم زمانہ کے بدلنے سے بدلتا ہو۔ اور اس کے ساتھ ہی ائمہ فقہا کی بے شمار نصوص نہی عام کی صورت میں موجود ہیں۔ بلکہ خاص اذان جمعہ کی ممانعت کی طرف بھی رہنمائی ہے۔ اور متعدد دلیلیں اس کے قبح وشناعت پر بھی دلالت کرتی ہیں۔ جیساکہ ساری تفصیل گذر چکی۔ تو ثابت ہوا کہ اس کو متوارث قرار دینا محال ہے۔ اور یہ قطعاً یقیناً بدعات

مردودہ میں سے ہے۔

اس سے یہ امر بھی روشن ہوگیا کہ کسی امر کے احداث کا وقت معلوم نہ ہونا۔ اس کو قدیم نہیں بناتا۔ جب کہ اس کے حادث ہونے کا علم ہو۔ بلکہ جس کے حدوث کی ابتداء معلوم ہو۔ اس کے بارے میں یہ سمجھا جائے گا کہ یہ امر بالکل نو پید ہے۔ کیونکہ حادث قریب ترین وقت کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

اور یہ گمان کرنا کہ اس کا حدوث تو زمانہ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ بلاشبہ ایک افتراء ہے۔ اور وہابی تھانوی کا ہدایہ کی اس عبارت سے استدلال کہ۔ (امام منبر پر چڑھے اور بیٹھے تو موذن اس کے سامنے اذان دے کہ یہی متوارث ہے۔ اور امام عینی اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ہے۔) غلط ہے۔

صاحب ہدایہ کے قول یہی متوارث ہے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ۔ امام کے سامنے اذان ہونا، کیونکہ امام عینی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی روشنی میں کہنا پڑے گا کہ یہ منبر کے سامنے والی اذان زمانہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ایجاد ہے اور اسی وقت سے متوارث ہے۔ حالانکہ اس اذان کا تو عہد رسالت سے ہونا منقول۔ متوارث ہے۔

اصل میں ان وہابی صاحب کا یہ زعم باطل۔ ہدایہ اور عینی کی عبارت میں ناجائز دست درازی کا نتیجہ ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں (اذا لم تستحی فاصنع ماشئت) بے شرم ہوگئے تو جو چاہو کرو۔ پوری عبارت یوں ہے۔

(بذالك) ای بالاذان بین یدی المنبر بعد الاذان الاول علی المنارۃ.

(جری التوارث) من زمن عثمان الی یومنا ھذا۔

یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے یہی جاری و ساری ہوگیا کہ منارہ پر پہلی اذان ہو۔ اور اس کے بعد منبر کے سامنے والی اذان ہوا کرتی ہے۔

حضرت امام عینی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنی عبارت میں ذالک کا مشار الیہ پہلی اذان کے بعد دوسری اذان ہونے کو قرار دیا ہے۔ نہ کہ دوسری اذان کے منبر کے سامنے ہونے کو۔ اور اسی کو حضرت عثمان کے عہد سے آج تک جاری رہنے کو بتایا۔ اور تھانوی صاحب نے اس کو منبر کے سامنے سے جوڑ دیا۔ اور کیوں نہ ہوتا یہ وہابی قوم بڑی افترا پرداز ہوتی ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

یونہی جناب تھانوی کا یہ کہنا کہ۔ ہم اپنے منصب سے اتر کر یہ تسلیم کرتے ہیں کہ بعض المنبر اذان ہشام ابن عبد الملک نے ایجاد کیا۔ زعم فاسد اور وہم کاسد ہے۔

حقیقت امر یہ ہے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بعض متبعین اذان بین یدی الخطیب کو حادث و مکروہ قرار دیتے ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ حضور سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں یہ اذان بھی منارہ پر ہوتی تھی۔ ہشام ابن عبد الملک نے اپنے زمانہ میں اس اذان کو جسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مقام زوراء پر دلانا جاری کیا تھا۔ منارہ پر دلانا شروع کیا۔ اور اس دوسری اذان کو منارہ کے بجائے خطیب کے سامنے کر دیا۔

مگر محققین مالکیہ نے اپنے ہی ہم مذہب علماء کے اس خیال کو رد کر دیا۔ کہ ہشام نے دوسری اذان میں کوئی ترمیم نہیں کی۔ وہ عہد رسالت اور عہد شیخین بلکہ عہد عثمان و مابعد کے موافق برابر خطیب کے سامنے ہوتی رہی، ہشام نے تو صرف حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اضافہ کردہ اذان کو مقام زوراء سے منتقل کر کے منارہ مسجد نبوی پر کرانا شروع کیا۔

چنانچہ امام زرقانی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے۔ مواہب لدنیہ میں ابن حاجب مالکی کی مندرجہ ذیل عبارت کی شرح میں فرمایا۔

> خطبہ کی اذان شروع ہونے پر نماز جمعہ کیلئے سعی حرام ہے۔ (یعنی اذان خطبہ شروع ہونے سے قبل ہی مسجد میں پہونچ جانا چاہیے)

زمانہ رسالت میں یہی معہود و معروف تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا۔ اور نمازیوں کی تعداد زیادہ ہوگئی۔ تو حضرت ذوالنورین نے خطیب کے منبر پر بیٹھنے سے قبل بھی مقام زوراء پر ایک اذان پکارنے کا حکم دیا۔

(پھر ہشام نے اس اذان کو مسجد کی طرف منتقل کیا۔ اور دوسری اذان کو سامنے دلایا) مطلب یہ ہے کہ دوسری اذان وہیں دلائی جہاں عہد رسالت میں ہوتی تھی۔ اس میں کچھ تغیر نہیں کیا۔ البتہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جو اذان مقام زوراء پر دلوانی شروع کی تھی۔ اس کو مسجد کی طرف منتقل کیا یعنی اسے منارہ پر دلوانے لگا۔ (اھ بالاختصار)

اور اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ ہشام نے منبر کے سامنے والی اذان میں بھی تصرف کیا۔ اور اسے منبر کے متصل دلانے لگا۔ اور سنت رسول کو بدل دیا۔ تو یہ ہشام کون ہے؟ اور کیا ہے؟ کہ اس کے بدلنے کا لحاظ کیا جائے، اور اس کی اتباع کی جائے، اور اس کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت چھوڑ دی جائے۔ بھلا دینداروں میں سے کون اس پر راضی ہوگا؟

اور اس وہابی نے جو یہ کہا کہ ائمہ ہدیٰ مثل امام مالک و ابوحنیفہ وغیرہ رضی اللہ عنہم نے ہشام کی اتباع کی اور اسی وجہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت چھوڑ دی۔ یہ ان ائمہ ہدیٰ پر اس کی افترا پردازی ہے۔ اور ان کی طرف ایک غلط بیانی کی نسبت ہے۔ ان کا دامن اس آلودگی سے پاک ہے۔ لیکن اس خبیث نے جب گمراہوں کو دو گنا کر دیا۔ اور اللہ و رسول (جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم) کو گالی دی اور اسے چھاپ کر شائع کیا۔ تو اب کون رہ گیا ہم مرتد کے حال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

نفحہ (۱۱) ان سے بارہا مطالبہ کیا گیا کہ تم لوگ اس باب میں زمانہ رسالت سے آج تک کے توارث کے مدعی ہو تو کیا کسی اور نے بھی اس توارث پر نص کیا ہے۔

تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل ہے؟ یا تم لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود رہ کر اس کا مشاہدہ کیا ہے؟ یا آج تم لوگ جو یا کر رہے یا دیکھ رہے ہو۔ حضور کے زمانے آج تک مسلسل جاری ہے، تو ان کو ڈوبنے والے کی بے قراری گھیر لیتی ہے۔ جو ہر تنکے پر سہارے کے لئے ہاتھ مارتا ہے۔ اور یہ لوگ ایک عقلی اور ایک نقلی دلیل پیش کرتے ہیں۔

دلیل منقول میں ان لوگوں کا سہارا ہدایہ اور ہندیہ کا یہ قول ہے۔ کہ موذن نے منبر کے سامنے اذان دی۔ اور اسی پر توارث ہوا۔ ان کی یہ دلیل اس جہالت کی پیداوار ہے کہ انھوں نے سامنے کے معنی متصل منبر قرار دے لیا جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے۔ تو ہدایہ کی بات تو حق روایت ہے۔ لیکن اس سے ان کا یہ سمجھنا کہ اذان کا منبر کے بالکل قریب ہونا متوارث ہے۔ ان کی جہالت ہے۔

اور عقلی دلیل یہ ہے کہ تاریخ سے یہ ثابت نہیں کہ اذان بین یدی الخطیب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کوئی تغیر ہوا۔ اور آج کل متصل منبر ہو رہی ہے۔ تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ عہد رسالت سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔

اس دلیل سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے قائل کو علم سے کچھ مس ہی نہیں۔ کیونکہ نہ تو تاریخ میں اس بات کا التزام ہے کہ مسائل جزئیہ شرعیہ سے متعلق ہر ہر جزئے کا اس میں بیان ہوگا۔ نہ کسی نے اسلام کی ساری تاریخی کتابوں کو پایا۔ نہ سب کا حرفاً حرفاً مطالعہ کیا — ظاہر ہے کسی چیز کا نہ پانا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ یونہی کسی امر کا ذکر نہ ہونا اس بات کی تصریح نہیں کہ یہ ہوا ہی نہیں۔

اور اگر سب کچھ من وعن تسلیم کر لیا جائے۔ تو یہاں تو صحیح حدیث سے یہ ثابت ہو رہا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو ہو رہا تھا۔ آج اس کے خلاف کیا جا رہا ہے۔ تو تاریخ میں ذکر ہو نہ ہو۔ صحیح حدیث سے تو ثابت ہو رہا ہے کہ سنت رسول میں

تغیر ہوا۔ تو کیا آپ لوگ اہل تاریخ کی خوشی کا سہارا لے کر صحیح حدیث کو جھٹلائیں گے؟
اور عین صریح کا انکار کریں گے؟ مگر واقعہ یہ ہے کہ جہل جس پر سوار ہو جاتا ہے۔ اسے رسوائی
یا عار دلانے کی قطعاً پرواہ نہیں ہوتی۔

نفحہ (۱۲) اور کچھ لوگوں کا توارث جب حدیث و فقہ کے خلاف ہو تو لائق استدلال
نہیں ہوتا۔ سب جانتے ہیں کہ توارث میں سب سے عظیم و بزرگ اور
پر ہیبت حرمین محترمین زادہم اللہ شرفا وتعظیما کا توارث ہے۔ وہ بھی قرون اولیٰ کا۔ مگر
ہمارے امام اعظم اور تمام اہل فتاویٰ اذان فجر کے مسئلہ میں اسے تسلیم نہیں کرتے۔
کیونکہ حدیث اس توارث کے خلاف مروی ہے۔ ہدایہ میں ہے:

"نماز فجر کے لئے دخول وقت سے پہلے اذان نہ دی جائے۔ اور اگر پہلے دے دی
گئی ہو تو وقت ہونے پر دہرائی جائے۔ کہ اذان وقت کے اعلان کیلئے ہے۔
اور وقت سے پہلے دینا لوگوں کو غلط فہمی میں ڈالتا ہے۔

امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ فجر کی اذان توارث حرمین
شریفین کی وجہ سے فجر سے پہلے بھی دی جا سکتی ہے۔ اور دونوں کے خلاف
دلیل حضور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ قول ہے۔ جو آپ نے حضرت بلال
سے فرمایا۔ اس وقت تک اذان نہ دو جب تک صبح یوں روشن نہ ہو جائے۔
اور آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو عرض میں پھیلا دیا۔

حضرت امام اکمل الدین بابرتی فرماتے ہیں۔

۔ صاحب ہدایہ کا جمع میں الکل فرمانا، امام شافعی، قاضی ابو یوسف۔ اور اہل حرمین
سب کیلئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث آخذ اور ماخوذ منہم سب پر حجت ہے۔

تو جب اہل حرمین وہ بھی تابعین اور تبع تابعین جیسے عظیم بزرگوں کا یہ حال ہے۔ پھر ان

مدعیوں کے مذعومہ توارث کا کیا حال ہوگا۔ جس میں آپ جیسوں سے پیوستہ لوگ ہیں۔ ان کا فعل یا سکوت شریعت میں حجت کب ہے؟ کہ اس کو شرع کے خلاف حجت قرار دیا جائے۔ بس اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔

نفحہ (۱۳) اس توضیح سے ان لوگوں کے استدلال کی کمزوری ظاہر ہوگئی۔ جو حرمین شریفین کے موذنوں کے فعل سے استدلال کرتے ہیں۔ کہ یہ اذان مکہ شریف میں مطاف کے حاشیہ پر ہوتی ہے۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد کریم میں مسجد حرام موجودہ مطاف کے حدود میں ہی تھی۔ جیسا کہ ملا علی قاری کی مسلک متقسط وغیرہ میں ہے۔ تو اس تقدیر پر آج بھی حرم میں اذان وہیں ہو رہی ہے جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں ہوتی تھی۔ اب مسجد کی توسیع کی وجہ سے اگرچہ وہ جگہ مسجد کے احاطہ میں آگئی ہے۔ جیسا کہ چاہ زمزم بھی فی الحال مسجد کے احاطہ میں ہی ہے۔ اور مدینہ منورہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں چبوترے پر جو منبر کے مقابل ہے۔

تو اگر یہ چبوترے قدیمی ہوں تو بات مکمل ہوگئی۔ کیونکہ ہم بتا چکے ہیں کہ چبوترہ اور مئذنہ مسجد بالمعنی الاول سے خارج ہے۔ لیکن بات تو ان کے حادث ہونے کی ہے۔ تو ان سے اذان کے اندرون مسجد ہونے پر استدلال کیسے صحیح ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دینے والا ہے۔

اور جب آپ جان چکے کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد تمام اہل فتویٰ نے تابعین اور تبع تابعین کا توارث قبول نہیں کیا کہ یہ حدیث شریف کے خلاف ہے۔ تو آجکل کے موذنوں کی کیا حقیقت ہے! کیا کسی حنفی کو یہ اجازت ہے کہ خطبہ جمعہ سننے والے کو بلند آواز سے بولنے کی اجازت دے۔ اگرچہ یہ کلام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو۔ صحابہ کے لئے رضی اللہ عنہ ہی کیوں نہ ہو۔ سلطان اسلام یا شریعت کے کے لئے دعا، خیر ہی کیوں نہ ہو۔ کیا ہمارے ائمہ نے اس وقت دینی اور دنیاوی سبھی قسم کے

کلاموں کی حرمت پر اجماع نہیں کیا؟

اور اس سے زیادہ اہم معاملہ تکبیر کے ابلاغ ہی کے لئے مکبر کا بہت بلند آواز سے گٹکری بھر کر تکبیر بولنے کا ہے۔ محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام نے اس کی سخت تردید کی اور فرمایا۔ ایسا کرنے والے کی نماز فاسد ہونے کا ڈر ہے۔ یونہی اس کی نماز جو ایسے مکبر کی آواز پر بنا کرے۔ اور صاحبان حلیہ و درر و نہر اور اس کے علاوہ علماء نے بھی اس کی ممانعت فرمائی۔ اور اس کی نماز فاسد ہونے کا فتویٰ سید علامہ مفتی اسعد مفتی مدینہ منورہ نے دیا جو شیخی زادہ صاحب مجمع الانہر کے شاگرد ہیں۔ اور صاحب در مختار کے ہم عصر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی رحمت کی بارش برسائے۔ انھوں نے اپنے فتاویٰ کے شروع میں اس سلسلہ کی ایک عجیب بات نقل کی جسے دیکھا جا سکتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شریعت کی دلیلیں محدود و مشہور ہیں۔ اور ان کے باہر کسی کے عمل سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ بالخصوص جب کہ وہ عالم بھی نہ ہو، نہ علماء کا زیر فرمان ہو۔

لیکن ان وہابیہ زنادقہ پر سخت تعجب ہے کہ کس طرح موذن کے فعل سے استدلال کرتے ہیں۔ اور حرمین شریفین کے حضرت سادات علمائے کرام کو بدنام کرتے ہیں۔ یہ ذلیل قوم علمائے حرمین شریفین پر غلط اتہام رکھتی ہے۔ اور ان کے حق قولوں کی اقتدا نہیں کرتی۔ تو ان کے اعمال حسنہ مثل میلاد و قیام کی کیا پیروی کرےگی؟

ان پر قول فیصل یہ ہے کہ انھیں سادات حرمین کا فتویٰ حسام الحرمین دکھا کر کہا جائے یہ علمائے حرمین کا فتویٰ نہیں ہے؟ تو اگر وہ اس کو رد کرتے ہیں تو موذنین حرمین کے فعل سے ہم پر الزام قائم کرنے کا کیا حق ہے؟ اور اقرار کرکے ان وہابیہ کی تکفیر کرتے ہیں تو ان سے کہا جائے کہ مسئلہ اذان میں آپ ان کافروں کی کیوں اتباع کرتے ہیں۔ آپ کو تو انکار کرنے کا حکم ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے عفو عافیت کے طالب ہیں ۔ اور اس کے علاوہ نہ کوئی قوت والا ہے نہ طاقت والا وہی علی وہی عظیم ہے، جل جلالہ دعم نوالہٗ ۔

نفحہ (۱۴) توارث باطل ومظنون کے بارے میں خطبہ میں اور توارث کی اجمالی بحث میں ہم نے جو کچھ ذکر کیا وہ کافی اور شافی ہے ۔ ہم نے حق واضح کیا اور مدعیان توارث کے استاذوں ان کے شیوخ اور خود ان سے بھی (سکوت عن الحق کا) الزام زائل کیا ۔ کاش کہ یہ لوگ حق ظاہر ہونے کے بعد اس کی طرف رجوع کرتے ۔ اور صبح چمکنے کے بعد اس کا انکار نہ کرتے ۔ حالانکہ وہ ان کے لئے اہم اور ایسا پتھر ہے جو بے توجہی سے انہیں کے اوپر آ پڑے گا ۔

ہمارے اس دعوی پر کہ (عالم انکار کرتا ہے مگر عوام اس کی پرواہ نہیں کرتے) دلیل صاحب رد المحتار کا مذکورہ بالا قول ہے ۔ (کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مدتوں سے معطل ہو چکا ہے) ۔

اور اس امر کی دلیل (کہ بسا اوقات عالم منکر دیکھ کر خاموش رہتا ہے) حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ قول ہے ۔

جب تم لوگوں کو اس حال میں دیکھو کہ ان کے عہد ایک دوسرے سے گھٹ گئے ہیں اور امانتوں کو ہلکا سمجھنے لگے ہیں ۔ اور وہ جال کی طرح بن گئے ہیں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل فرما کر جال کی صورت بنائی) تو تم اپنے گھر کو لازم پکڑو، اور اپنی زبان کو قابو میں رکھو ۔ خود اپنے نفس کی نگہداشت لازم جانو، اور عوام کا معاملہ ان پر چھوڑو ۔

ابن ماجہ نے ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ۔ تا آنکہ بخل کی حکومت دیکھو ،

خواہشات نفس کی پیروی کیجانے لگے۔ اور لوگ دنیا کو اختیار کر چکے ہوں۔ ہر رائے والا اپنی رائے پسند کرے ایسے میں کوئی ضروری معاملہ درپیش ہو تو تم اپنے نفس کو لازم پکڑو اور عوام کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔

اور اس بات کا ثبوت کہ سلطنتوں کی طرف سے بھی بہت باتیں پھیلائی جاتی ہیں۔ صاحب ہدایہ کا یہ قول ہے کہ:

تکبیرات عیدین میں آج کل عام طور سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مذہب پر عمل ہو رہا ہے۔ کیونکہ خلفائے بنو العباس نے اسی پر عملدرآمد کا حکم دیا۔ لیکن مذہب تو احناف کا قول اول ہی (یعنی چھ زائد تکبیریں)

اور جو میں نے یہ کہا کہ ظہور منکرات کے وقت علماء خاموش رہے ہیں۔ اس کا ثبوت علمائے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین و تابعین کثیرہ متوافرہ ائمہ اجلہ کی وہ خاموشی ہے۔ جو ولید کے مسجد نبوی شریف کے آرائش کرنے پر تھی۔ اس لئے دیوار قبلہ اور دونوں چھتوں کے مابین کی آرائش پر ۴۵ ہزار اشرفیاں خرچ کی تھیں۔ حالانکہ انھیں میں سے امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اس بات پر نکیر کر چکے تھے کہ انھوں نے دیواروں کو اینٹوں کے بجائے منقش پتھروں سے بنوایا۔ اور چھت کو کھجور کے پتوں کے بجائے ساج کی لکڑی سے۔ امام عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں:

ولید بن عبد الملک بن مروان نے سب سے پہلے مسجد شریف کو مزین کیا صحابہ کرام کے آخری عہد کی بات ہے۔ بہت سارے اہل علم اس وقت اس لئے خاموش رہے۔ کہ فتنہ برپا ہوگا۔

اور اس امر کی دلیل کہ (اس معاملہ میں متاخرین پر معاملہ تعامل سے مشتبہ ہو گیا۔ حدیہ کہ علماء بھی شبہ میں پڑ گئے) شیخ مجدد کا وہ قول ہے جسے ہم نقل کر چکے ہیں۔ ہمارے اس بیان سے

گذرنے والوں اور باقی رہنے والوں سبھی کا عذر ظاہر ہو گیا۔ اگر کوئی ہمارے اس بیان پر راضی نہ ہو تو خود اپنے ہی شیوخ اور اساتذہ پر جہل یا سکوت عن الحق کا فیصلہ کرتا ہے۔ حالانکہ وہ اس سے بچ سکتا تھا۔

خلیفہ راشد عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے کتنی سنتوں کا احیاء فرمایا۔ اور کتنی بدعتوں کی تاریکیاں کافور فرمائیں۔ یہ امر ان کے لئے تو اجر عظیم اور بقائے ذکر حسن کا ذریعہ ہے۔ اور بجا طور پر باعث فخر و مباہات ہے۔ لیکن ان سے قبل گذرنے والے صحابہ کرام اور اکابر ائمہ تابعین اعلام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے کسی عتاب یا عیب جوئی کا سبب نہیں۔ کہ وہ لوگ حق سے غافل رہے، یا اس سے خموشی اختیار کی۔ نہ اس سے امیر المومنین پر خوردہ گیری کی گئی کہ آپ نے ان چیزوں کی مزاحمت کیوں کی جس سے متقدمین ائمہ نے پرہیز کیا۔ یا آپ نے ان امور کا انکار کیا۔ جسے ان بزرگوں نے باقی رکھا۔ تو کیا آپ ان سے زیادہ سنت کا علم رکھتے ہیں اور ان سے زیادہ متقی و علیم ہیں ؟ ۔

اور اسی میں تمام مجددین کا معاملہ شامل ہے کہ وہ بھیجے ہی اس لئے جاتے ہیں۔ کہ جو کمزوری آگئی ہے اسے مضبوط کریں۔ اور کہنہ معلوم ہو رہا ہے اس کو نیا کریں۔ اور بسا اوقات ان مجددین سے پہلے ان سے بڑے بڑے اور ان سے زیادہ پرہیزگار علماء گذر چکے ہوتے ہیں۔ اور علمائے غیر مجددین بھی احیائے سنت و اماتت بدعت کے ہی درپے ہوتے ہیں۔ اور کبھی بات پر ان کی تعریف ہوتی ہے۔ جس کا انہیں اجر ملے گا۔ اور جو یہ کارنامہ کئے بغیر گذر گئے نہ تو ان کی برائی ہوتی ہے، نہ کرنے والوں کو عار دلایا جاتا ہے۔ اور یہ تو ایک مشہور مثل ہے۔ کہ پہلے کے بزرگ بعد میں آنے والوں کے لئے بہت سے کام چھوڑ گئے۔

حضرت غوث اعظم، قطب معظم، سید الاولیاء، سند الائمہ (اللہ تعالیٰ ان کے جد کریم خود ان پر اور ان کے اصول و فروع، مشائخ و مریدین۔ اور ان سے نسبت رکھنے والوں پر

اپنی رحمت نازل فرمائے) سے ائمہ کبار نے سند صحیح کے ساتھ بہجۃ الاسرار وغیرہ معتبرات میں روایت کی کہ

"آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا، حضور آپ کا لقب محی الدین کیسے ہوا۔ آپ نے جواب دیا۔ میں ۵۱۱ھ ہجری میں اپنی کسی سیاحت سے جمعہ کے دن بغداد لوٹ رہا تھا۔ اس وقت میرے پاؤں میں جوتے بھی نہ تھے راستہ میں ایک کمزور اور نحیف، رنگ بریدہ مریض آدمی پڑا ہوا ملا۔ اس نے مجھے عبدالقادر کہکر سلام کیا۔ میں نے اس کا جواب دیا تو اس نے مجھے اپنے قریب بلایا اور مجھ سے کہا کہ آپ مجھے بٹھا دیجئے۔ میرے بٹھاتے ہی اس کا جسم تروتازہ ہو گیا۔ صورت نکھر آئی اور رنگ چمک اٹھا۔ مجھے اس سے خوف معلوم ہوا۔ تو اس نے کہا مجھے پہچانتے ہو۔ میں نے لاعلمی ظاہر کی۔ تو اس نے بتایا میں ہی دین اسلام ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے مجھے زندگی دی۔ اور آپ محی الدین ہیں۔

میں وہاں سے جامع مسجد کی طرف چلا، ایک آدمی نے آگے بڑھ کر جوتے پیش کئے۔ اور مجھے محی الدین کہہ کر پکارا۔ میں نماز پڑھ چکا تو لوگ چار جانب سے مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ میرا ہاتھ چومتے اور مجھے محی الدین کہتے۔ اس سے قبل مجھے کسی نے محی الدین نہیں کہا تھا۔

میں کہتا ہوں یہ اس وقت کا واقعہ ہے۔ جب آپ کمال کو پہنچ گئے تھے، اور آپ کی عمر شریف چالیس سال ہو چکی تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت اسلام کی ایسی حالت ہو گئی تھی۔ کہ اس کو مردہ کہا جائے یا نہیں، اگر کہا جائے کہ نہیں۔ تو آپ نے زندہ کس کو کیا۔ اور اور آپ کا نام محی الدین کیوں ہوا؟ اور اگر ہاں کہا جائے تو وہ ائمہ عظام اور اولیائے کرام کیا اسلام کی اس کمزوری سے غافل تھے۔ یا انھوں نے حق کی حمایت چھوڑ دی تھی۔

کہ دین ضعف کی اس حد تک پہونچ گیا تھا۔ یا پھر یہ گمان کیا جائے کہ دنیا علماء و اولیاء سے خالی ہو گئی تھی، حالانکہ یہ تینوں باتیں خلاف واقعہ اور باطل ہیں۔

تو حقیقت وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ جس نے بعد میں احیائے دین کیا اس کے لئے اجر ہے۔ اور جو لوگ پہلے خاموش گذرے ان کے لئے عذر ہے۔ اشیاء کی تقدیر ازل سے ہی دست قدرت میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل بے نہایت سے جس کو چاہتا ہے فضیلت عطا فرماتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مخالفین اذان بیرون مسجد شریعت کو رد کرتے ہیں۔ اور احیائے سنت کا راستہ مسدود کرتے ہیں۔ اس لئے کہ جب کوئی بندہ خدا احیائے سنت و اماتت بدعت کیلئے اٹھے۔ اسے یہ کہہ کر روکا جا سکتا ہے۔ کیا آپ سے پہلے علمائے دین نہ تھے؟ کیا وہ سب جاہل تھے؟ کیا وہ سب غافل تھے؟ یا آپ ان سب سے بڑے عالم ہیں۔ تو یہ صورت حال اس حدیث کریم کا مصداق ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ایک زمانہ وہ بھی آئے گا کہ سچا جھٹلایا جائے گا۔ اور جھوٹے کو شاباشی ملیگی معروف و مشہور باتیں ناپسند ہونگی۔ اور منکرات کو قبول کیا جائے گا۔

یہ ان لوگوں کی مراد اور حیلہ جوئیوں کا جواب ہے۔ اور مکر سے آدمی اپنے نفس کو ہی دھوکہ دیتا ہے۔ ہم تو اللہ تعالیٰ سے عفو و عافیت کے طلبگار ہیں۔

یہاں تک ہم ان کی مشترکہ جد و جہد کی تنقید سے فارغ ہو چکے ہیں۔ اور اب انفرادی کاوشوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ توفیق خیر تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

نفحہ (۱۵) بعضوں نے ایک اثر نقل کیا جسے جریر نے اپنی تفسیر میں ضحاک عن برد بن سنان عن مکحول عن معاذ رضی اللہ عنہم روایت کیا کہ:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے موذنوں کو حکم دیا کہ جمعہ کے روز لوگوں کیلئے خارج مسجد اذان دیں تاکہ لوگ سن لیں، اور یہ حکم دیا کہ آپ کے سامنے اذان دی جائے جیسا کہ عہد رسالت اور عہد صدیقی میں ہوتا تھا۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا ہم نے آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے یہ نئی اذان شروع کی۔

اس حدیث کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ اذان بین یدیہ خارج مسجد نہیں تھی۔ اور اس اذان کیلئے یہ کہنا کہ یہ اذان عہد رسالت اور زمانہ صدیقی رضی اللہ عنہ میں ایسے ہی ہوتی تھی۔ اس لئے صراحۃً یہ ثابت ہوا کہ یہ اذان ان زمانوں میں اندرون مسجد ہوتی تھی۔

جواب۔ اولاً: ہم نویں فقہی نکتہ میں بیان کر آئے ہیں۔ کہ مسجد کے تین اطلاقات ہیں۔ اسی اعتبار سے خارج مسجد کے بھی تین معنی ہوں گے۔ اثر مذکور میں آئے ہوئے لفظ حتی یسمع الناس اور ابتدحناہ عند کثرۃ المسلمین۔ اس امر پر دلالت کرتے ہیں۔ کہ یہاں خارج مسجد سے مراد معنی ثالث ہیں، اور معنی ثانی ہو تو بھی ہمکو کچھ ضرر نہیں کہ ہم بھی تو اسی کے قائل ہیں۔ کہ حدود مسجد کے اندر ہو۔ مگر موضع صلاۃ سے باہر ہو۔ مسجد کے اطلاق کی مذکورہ بالا توضیح ایسے تمام شبہوں کیلئے نسخہ شفا ہے۔

ثانیاً۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ یہ حضرات حضرت ابوداؤد رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح کو رد کرتے ہیں بلکہ حدیث کے راوی محمد ابن اسحاق پر جرح کرتے ہیں۔ جن کی توثیق پر عام ائمہ حدیث و نقد متفق ہیں۔ اور جو یبر کے اثر سے استدلال کرتے ہیں، حالانکہ جو یبر اور ابن اسحاق میں رات اور صبح صادق کا فرق ہے۔ نہ تو تہذیب و کامل میں جو یبر کی توثیق کسی ائمہ تعدیل سے مروی، نہ تہذیب التہذیب میں، نہ میزان الاعتدال میں، نہ لآلی موضوعہ، نہ علل متناہیہ نہ خلاصۃ التہذیب مع زیادات میں، ہے تو صرف جرح ہے۔

چنانچہ نسائی علی بن جنید، اور دارقطنی فرماتے ہیں ——— متروک ہے۔

- ابن معین فرماتے ہیں ——— کچھ نہیں ضعیف ہے۔
- ابن المدینی فرماتے ہیں ——— بے حد ضعیف ہیں۔
- یعقوب بن سفیان نے ان لوگوں میں شمار کیا ——— جن سے روایت نہ کیجائے۔
- امام ابوداؤد نے فرمایا ——— وہ ضعیف پر ہیں۔
- ابن عدی فرماتے ہیں ——— انکی حدیثوں اور روایتوں پر ضعف غالب ہے۔
- حاکم ابواحمد نے فرمایا ——— انکی حدیثیں ضائع ہیں۔
- حاکم ابوعبداللہ نے فرمایا ——— میں انکی حدیثوں سے اللہ تعالیٰ کی طرف برأت ظاہر کرتا ہوں۔
- امام ابن حبان فرماتے ہیں ——— ضحاک الٹی پلٹی حدیثیں بیان کرتے ہیں۔
- لآلی میں فرمایا ——— ہلاک کرنے والے، برباد کرنے والے سخت متروک ہیں۔
- اسی کے حاشیہ میں لسان المیزان سے منقول ہے ——— محدثین کے نزدیک متروک الحدیث ہیں۔
- تقریب میں ہے ——— بے حد ضعیف ہیں۔
- احمد بن سیار نے فرمایا ——— تفسیر میں ان کا حال ٹھیک ہے۔ اور روایت میں کمزور ہیں
- یحییٰ ابن سعید نے فرمایا ——— حدیث میں ان پر بھروسہ نہیں کیا جاتا۔ روایت نہیں کیجاتی، تفسیر لکھی جاتی ہے۔
- اتقان میں ان کے ذکر کے بعد فرمایا ——— ضحاک کی روایت ابن اسحاق سے منقطع ہے اور اگر ضحاک سے جویبر روایت کریں تو اور شدید ہے اور یہ متروک ہیں۔

تو کتنی بے شرمی کی بات ہے کہ جویبر جیسے متروک الحدیث کی روایت سے سند پکڑی جائے اور محمد بن اسحاق جیسے ثقہ کی روایت چھوڑ دی جائے۔

ثالثاً۔ ان حضرات کا ایک ظلم یہ بھی ہے کہ محمد ابن اسحاق کی حدیث پر معنعن ہونے کا

الزام لگاتے ہیں۔ جب کہ مدلس کی معنعن حدیث میں روایت کے منقطع ہونے کا احتمال ہے اور روایت جویبر میں شدید ضعف کے ساتھ ساتھ مکحول عن معاذ روایت ہے جو یقیناً منقطع ہے۔

رابعًا۔ ان حضرات نے جویبر کے اثر کو فتح الباری سے نقل کیا۔ اور اس پر خود صاحب فتح الباری کی یہ جرح چھوڑ دیا۔ کہ یہ اثر مکحول اور معاذ رضی اللہ عنہم کے درمیان منقطع ہے۔

خامسًا۔ صاحب فتح الباری کی یہ تنقید بھی ترک کر دی۔ یہ روایت ثابت نہیں، کہ اس روایت میں ہے کہ عہد عمر کا یہ قصہ حضرت معاذ نے مکحول سے بیان کیا۔ جب کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخری سال شام گئے۔ پھر وہیں رہ گئے۔ مدینہ شریف واپس نہیں آئے۔ یہاں تک کہ طاعون عمواس میں ان کا وہیں انتقال ہوگیا۔

سادسًا۔ ان لوگوں نے صاحب فتح کی یہ تنقید بھی چھوڑ دی۔ کہ متعدد روایتوں سے یہ ثابت ہے کہ اذان اول کا اضافہ کرنے والے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ابن حجر کی ان تنقیدوں سے ثابت ہوا کہ یہ اثر منقطع ہے۔ معلول ہے، بخاری شریف کی احادیث صحیحہ مشہورہ کی مخالفت ہونے کی وجہ سے منکر ہے۔ اور ان حضرات نے سب کو چھوڑا تو خائن ہوئے۔

سابعًا۔ اس عبارت سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے۔ تو بطور عبارۃ النص نہیں۔ بلکہ بطور مفہوم مخالف اور مفہوم مخالف بھی لقبی جو ائمہ احناف کے نزدیک اضعف المفاہیم ہے۔ یوں تو ہمارے ائمہ کے نزدیک مفہوم مخالف کا ہی اعتبار نہیں۔ مفہوم مخالف لقبی کا کیا ذکر، جو الکیہ کے ایک مختصر گروہ کے نزدیک معتبر ہے۔ اور دقاق شافعی اور ابن خویز منداد مالکی کا قول ہے۔

ثامنًا۔ بادشاہ کے پاس تین نفر آئے، ایک تو بادشاہ کے سامنے آیا لیکن باہری دروازے تک، دو اور پیچھے رہے۔ بادشاہ نے ان کے بارے میں دریافت کیا۔ حاجب نے جواب دیا۔ ایک تو بادشاہ کے سامنے ہے۔ اور دو دربار سے باہر ہیں۔ تو حاجب جیسے بادشاہ کے

سامنے کہا گیا وہ دربار کے اندر تھا۔ وہ تو دروازہ پر ہی تھا۔ لیکن جہالت عجب عجب گل کھلاتی ہے۔

نفحہ (۱۶) مذکورہ بالا بیان سے حضرت طلق ابن علی کے اس اثر کا جواب بھی ہو گیا۔ جو امام نسائی نے نقل کیا۔

ہم مدینہ سے چل کر اپنے ملک میں پہونچے اپنے گرجا کو ہم نے ڈھا دیا۔ اور حضور کی خدمت سے لایا ہوا پانی وہاں چھڑک دیا۔ اور گرجا کی جگہ مسجد بنائی اور اس میں اذان دیا۔

اور ترمذی کے اس اثر کا بھی جواب ہو گیا۔ جو حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ

ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک مسجد میں گئے۔ جس میں اذان ہو چکی تھی۔ اور ہم اسی مسجد میں نماز پڑھنا چاہتے تھے۔ تو موذن نے تثویب کہی۔ تو حضرت عبداللہ مسجد سے نکل گئے۔

یہ دونوں حدیثیں اسی روایت کے ہم پلہ ہیں، جو امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ سند کے اعتبار سے یہ روایت مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے قوی بھی ہے۔

من سنن الھدیٰ الصلوٰۃ فی مسجد الذی یوذن فیہ، جس مسجد میں اذان ہوتی ہے اس میں نماز پڑھنا سنن ہدیٰ ہے۔

یہ اثر ہم نفحہ تاسعہ فقہیہ میں ذکر کر آئے۔ مگر ہمیں اس کے جواب کی ضرورت نہیں۔ کہ ہماری طرف سے اس کا جواب دو جلیل القدر امام فتح القدیر اور غایۃ البیان میں دے چکے ہیں۔ کہ ان حضرات نے مسجد کی شرح میں فرمایا۔ ای فی حدودہ لکراھۃ الاذان فی المسجد۔

قال المجاھد دخلت مع عبد اللہ بن عمر مسجداً اذن فیہ الحدیث۔

مطلب یہ کہ جس مسجد کے حدود میں اذان ہوتی ہو وہاں نماز ادا کرنی سنت ہے۔ کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے استدلال کرنے والے نے اس عبارت میں اپنی طرف سے لفظ فیہ کا اضافہ کر دیا۔ اور حوالہ میں صلوٰۃ مسعودی کا نام لکھا۔ حالانکہ صلوٰۃ مسعودی میں یہ روایت صلاۃ امام سرخسی اور صلاۃ امام ابوبکر خواہر زادہ سے ان الفاظ میں مروی ہے۔

ان عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دخل مسجداً لیصلی فخرج المؤذن فنادا بالصلاۃ (الحدیث) یعنی اصل عبارت میں فیہ کا لفظ نہیں ہے

سند اور استدلال کے اعتبار سے اس سے بھی زیادہ ضعیف ایک اور حدیث ہے جس سے وہ غافل تھے ہم نے ہی ان کی رہنمائی کی تھی۔ تو بعض نے اس سے بھی سند پکڑی۔ ابن ماجہ نے وہ حدیث عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان الفاظ میں روایت کی۔

جس نے کسی مسجد میں اذان پائی۔ اس کے بعد مسجد سے بلا ضرورت باہر چلا۔ اور واپس ہونیکا ارادہ بھی نہیں تو وہ منافق ہے۔

استدلال ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں فی المسجد ادراک کا ظرف ہے (یعنی اذان سننے والا مسجد میں تھا خود اذان مسجد میں نہیں ہوئی تھی۔ امام مناوی نے اپنی شرح بنام تیسیر میں اس حدیث کی شرح میں فرمایا۔ من ادرک الاذان وھو فی المسجد (جس نے اذان اس حالت میں سنی کہ وہ مسجد میں تھا)

بلکہ خود ایک دوسری حدیث میں اس کی شرح یہی فرمائی گئی۔ امام احمد سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں۔

جب تم مسجد میں ہو اور اذان دیجائے۔ تو نماز پڑھے بغیر مسجد سے باہر نہ نکلو!

اور انتہائی بے وقوفی یہ ہے کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا جائے۔

میں نے ایک آدمی کو دیکھا جس پر دو ہرے کپڑے تھے۔ تو اس نے مسجد کے اوپر کھڑے ہوکر اذان دی (اور ابو الشیخ نے اسی حدیث کی روایت میں لفظ علی سطح المسجد (مسجد کی چھت پر) کہا، اور اپنی دونوں انگلیاں اپنے کان میں ڈالیں (دراصل حضرت عبداللہ بن زید نے یہ معاملہ خواب میں دیکھا تھا۔

اور طبقات ابن سعد میں حضرت زید ابن ثابت کی ماں نوار رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ:

مسجد کے پڑوس میں میرا گھر سب سے اونچا تھا۔ تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ ابتدا سے اسی پر اذان دیتے تھے۔ لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد بنالی اور اس کی چھت پر کچھ اونچا کر دیا۔ تو اسی پر اذان دینے لگے:

ہم بیان کرآئے ہیں کہ سب صورتیں مسجد بمعنی اول سے خارج ہیں۔ تو ان سے داخل مسجد اذان کے مدعیوں کو کیا حاصل؟ لیکن جاہل نفع اور نقصان میں فرق نہیں کرتا۔ اور بیوقوف اپنی کھوے سے ہی اپنی موت کریدتا ہے۔

نفحہ (۱۷)

دو بے وقوفوں نے ابن ماجہ کی اس حدیث سے استدلال کیا۔ جو حضرت عبداللہ بن زید سے مروی ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے ساتھی (عبداللہ بن زید) نے خواب دیکھا ہے۔ تو اے عبداللہ، بلال رضی اللہ عنہا کے ساتھ مسجد کی طرف جاؤ۔ تم تلقین کرو اور بلال پکار کر اعلان کریں کہ وہ تم سے بلند آواز ہیں۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میں بلال کے ساتھ مسجد کی طرف گیا، میں بلال پر کلمات

اذان تلقین کرتا اور حضرت بلال اسے پکار کر دہراتے۔

یہ استدلال ہذیان جیسا ہے۔

اولاً۔ مسجد کی طرف جانے اور مسجد میں داخل ہونے میں زمین و آسمان کا فرق ہے (اور حدیث شریف میں مسجد کی طرف جانے کی بات ہے۔ مسجد میں داخل ہونے کی نہیں)

ثانیاً۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد مبارک، اور حجرہ ازواج مطہرات میں کوئی فاصلہ نہ تھا حجرے مسجد کے مشرقی کنارہ پر ہی تھے۔ تو دروازہ سے باہر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نشست گاہ مسجد مبارک ہی میں تھی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس حضرت عبد اللہ بن زید کا آنا۔ قریب صبح رات کے آخری حصہ میں تھا۔ اس کی تصریح امام ابوداؤد نے اپنی روایت میں کی ہے۔ اور ابن ماجہ نے اپنی روایت میں جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کی حاضری آخری شب میں فجر سے کچھ پہلے تھی۔ الفاظ دونوں روایتوں کے مندرجہ ذیل ہیں۔

فلما اصبحت اتیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ (ابی داؤد)

فطرق الانصاری رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ رات میں انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ (ابن ماجہ)

اور یہ وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے باہر جانے کا نہ تھا۔ نہ کسی کے حجرہ شریفہ میں داخل ہونے کا تھا۔ تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا تو مسجد مبارک میں تھے۔ یا حجرہ شریفہ میں تو اس صورت حال کے پیش نظر حضرت عبد اللہ اس وقت مسجد میں ہی تھے (روایات سے یہی ظاہر ہے۔ ورنہ اس کا احتمال تو ہے ہی (جو استدلال کو باطل کر دیتا ہے) اور مسجد میں موجود رہنے والے سے یہ کہا جائے کہ مسجد کی طرف جاؤ۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہ ہوگا کہ مسجد سے نکل کر پھر مسجد میں آؤ۔ بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ مسجد کی انتہائی حد تک جاؤ۔ گویا سرکار ان الفاظ سے یہ رہنمائی کرنا چاہتے ہیں کہ مسجد کے حدود میں اذان دی جائے۔ مسجد میں نہیں۔ نہ مسجد سے بہت دور جیسا کہ آسمان سے اترنے والے فرشتے نے انھیں دکھایا تھا۔

پس یہ حدیث تو مخالفین کے خلاف ہماری دلیل ہے۔ اور وہ اس کو الٹ رہے ہیں۔ اور اس بات کی دلیل کہ فرشتے نے انھیں مسجد سے باہر اذان دیکر دکھایا تھا۔ یہ ہے کہ وہ مسجد کی چھت پر دیوار کے اوپر کھڑا ہوا تھا۔ اور وہ تعلیم کے لئے ہی آیا تھا۔ اس لئے آپ نے حکم دیا۔ کہ اندرون مسجد سے نکل کر مسجد کے کنارے کی طرف جاؤ۔ فالحمد للہ۔

ثالثاً۔ اور ان سب سے قطع نظر کیا جائے تو ہم ایک تام اور عام جواب دے چکے ہیں کہ ایسی تمام روایتوں میں مسجد سے اس کے دوسرے اور تیسرے معنیٰ مراد ہیں۔

نفحہ (۱۸) بعض وہابی صاحبان نے اپنا مقصد قرآن پاک سے ثابت کرنے کا قصد کیا ہے۔ حالانکہ قرآن عظیم باطل کا مددگار نہیں ہو سکتا۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن عظیم نے فرمایا۔

(اے ابراہیم) لوگوں سے حج کا اعلان کرو۔

اور سعید بن منصور اور دوسرے محدثین نے حضرت مجاہد سے روایت کی۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کے اعلان کرنے کا حکم ہوا۔ تو آپ نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہوکر بلند آواز سے فرمایا (جسے مشرق و مغرب کے سبھی لوگوں نے سنا) کہ اے لوگو اپنے رب کا جواب دو۔

حضرت مجاہد نے فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مقام ابراہیم پر اعلان کیلئے کھڑے ہوئے۔ تو انھیں لے کر بلند ہونے لگا۔ یہاں تک کہ زمین کے تمام پہاڑوں

سے بلند ہو گیا۔ آپ نے اسی بلندی پر سے لوگوں میں حج کا اعلان کیا۔ جو سات سمندروں کی تہ سے بھی سنا گیا۔

ابن جریر نے حضرت مجاہد سے روایت کی، اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہم سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر پکارا اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا، تو باپوں کی پشت سے اور ماؤں کے شکم سے لوگوں نے ان کی آواز سنی۔

مستدلین کا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعلان کے وقت وہ پتھر مطاف کے اندر دیوار کعبہ کے قریب تھا۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ ملا علی قاری نے شرح لباب میں فرمایا۔

بحر میں کہا گیا کہ علماء نے اسی بات کو ترجیح دی ہے۔ کہ مقام ابراہیم عہد رسالت میں کعبہ شریف سے بالکل متصل تھا۔ ابن جماعہ نے اسی کو صحیح کہا۔

اور ازرقی نے روایت کی کہ مقام ابراہیم جہاں آج ہے وہیں جاہلیت اور عہد رسالت اور زمانہ ابوبکر و عمر رضوان اللہ علیہما میں تھا۔

اور ظاہر یہی ہے کہ بیت اللہ شریف کے متصل ہی تھا۔ پھر بعد میں کسی حکمت کی وجہ سے موجودہ مقام تک کھسکایا گیا۔ حکمت یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی پر کھڑے ہو کر کعبہ شریف کی تعمیر کی تھی۔ تو وہ اسی حال پر دیوار کعبہ کے پاس ہی پڑا رہا۔

ایسا ہی تاریخ ثعلبی اور بقیہ کتب تاریخ میں تحریر ہے:

۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دیواریں چنتے تھے۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اٹھا اٹھا کر دیتے تھے۔ جب دیواریں بلند ہو گئیں، تو مقام ابراہیم اسی کے قریب لایا گیا۔ اور آپ اسی پر کھڑے ہو کر دیواریں چنتے تھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اعلان حج کے وقت بھی وہ پتھر وہیں پڑا رہا۔ بعد میں کسی مصلحت پر

کچھ اور کھسکا دیا گیا۔

اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ عہد قدیم سے ہی وہ موجودہ مقام پر ہی ہے، تب بھی ہمارا دعویٰ ثابت ہے کہ موجودہ جگہ بھی مطاف میں ہی ہے۔ اس لئے کہ مطاف وہ جگہ ہے جہاں سنگ مرمر بچھا ہوا ہے۔ اور مقام ابراہیم اسی میں ہے۔ تو ثابت ہوا کہ اذان داخل مسجد مطلقاً جائز ہے۔ اس میں نہ تو کوئی کراہت نہ کوئی بدعت۔ یہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ یہ استدلال ہذیان سے بھی آگے ہے۔ اور پاگلوں ہیلے دتوں اور بچوں کے لئے بھی قابلِ رشک ہے۔

اولاً ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور عہد جاہلیت میں مقام ابراہیم کے دیوار کعبہ کے متصل ہونے سے یہ لازم نہیں کہ عہد خلیل علیہ السلام میں بھی وہیں رہا ہو۔ اور موجودہ حالت پر قیاس کر کے ایک ادھر اُدھر منتقل ہونے والی چیز پر ماضی کا حکم لگانا جائز نہیں۔ اور ایسے قیاس سے کوئی یقینی بات ثابت نہیں ہوتی۔ اسی لئے تو اس کی تعبیر ظاہر اور اظہر سے کی ہے۔ اور ظاہر دلیل پکڑنے والے کے لئے مفید نہیں۔ اس سے معترض کو تا مُدہ پہونچتا ہے اور آپ مستدل ہیں۔

ثانیاً ۔ تاریخ قطبی میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ وہ پتھر عہد ابراہیم علیہ السلام سے اسی مقام پر قائم ہے۔ پھر اس روایت کو سند میں ذکر کرنا جہالت ہے۔

ثالثاً ۔ قطبی کی روایت سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ مقام ابراہیم کا ٹھکانا کہیں اور تھا۔ تعمیر کی ضرورت سے دیوار کعبہ کے پاس لایا گیا۔ اور عادت یہ ہے کہ جو چیز ضرورۃً کہیں رکھی جاتی ہے۔ ضرورت پوری ہونے کے بعد وہاں سے علیحدہ کر لی جاتی ہے۔ خود حرم شریف میں یہ دستور دیکھا گیا کہ دخول عام کے دن سیڑھیاں اور منبر لگا دیئے جاتے ہیں۔ پھر علیحدہ

کر لئے جاتے ہیں۔ اور ان کے اصل مقام پر انھیں لوٹا دیا جاتا ہے۔

رابعًا۔ اور اگر نسیان بھی یا جائے کہ حضرت خلیل علیہ السلام کے زمانہ میں وہ پتھر دیوار کے قریب تھا۔ تب بھی یہ گمان کرنا کہ اعلان بھی اسی مقام سے کیا گیا۔ زعم باطل ہے۔ جس کی کوئی دلیل نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس پتھر کے وہاں سے منتقل ہونے کی کوئی روایت نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ظاہر یہی ہے کہ منتقل نہیں ہوا۔ تو ہم بتا چکے ہیں کہ یہ استصحاب ہے جس سے مستدل کو فائدہ نہیں پہونچتا۔

خامسًا۔ اس امر کی روایت ہے کہ مقام ابراہیم اعلان حج کے وقت موجودہ مقام پر موجود نہیں تھا۔ جس سے تمام اوہام کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ازرقی نے ہی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ

> میں نے حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ سے مقام ابراہیم میں پڑے ہوئے نشان کے بارے میں سوال کیا۔ تو انھوں نے فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اعلان حج کا حکم دیا گیا تو آپ نے اسی پتھر پر کھڑے ہو کر اعلان فرمایا۔ اعلان سے فارغ ہوئے تو حکم دیا کہ اس پتھر کو لیا کر کعبہ کے دروازہ کے سامنے رکھا جائے۔ اور آپ اسی پتھر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

سادسًا۔ اس شبہ کو جڑ بنیاد سے اس طرح ختم کیا جا سکتا ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام کے اعلان حج کے وقت مقام ابراہیم پر کھڑے ہونے کی روایت اسرائیلی ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بنی اسرائیل کی روایت قبول فرماتے تھے۔ جیسا کہ اس بسموسنہ روایت میں انھوں نے کیا۔ ابن ابی حاتم ربیع ابن انس سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اہل کتاب سے روایت کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی۔ یہ حضرت موسیٰ و خضر علیہم السلام کی ملاقات کے قصہ میں ہے۔ مندرجہ ذیل روایت

کو بھی ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی ثابت رکھا کہ :

میں نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے سدرۃ المنتہیٰ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ انتہائی حد پر ایک بیری کا درخت ہے۔ جہاں تک فرشتوں کا علم پہنچتا ہے۔ اور میں نے ان سے جنۃ الماویٰ کے بارے میں پوچھا۔ تو انھوں نے فرمایا ایسا باغ جن میں شہدار کی روحیں سبز پرندوں کے جسم میں رہ کر سیر کرتی ہیں۔

ابن جریر نے شمر سے روایت کی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت کعب کے پاس آئے اور سدرۃ المنتہیٰ کے بارے میں پوچھا۔

(القصہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اسرائیلی روایت قبول کرتے تھے۔ اور روایت مبحوثہ بھی اسرائیلی ہے۔) ادھر امیر المومنین مولا علی رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوہ ثبیر پر چڑھ کر اعلان حج فرمایا تھا۔ عبدالرزاق وغیرہ نے معمر سے انھوں نے ابن جبیر سے انھوں نے حضرت علی سے (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) روایت کی کہ

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی بنا سے فارغ ہوئے۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جبریل امین کو بھیجا۔ اور انھوں نے حضرت ابراہیم علیہم السلام کو حج کرایا۔ آپ نے عرفات کو دیکھ کر فرمایا میں اس میدان کو پہچان گیا — (ایک بار اس سے قبل بھی حضرت خلیل یہاں آئے تھے) اور اسی وجہ سے اس کا نام عرفہ پڑا۔ یوم النحر کے دن شیطان نے آپ سے تعرض کیا۔ تو حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے اسے سات کنکری مارنے کی ہدایت کی، اور آپ نے ابلیس کو سنگسار کیا۔ پھر دوسرے اور تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔ اسی لئے حج میں رمی جمار شروع ہوئی۔ حضرت جبرئیل امین نے

فرمایا کوہ ثبیر پر چڑھو ۔ حضرت خلیل علیہ السلام نے ثبیر کی پہاڑی پر چڑھ کر اعلان فرمایا۔ اے بندگان خدا اللہ تعالیٰ کی پکار کا جواب دو اے بندگان خدا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو ۔ تو ان کا یہ اعلان ساتوں سمندر سے سنا گیا ۔

یہ سند ہمارے اصول پر صحیح ہے ۔ اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی فرمان ہے ۔ اور معاملہ چونکہ قیاسی نہیں، بالکلیہ سماعی ہے ۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم چونکہ اہل کتاب کی روایت قبول نہیں کرتے تھے ۔ اس لئے لامحالہ یہ بات انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہی سن کر بیان فرمائی ۔ تو اس روایت سے یہ ثابت ہوا کہ اعلان حج منا شریف کے پہاڑ سے ہوا۔ اور یہ بات ساقط الاعتبار ہو گئی کہ اعلان حج مسجد کے اندر مقام ابراہیم سے ہوا۔ اور ان دونوں روایتوں میں کوئی ایسا تعارض بھی نہیں ۔ کہ جبل ثبیر بھی حدود حرم کے اندر ہی ہے چنانچہ عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے روایت کی سارا حرم مقام ابراہیم ہے ۔ بلکہ حضرت ابن عباس سے تو یہ بھی مروی ہے کہ مقام ابراہیم پورا حج ہے ۔

سابعًا ۔ اعلان حج کے مقام میں حضرت ابن عباس سے روایتیں مضطرب ہیں۔ بعض میں تو وہی مقام ابراہیم ہے ۔ اور بعض میں یہ ہے کہ جبل ابو قبیس پر اعلان حج ہوا ۔

چنانچہ ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ :

۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جبل ابو قبیس پر چڑھے اور کہا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ ۔ واشھد ان ابراھیم رسول اللہ

اے لوگو مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ میں لوگوں میں حج کا اعلان کروں، تو تم لوگ اللہ تعالیٰ کی پکار کا جواب دو ۔

اور بعض روایتوں میں جبل ابو قبیس کے بجائے کوہ صفا کا ذکر ہے ۔ ابن حمید کی یہ روایت امام مجاہد سے اس طرح مروی ہے ۔

. حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ مقام صفا پر لوگوں کو حج کا اعلان کریں۔ آپ نے ایسی آواز سے پکارا کہ مشرق و مغرب کے لوگوں نے سنا۔
اعلان کے الفاظ یہ تھے۔ اے لوگو اپنے رب کی پکار کا جواب دو۔

ابو حاتم اور ابن منذر نے عطا سے روایت کی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کوہ صفا پر چڑھے۔ اور پکارا اے لوگو اپنے رب کا جواب دو۔

یہ معلوم ہے کہ حضرت مجاہد کی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے ہی ہے تو اس روایت میں متن اضطراب ہوئے۔ ورنہ دو ہونے میں تو شبہ ہی نہیں ہے۔
پس اس اعتبار سے بھی امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت راجح اور اولیٰ بالاخذ ہے۔ اسی لئے قلبی نے اپنی تاریخ میں امیر المومنین کی روایت پر ہی اعتماد کیا۔ اور دوسری روایتوں کی طرف توجہ نہیں کی۔

ثامناً ساری بحث و مباحثہ کے بعد اعلان حج اگر مسجد حرام میں ہونا ثابت بھی ہو تو یہ گذشتہ شریعت کا ایک فعل ہوگا۔ اور گذشتہ شرائع کے احکام ہمارے لئے دلیل نہیں۔ جب تک قرآن و حدیث میں اس کا بیان بلا انکار نہ ہو۔ چنانچہ اصول امام بزدوی، منار اور فن اصول کے بقیہ تمام متون و شروح میں اس کی تنصیص ہے۔ امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے کشف الاسرار میں فرمایا۔

ہم نے اس میں یہ شرط لگائی کہ اللہ و رسول بے انکار اس کا بیان فرمائیں، اہل کتاب کے قول کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور جو ان کی کتاب سے ثابت ہو اس کا بھی۔ کہ ان لوگوں نے آسمانی کتابوں میں تحریف کر دی ہے۔
اسی طرح اہل کتاب اسلام لانے والوں کی بات کا بھی بھروسہ نہیں کہ ان لوگوں نے

انھیں محرف کتابوں میں دیکھا ہوگا یا انھیں کی جماعت سے سنا ہوگا۔

(درّ کشف الاسرار للبخاری ؎)

بحر العلوم حضرت علامہ عبد العلی رحمۃ اللہ علیہ نے فواتح الرحموت میں فرمایا:

خیال ہو سکتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی بات پر اعتماد ہونا چاہیئے کہ وہ تو بلاشبہ سچے تھے۔ اور ان کی بات میں تو جھوٹ کا احتمال نہیں۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ انھوں نے تو اسی محرف کو کلام الٰہی سمجھ کر سیکھا ہوگا۔ کیونکہ تحریف تو ان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی ہو چکی تھی۔

اور اعلان حج کی یہ روایت ایسی ہی ہے۔ نہ تو قرآن عظیم میں اس کا بیان ہے نہ کسی حدیث مرفوع میں ہی اس کا تذکرہ ہے۔ تو سرے سے اس حدیث سے استدلال ہی غلط ہے۔ یہ بھی اس صورت میں کہ مخالفین کا دعویٰ یوں کا توں تسلیم کر لیا جائے۔ ورنہ تفصیل گذر چکی کہ مسجد حرام کے اندر اعلان حج کا تذکرہ نہ کسی مسلمان سے مروی نہ کتابی سے نہ کوئی اندرون مسجد کی بات تو صرف ان وہابی صاحب کی ہے، تو وہ اپنے دعویٰ میں اپنی خواہش نفس سے ہی استدلال کرتے ہیں۔

تاسعًا۔ قابلِ تعجب بات تو یہ ہے کہ مقام ابراہیم اب بھی مطاف کے اندر ہے" یہ تو مشاہدہ کے خلاف ہے جس کی شہادت ہر حاجی دے سکتا ہے۔

عاشرًا۔ اس سے زیادہ حیرتناک یہ انکشاف ہے کہ جہاں تک سنگ مرمر بچھا ہے سب مطاف ہے۔ جہاں تک عہد رسالت میں مسجد تھی۔ تو زمزم شریف کا اردگرد بھی عہد رسالت کی مسجد میں شامل ہو گیا۔ کہ وہاں بھی سنگ مرمر بچھا ہے۔ اور اگر کسی بادشاہ نے پوری مسجد حرام میں سنگ مرمر بچھا دیا تو وہ بھی عہد رسالت کی مسجد حرام ہو گئی۔ حالانکہ مطاف تو سنگ مرمر کا گول دائرہ ہے۔ جو کعبہ مکرمہ کے گرداگرد ہے۔ اور جس کے کنارہ پر باب السلام

ہے اور بلاشبہ مقام ابراہیم کا قبہ اس سے باہر ہے - اور اہل مکہ ایسے کم عقل تو نہ تھے. کہ نفس مطاف میں قبہ بناتے اور لوگوں پر مطاف کو تنگ کرتے۔

نفحہ (۱۹) مسجد کے اندر اذان جائز ہونے پر اس آیت سے بھی مخالفین نے استدلال کیا ہے۔ اس سے بڑا ظالم کون ہے جو مسجد میں اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے منع کرے۔

اور آیت مبارکہ

اور مسجد جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت ہوتا ہے۔

اور آیتِ گرامی۔

ان گھروں کو اللہ تعالیٰ نے بلند کرنے کا اور اس میں اپنا نام لینے کا حکم دیا۔

اور بقول صاحب مشکوٰۃ صحیحین کی ایک حدیث۔ ورنہ مخرجین نے اسے صرف مسلم کی حدیث قرار دیا ہے۔

۔ یہ مسجدیں پیشاب اور گندگی کے لئے نہیں۔ یہ تو ذکر الٰہی۔ نماز اور تلاوتِ قرآن کے لئے ہیں۔

ہمارے جوابات :۔ اولاً ہم نفحہ قرآنیہ میں اس شبہ کو بالکلیہ حل کر چکے ہیں۔ کہ اذان محض ذکر الٰہی ہی نہیں ہے۔

ثانیاً ۔ مسجد میں اذان منع کرنے کا مطلب آواز بلند کرنے کو منع کرنا ہے۔ اور ذکرِ الٰہی کے ساتھ آواز بلند کرنے کی ممانعت ذکر کی ممانعت نہیں ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ بعض مواقع پر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذکر بالجہر سے منع فرمایا۔ ارشاد نبوی ہے

اے لوگو اپنے نفسوں پر آسانی کرو۔ تم کسی غائب اور بہرے کو نہیں بلا رہے ہو تم تو سننے والے اور دیکھنے والے کو پکار رہے ہو۔

بھلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو ذکر الٰہی سے روکتے تھے۔ ہم ما سبق میں درر وغیرہ کے حوالہ سے واضح کرچکے ہیں کہ ——— مسجد میں بلند آواز سے ذکر مکروہ ہے۔

ملا علی قاری کی مسلک متقسط میں ابن ضیاء کی تصریح ہے کہ۔ مسجد میں آواز بلند کرنا حرام ہے چاہے ذکر الٰہی ہی کیوں نہ ہو۔

کافی حاکم شہید مجموعہ کلام امام محمد، اور محیط، فتح القدیر، بحرالرائق، شرح لباب و شامی وغیرہا میں ہے ——— طواف میں بلند آواز سے قرآن شریف پڑھنا منع ہے۔

تو پناہ بخدا کیا یہ کہا جائے گا کہ یہ سارے ائمہ و علماء معاذ اللہ قرآن و حدیث کی مذکورہ بالا وعید میں داخل ہیں۔ وہ حضرات تو اس وعید سے بلاشبہ پاک ہیں، یہ خود آپ کی اپنی گمراہی ہے۔

ثالثاً۔ یہ وعید شدید ان ائمہ کرام پر بھی وارد ہوگی جنہوں نے مسجد کے اندر اذان کی کراہت پر تنصیص فرمائی۔ وہ تو بلاشبہ اس سے اللہ تعالیٰ کے امن میں محفوظ ہیں۔ ہاں جو ان پر طعن و تشنیع کرے وہی ہلاکت کے گڈھے میں متہور و مردود ہے۔

رابعاً۔ یہ وہابیہ حضرات بدعت کی بحث میں دارمی کے ایک اثر سے استدلال کرتے ہیں۔ جو آپ سے مروی ہے کہ۔

آپ نے ان لوگوں پر انکار کیا۔ جو ایک مسجد میں گروہ در گروہ حلقہ بنا کر بیٹھے نماز کا انتظار کر رہے تھے۔ ہر حلقہ میں ایک آدمی کہتا سو بار اللہ اکبر کہو۔ سو بار لا الٰہ الا اللہ پڑھو اور سو بار تسبیح کرو۔ بقیہ لوگ اس کی بات پر عمل کرتے۔

آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ کیا تم لوگ اس ملت میں ہو جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی زیادہ ہدایت پر ہے۔ یا تم لوگ گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو۔

ان لوگوں نے عرض کی یا ابا عبدالرحمٰن اپنے اس فعل سے ہم لوگ بھلائی کے طلبگار تھے۔ آپ نے فرمایا کتنے بھلائی کے طالب اس تک پہونچتے ہیں ؟

ہم نے اپنے فتاویٰ کی گیارہویں جلد میں اس کے متعدد بھرپور جواب دیئے ہیں۔ لیکن خود ان حضرات سے ان کی یہ محبوب دلیل کہاں رہ گئی۔ یا پھر یہ لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھی وعید من اظلم میں شامل کرتے ہیں۔ اور ان سے کچھ بعید بھی نہیں یہ لوگ تو اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالیاں دے چکے ہیں۔ تو قیامت میں انھیں پتہ چلے گا کہ کہاں پلٹائے گئے ہیں۔

نفحہ (۲۰)

ہم شمامہ عودیہ کے آٹھویں نفحہ میں ذکر کر آئے ہیں۔ کہ امام دارالہجرۃ عالم مدینہ سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اکثر اصحاب نے اس اذان کو بدعت مکروہہ قرار دیا ہے۔ اور اپنے علم کے اعتبار سے اس اذان کا مقام مسنون منارہ کو قرار دیتے ہیں۔ مگر ابوداؤد کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اس اذان کا خطیب کے سامنے ہونا مسنون ہے۔ اور یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ سے ثابت ہے۔ اسی لئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اصحاب تحقیق نے جن میں حافظ ابوعمر بن عبدالبر بھی ہیں۔ اس کی مخالفت کی اور اذان خطبہ کے منارہ پر مسنون ہونے کو بعض اصحاب مالک کا قول بتایا۔

حالانکہ کافی فقہی میں اسے امام مالک صاحب مذہب رحمۃ اللہ علیہ کا قول بتایا۔

تو ایسا بھی ممکن ہے کہ ابن عبدالبر کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی دوسری روایت ملی ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کو سہو لاحق ہوا ہو۔ اور بھول چوک تو انسان کے لئے ہی ہے۔

ابن عبدالبر نے اپنی کتاب استذکار میں جو فرمایا۔ شیخ خلیل نے اسے اپنی توضیح میں نقل کیا۔ ان سے مواہب میں نقل ہوا۔ ہم استذکار کی عبارت امام زرقانی مالکی کی شرح

کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

استذکار میں ہے۔ (یہ موطا کی ایک مختصر شرح ہے، جسے ابن عبدالبر نے تحریر کیا ہے) کہ ہمارے بعض اصحاب پر یہ بات مشتبہ ہوگئی۔ تو ان لوگوں نے عہد رسالت اور عہد شیخین میں اذان جمعہ کے خطیب کے سامنے ہونے سے انکار کیا۔ اور یہ کہا کہ یہ تو ہشام ابن عبدالملک کے زمانہ کی ایجاد ہے۔ یہ علم حدیث سے کم واقفیت رکھنے والوں کا قول ہے (اور اس سے صاحب استذکار کی مراد شاید داؤدی ہیں) پھر اسی استذکار میں اپنے قول پر سائب ابن یزید رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث سے استدلال کیا جو بخاری میں مروی ہے۔ پھر فرمایا کہ اس حدیث کا اشکال ابن اسحاق عن زہری عن سائب ابن یزید نے زائل کر دیا۔ اس حدیث میں ہے کہ جمعہ کے دن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھتے تو آپ کے سامنے اذان ہوتی۔ اور ایسا ہی ابوبکر و عمر رضوان اللہ علیہما کے زمانہ میں بھی ہوتا۔ اما تو دیکھئے کہ اصحاب مالکیہ دو فرقہ ہو گئے۔ ان کے جمہور کا قول ہے کہ خطیب کے سامنے اذان بدعت ہے۔ سنت تو منارہ کی اذان ہے۔ اور جمہور کے اس قول کی مخالفت انہیں میں کے کچھ لوگوں نے کی کہ مسنون اذان تو خطیب کے سامنے کی ہے۔ اور اس کی شہادت میں ابن اسحاق کی حدیث مذکور پیش کی اور یہ ضروری ہی تھا کہ ابن اسحاق کی حدیث کے علاوہ کسی روایت میں بین یدیہ کا لفظ نہیں ہے۔ تو حدیث ابن اسحاق جمہور مالکیہ کی رائے کی مخالفت کرنے والوں کی سند ہے۔ جسے وہ اپنے جمہور پر رد کرتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ان منازعین نے اس حدیث ابن اسحاق کو بھی رد کیا ہے۔

لیکن ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کو اشتباہ ہوا، اور انھوں نے رد کو بھی مردود سمجھ لیا۔ (یعنی یہ سمجھا کہ منازعین اپنے جمہور کے قول کی طرح حدیث ابن اسحاق کو بھی رد کرتے ہیں)

اسی لیے وہ فرماتے ہیں :

"بعض مالکیہ نے ابن قاسم سے انھوں نے امام مالک سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان خطبہ خطیب کے سامنے نہیں، بلکہ منارہ پر ہوتی تھی۔ ایسا ہی ابن عبدالبر نے امام مالک سے روایت کیا کہ امام کے سامنے اذان ہونا۔ امر قدیم نہیں۔

اور محمد بن اسحاق کی جو حدیث طبرانی وغیرہ نے روایت کی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ دروازہ مسجد پر اذان دیتے تھے۔ اس کی مخالفت مالکی حضرات میں سے بہت سے لوگوں نے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اذان جو خطیب کے سامنے ہوتی تھی (دروازہ مسجد پر نہیں) اور یہی روایت بخاری کا مقتضی ہے۔

(ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا تفصیل کے بعد دوسرے گروہ کے اس قول "اذان تو خطیب کے سامنے ہوتی جیسا کہ روایت بخاری کا مقتضا ہے" کا رد کرتے ہوئے فرمایا)

بخاری کی روایت میں نہ بین یدیہ کا ذکر ہے نہ باب مسجد کا۔

ملا علی قاری کا یہ فرمانا کہ "روایت بخاری میں کسی بات کی تصریح نہیں" بجا ہے۔ لیکن مانعین کا استدلال دراصل روایت ابن اسحاق سے ہے (جس میں لفظ بین یدیہ مذکور ہے) بخاری کا نام تو یہ بتانے کے لیے لیا گیا ہے۔ کہ روایت ابن اسحاق کی اصل بخاری میں ہے۔ بخاری نے یہ حدیث مختصر روایت کی اور ابن اسحاق کی سند سے یہی حدیث ابوداؤد نے مفصل تخریج کی ہے۔ اور یہی استدکار کی عبارت سے بھی ہویدا ہے۔

(ایسی صورت میں) بھلا حدیث ابن اسحاق پر اس بات سے کیسے رد ہو سکتی ہے کہ۔ اذان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوتی تھی، خود حدیث ابن اسحاق بھی تو اسی امر کو ثابت کر رہی ہے کہ یہ اذان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوتی تھی۔ تو ایک بات کو خود اسی سے رد

کرنے کے کیا معنی ؟

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام کو اپنی یادداشت پر بھروسہ کر کے لکھا۔ اگر منازعت کرنے والوں کے کلام کو پھر دیکھ لیا ہوتا۔ تو انھیں یہ معلوم ہو جاتا کہ منازعین یہ نہیں کہتے کہ حدیث بخاری میں جمہور ائمہ مالکیہ کا رد ہے حقیقت تو یہ ہے کہ وہ لوگ حدیث ابن اسحاق کو بھی رد نہیں کرتے۔ وہ تو اس حدیث کو اپنے جمہور کی رائے کے خلاف سند میں پیش کرتے ہیں۔

اور اس میں کوئی بعد بھی نہیں۔ کیونکہ اذان کے خطیب کے سامنے ہونے کی تصریح صرف حدیث ابن اسحاق ہی میں ہے۔ تو جو بات خود حدیث ابن اسحاق ہے۔ اسی سے اس حدیث کو رد کیسے کیا جا سکتا ہے۔

لیکن حضرت علی قاری بھول گئے اور خود حدیث اور کلام منازعین کو بھی نہیں دیکھا۔ اور جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔

اور جب ان کے دل میں یہ بات جم گئی کہ اذان بین یدیہ کے قائل مالکی حضرات حدیث ابن اسحاق کا رد کرتے ہیں۔ اور اصحاب بین یدیہ کے قول اور روایت ابن اسحاق میں بھی منازعت ہو گی کہ ان کی حدیث میں آتے ہوئے لفظ باب مسجد سے مراد مسجد نبوی کا ایسا دروازہ ہو، جو منبر کے سامنے نہ ہو تو ان کے دل میں یہ خطرہ گذرا کہ حدیث ابن اسحاق میں مذکور باب مسجد سے مراد یا تو مسجد کا مشرقی دروازہ ہے یا مغربی، اور اس کو مزید تائید اس امر سے ہوئی کہ ان کے زمانہ میں بلکہ ان کے عہد سے ڈیڑھ سو سال قبل سے ہی مسجد شریف کا شمالی دروازہ جو منبر کے بالمقابل تھا۔ ختم ہو گیا تھا۔ اور لوگوں نے وہاں اپنے گھر بنا لئے تھے۔ جیسا کہ علامہ سمہودی نے تحریر فرمایا ہے۔ تو انھیں یہی معلوم ہوا کہ بین یدیہ اور باب المسجد دو مختلف سمتوں میں ہیں۔ اسی لئے انھوں نے اصحاب بین یدیہ کو روایت ابن اسحاق کا مخالف سمجھا۔

پھر پلٹ کر اصحاب بین یدیہ کا رد کیا، کہ حدیث بخاری میں تو بین یدیہ کا لفظ ہے ہی نہیں۔ پھر بین یدیہ روایت بخاری کا متفقی کیونکر ہوا۔ اس لئے آپ حضرات کا علی الباب والی روایت کو رد کرنا صحیح نہیں ہے۔

لیکن خود احناف اذان بین یدیہ کے قائل ہیں، اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی حنفی ہی ہیں۔ اس لئے ان دونوں قولوں میں یوں تطبیق دی کہ ممکن ہے ابتداء میں مسجد شریف کے باب شرقی یا غربی پر اذان ہوتی رہی ہو۔ جیسا کہ روایت ابن اسحاق یا کلام مالک میں ہے۔ لیکن بعد میں معاملہ سامنے پر ہی مستقل ہوگیا اور یہی مراد کلام مانعین کی بھی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ملا علی قاری کی یہ بات تو ایک اشتباہ پر مبنی ہے۔ پھر یہ توجیہ امام مالک رضی اللہ عنہ کے مذہب کے بھی موافق نہیں کہ وہ تو مطلقاً اذان بین یدیہ کے منکر ہیں (پھر ایسی غیر مفید اور بے بنیاد تاویل سے کیا حاصل)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور بعید تاویل بھی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں ہوسکتا ہے کہ عہد رسالت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو اذان باب مسجد پر دیتے تھے۔ وہ اذان نہ ہو صرف اعلان رہا ہو۔ اور یہی حضرت عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اعلان کی اصل ہو۔

یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لے کر حضرت علی قاری جویبر کے مذکورہ بالا اثر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ جس کو خود ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کر کے اس کا رد کیا ہے۔ اور وہیں ایک اور توجیہ بھی ذکر کی ہے۔ ہم ذیل میں اسے نقل کرتے ہیں۔ اس سے اس تاویل کا مطلب بھی کھلے گا۔ اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کا منشا بھی ظاہر ہوگا۔ آپ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اذان اول کا موجد قرار دیکر فرماتے ہیں:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اذان اول کا موجد ہونے کے معارض وہ اثر (اثر جویبر) نہیں ہوسکتا (جس میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

اذان اول خارج مسجد دلائی کہ لوگ سن سکیں۔ پھر اذان بین یدیہ دلائی۔
اور فرمایا کہ ہم نے آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے یہ اذان ایجاد کی) کیونکہ یہ اثر منقطع
ہے اس کا ثبوت نہیں۔ اور حضرت عطار رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ
عنہ کو اذان اول کا موجد نہیں مانتے۔ ان کے بقول حضرت عثمان تو صرف اعلان
کرتے تھے۔ ان دونوں باتوں میں جمع اس طرح ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ
عنہ نے جو اعلان شروع کرایا تھا۔ حضرت عثمان کے دور تک جاری رہا۔ پھر انھوں نے
اپنی رائے سے اس اعلان کے بجائے بلند مکان پر اذان دلانی شروع کردی
اور ان کے امام مطاع ہونے کی وجہ سے لوگوں نے اسی پر عمل درآمد جاری کردیا۔
ہمارا کہنا یہ ہے کہ شیخ علی قاری کی یہ جد وجہد جمع کے بجائے قیح ہے۔ کیونکہ آخر میں انھوں
نے یہ اقرار کیا کہ حضرت ذوالنورین نے ابتدائی اعلان کو اذان کردیا۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
اذان اولی کے موجد ہوئے۔ اور حضرت عطار ابن رباح سرے سے ان کے موجد اذان ہونیکا
ہی انکار کرتے ہیں۔ تو ملا علی قاری علیہ الرحمہ کی یلت جمع بین القولین کیسے ہوئی؟
اس لئے جمع کا صحیح طریقہ وہی ہے کہ صاحب فتح الباری کی طرح کہا جائے (۱) مثبت
روایت (یعنی ذوالنورین کا موجد اذان اول ہونا) نافی (یعنی قول عطار) پر مقدم ہے
(۲) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اذان اول کا موجد ہونا ایسی روایتوں سے ثابت ہے۔
جس کی تردید نہیں ہوسکتی۔ اس لئے نہ تو حضرت عطار کے انکار کا کوئی فائدہ ہوگا۔ نہ تفسیر
جویبر کی روایت اثر انداز ہوگی۔
المختصر ہماری اس تفصیل سے علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے معنی واضح ہوگئے۔
کہ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جس اذان کے بارے میں بین یدی الخطیب
یا علی باب المسجد یا علی المنار ہونے کی بات کہی جاری ہے۔ وہ دراصل اذان نہ تھی۔ نماز جمعہ

کا اعلان تھا۔ اور یہی حضرات فاروق و عثمان کے اعلان بعدہ الاذان کی اصل ہے۔

لیکن حضرت علی قاری کی اس تطبیق پر بھی اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کہ اس توجیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان سے پہلے اعلان کا رواج عہد رسالت سے ہی تھا۔ تو پھر حضرت عمر نے یہی اعلان کر کے یہ کیسے کہا کہ ہم نے اس کی ایجاد کی؟

ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے اس شبہ کا جواب اس طرح دیا کہ۔ یہ اعلان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری عہد اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے پورے زمانہ میں موقوف ہو گیا رہا ہوگا۔ حضرت عمر نے اس کی تجدید کی اور اس کا نام ایجاد رکھا ہوگا۔ جیسا کہ تراویح کی جماعت کو بھی آپ نے البدعت کہا تھا۔ حالانکہ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی حیات ظاہری میں دو تین یوم تراویح کی جماعت قائم فرمائی تھی۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام توجیہات کو ہو سکتا ہے۔ اور ممکن ہے کے لفظ سے شروع کیا ہے۔ کسی بھی توجیہ کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں، نہ سلف صالحین میں سے کوئی ان کی کسی رائے میں ان کا ہم نوا ہے۔ نہ ان کی اس جد و جہد سے مختلف اقوال و روایات میں باہمی تطبیق کا مقصد ہی کچھ حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے تمام امکانات اور احتمالات کا حاصل یہ ہے۔

> کہ عہد رسالت میں اعلان جمعہ مسجد نبوی کے دروازہ پر ہوتا تھا۔ پھر امام جب منبر پر بیٹھتا تو اس کے سامنے اذان خطبہ ہوتی۔ پھر عہد نبوت کے آخری دور یا عہد صدیقی میں یہ اعلان متروک ہو گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد مبارک میں مصلیوں کی کثرت کی وجہ سے پھر اس اعلان کی تجدید کی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد مبارک میں بھی اس اعلان کو جاری رکھا پھر ان کی رائے ہوئی کہ اعلان کے بجائے اذان ہی دی جائے۔

تو وہ اذان جس کا ذکر روایت ابن اسحاق میں ہے۔ جسے وہ مسجد کے دروازہ پر بتاتے ہیں۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ خطیب کے آگے نہیں ہوتی تھی۔ وہ دراصل یہی اعلان تھا اور اذان خطبہ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ہی ہوتی تھی۔ مگر اس پر مندرجہ ذیل اشکالات ہیں۔

اولاً۔ امام مالک رضی اللہ عنہ امام کے سامنے اذان خطبہ دینے سے منع کرتے تھے۔ اس سے قبل کے کسی اعلان کو نہیں۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اذان کے علاوہ کوئی اعلان تھا ہی نہیں۔ کہ امام مالک رضی اللہ عنہ کو اسے روکنے کی ضرورت پڑے۔

ثانیاً۔ یہ تاویل حدیث ابن اسحاق کے بھی خلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منبر پر تشریف فرما ہونے کے بعد جو چیز ہوتی تھی وہ دروازہ مسجد پر بھی تھی۔ اور وہی آپ کے سامنے بھی تھی۔ اور آپ کی تاویل کا مقصد یہ ہے کہ بین یدیہ اور باب مسجد دو علاحدہ جگہیں ہیں۔ دروازہ پر اعلان ہوتا تھا اور بین یدیہ اذان ہوتی تھی۔ تو حدیث ابن اسحاق میں جو چیز مذکور ہے۔ اگر اذان ہے تو وہ در مسجد پر ہوتی تھی۔ اور اگر اعلان تھا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے جو ہوتا تھا وہ بھی اعلان ہی تھا۔ پس دونوں باتوں میں کہاں موافقت ہوئی۔

ثالثاً۔ اس امر پر امت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منبر پر بیٹھنے کے وقت یہی معروف مشہور اذان ہوتی تھی۔ اسی پر کثیر روایتوں کا اتفاق، اور جن اعلام کا اجماع قابل اعتماد ہے۔ ان کا اجماع اسی بات پر ہے کہ عہد رسالت و عہد صدیقی میں اس اذان کے علاوہ کچھ نہ ہوتا تھا۔ ان زمانوں میں تثویب کا رواج بھی نہ تھا۔ ہاں نماز فجر کے لئے البتہ الصّلوٰۃ خیرمن النوم پکارا جاتا تھا۔ اگر اسے تثویب قرار دیا جائے۔ پس اگر روایت ابن اسحاق کی مصرح اذان کو اعلان قرار دیا جائے۔ تو مطلب یہ ہوگا

کہ عہدِ رسالت میں جمعہ کیلئے اذان ہوتی ہی نہیں تھی۔ اور یہ بھی خلافِ اجماع ہے۔ (رابعًا)
اور بقول حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ جب عہدِ رسالت کے اخیر یا عہدِ صدیقی میں یہ اعلان بھی موقوف ہو گیا۔
تو ان دونوں مبارک زمانوں میں جمعہ کیلئے نہ کوئی اعلان ہوتا تھا نہ اذان، اور یہ بھی خلافِ اجماع ہے۔
خامسًا۔ اس صورت میں حضرت عمر کے قول۔ ہم نے مسلمانوں کی کثرت کیوجہ سے اسکو ایجاد کیا۔ کا
مطلب احداث ہی ہوگا، تجدید نہیں۔ کیونکہ جو ہوتا ہے وہ تو زمانہ رسالت سے ہی چالو تھا۔
سادسًا۔ اس تقدیر پر اذان خطبہ ہی تو نو ایجاد ہوئی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا
اس کو اپنی ایجاد کہنا ہی صحیح ہوا۔

سابعًا۔ یہ اعلان حضرات فاروق و عثمان رضی اللہ عنہما کے اعلان کی اصل کیسے
ہوا۔ ان حضرات کا اعلان تو آپ ہی کے بیان کے مطابق اذان خطبہ سے پہلے ہوتا تھا۔ اور
جس کو آپ ان کے اعلان کی اصل بتا رہے ہیں۔ یہ تو عین امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت
ہوتا ہے۔ المختصر اس تاویل کے مفاسد بیان سے باہر اور شمار سے زائد ہیں، حقیقت
وہی ہے۔ جو ہم پہلے بیان کر آئے کہ حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے یہ پوری بحث
احادیث اور کلام متنازعین۔ اور کلام امام مالک اور ان کے متبعین کی طرف مراجعت کے بغیر
لکھ دیا۔ ورنہ یہ اوہام عارض ہوتے نہ حدیث ابن اسحاق کی تاویل نادرست ہوتی۔

عہدِ حاضر کے بعض جاہلوں کا اس بے جان بحث سے زندگی کی مدد چاہنا۔ ڈوبنے والے
کے تنکے کا سہارا ڈھونڈنے کے مترادف ہے۔ اس بحث سے متعلق بعض باتوں کو ہم نفحہ
تاسعہ حدیثیہ میں ذکر کر چکے ہیں۔

لطف یہ ہے کہ اس بحث سے سہارا ڈھونڈنے والوں کا مقصد بھی پورا نہیں ہوتا۔ کہ
ان کا دعویٰ تو مسجد کے اندر اذان ہونے کا ہے۔ اور اس پوری بحث میں اندرون مسجد
اذان ہونے کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔

نفحہ (۲۱) | قہستانی نے شرح نقایہ میں مصنف کے قول۔ دوسری اذان خطیب کے

سامنے نہ ہو گی ۔ کی شرح میں کہا ۔

یعنی ان دونوں سمتوں کے درمیان جو منبر یا امام کے دائیں بائیں متوازی جا رہی ہیں ۔ ان کے قریب اور ان دونوں کے درمیان (یہاں لفظ وسط کی سین ساکن ہے ۔ تو زاویہ قائمہ کے اندر کھڑا ہو یا حادہ و منفرجہ سبھی صورتوں کو شامل ہے ۔ یہ سب زاویے ان دونوں جہتوں سے پیدا ہوتے ہیں جو ان دونوں خطوط متوازیہ سے بنتے ہیں ۔ مفہوم کے اعتبار سے یہ عبارت اس صورت کو شامل ہے ۔ کہ موذن کی پشت امام کے چہرہ کی طرف ہو، لیکن اذان کا قرینہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ موذن کا چہرہ ہی امام کے چہرہ کی طرف ہو ۔

اور اس صورت کو بھی شامل ہے کہ موذن کی پشت امام کی پشت کی طرف ہو ۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ حکم یہ ہے کہ سب امام کی طرف رخ کریں ۔ اور اس کی بات سنیں ۔ اھ

قہستانی کی اس عبارت نے مخالفین کو حیرت میں ڈالدیا ہے ۔ اور اس عبارت کا حل کرنا انھیں مشکل پڑ رہا ہے ۔ اور اس کا مطلب بیان کرنے میں وہ لوگ باہم متناقض ہیں ۔ اور بعض نے تو اس سے اپنی جہالت کی دلیل فراہم کی ۔ اور فی الحقیقت یہ عبارت مخالفین کے پریشان خاطری کے اظہار کا ذریعہ ۔ اور ان کی بے وقوفی کے ظہور کا سبب بنی ۔ اور لطف یہ کہ قہستانی کا یہ بیان بھی خود کوئی قابل اعتماد بات نہیں ۔

تو بتوفیق اللہ تعالیٰ پہلے ہم اس کلام کی تشریح کرتے ہیں ، پھر اس کی کمزوری کا بیان کریں گے ۔ پھر مخالفین کی جہالت واضح کریں گے ۔ اس کے لئے چند توضیحی مقدمات کی تفہیم ضروری ہے ۔

مقدمہ اولیٰ :۔ قفار کے قول بین یدی المنبر میں لفظ منبر بول کر مجازا خطیب

مراد لیا گیا ہے۔ یہ نقلی دلیل سے بھی ثابت ہے اور عقلی دلیل سے بھی۔ دلیل نقلی صاحب بحر الرائق کا یہ قول ہے جو انھوں نے بحر میں فرمایا۔

قول بین یدیہ میں ضمیر خطیب کی طرف لوٹ رہی ہے۔ جو منبر پر بیٹھا ہو، قدوری میں ہے۔

لفظ بین یدی المنبر میں منبر سے مجازاً خطیب مراد ہے۔ کہ اکثر محل بول کر حال مراد ہوتا ہے۔

ایسا ہی سراج الوہاج میں بھی ہے، کہ منبر کا لفظ بول کر خطیب مراد ہے۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ منبر اگر اتنا چوڑا ہو کہ اس کے عرض میں کئی آدمی کھڑے ہو سکتے ہوں۔ تو اگر امام منبر کی ایک طرف بیٹھا اور موذن دوسری طرف سامنے کھڑا ہوا تو اس نے سنت ترک کر دی کیونکہ اس صورت میں وہ امام کے مقابل نہیں ہے، منبر کے سامنے البتہ ہے۔ تو معلوم ہوا کہ سنت یہی ہے کہ موذن خطیب کے سامنے ہو منبر کے سامنے نہیں۔ اس لئے کہ توجہ کا مقصود لکڑی نہیں ہے مسجد نبوی شریف میں کئی سال تک منبر تھا ہی نہیں تو لا محالہ موذن حضور امام الائمہ سید الانام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ہی رخ کرتا تھا۔ یہ امر بالکل ظاہر ہے۔

مقدمہ ثانیہ:۔ مغرب میں ہے۔

الوسط سین کی حرکت کے ساتھ نام ہے کسی چیز کے دونوں کناروں کے ٹھیک بیچ کا جیسے دائرہ کیلئے مرکز۔ اور الوسط سین کے سکون کے ساتھ اسم مبہم ہے تو مثلاً دائرہ کے اندر کسی مقام کو بھی وسط کہا جا سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وسط بالسکون تو کلام میں صرف ظرف واقع ہوتا ہے۔ اور وسط بالتحریک، مبتدا، فاعل، مفعول بہ واقع ہوتا ہے۔ اور اس پر حرف جر بھی داخل ہوتا ہے۔ اور وسط بالسکون ان میں سے کسی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے وَسطَ خیرٌ مِّن

طرفہ اس کا بیچ کنارہ سے اچھا ہے۔ اس صورت میں وسط مبتدا، واقع ہوا ہے۔ واتسع وسطہ' یہ وسط کے فاعل ہونے کی مثال ہے کہ اس کا بیچ وسیع ہوا۔ ضربت وسطہ اس کے بیچ میں مارا یہ مفعول بہ واقع ہونے کی مثال ہے۔ اور بلت فی وسط الدار تم نے بیچ گھر میں پیشاب کر دیا۔ یہ فی داخل ہونے کی مثال ہے۔ لیکن وسط بالسکون کے استعمال کی صرف صورت یہ ہے کہ یہ ترکیب میں ظرف واقع ہوتا ہے۔ جیسے جلست وسطہ میں گھر میں بیٹھا۔ یہاں وسط مفعول فیہ ظرف واقع ہے۔ اھ

ایک علامت یہ بھی ہے۔

کہ وسط بالتحریک مذکر مونث، واحد، تثنیہ، جمع سب کی صفت بن سکتا ہے قرآن عظیم میں ہے وجعلنٰکم امۃ وسطا۔ ہم نے تم کو امت وسط بنایا یہاں لفظ وسط مونث کی صفت ہے۔ ﷲ علی ان اھدی شاتین وسطا میں اللہ تعالیٰ کے لئے دو متوسط بکری نذر کرتا ہوں یہاں وسط تثنیہ مونث کی صفت ہے واحق عبدین وسطا۔ میں اللہ تعالیٰ کے لئے دو متوسط قسم کے غلام آزاد کروں گا۔ یہاں وسط تثنیہ مذکر کی صفت ہے۔ اھ

صحاح جوہری میں ہے۔

جہاں لفظ بین کا محل استعمال ہو وہاں وسط بالسکون پڑھا جائے جیسے جلست وسط القوم میں قوم کے درمیان بیٹھا۔ اور لفظ بین کا محل استعمال نہ ہو تو وسط بالتحریک ہوگا جیسے جلست وسط الدار میں گھر کے ٹھیک بیچ میں بیٹھا۔ کہیں بالسکون بھی کہہ دیتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں۔ (اھ بحر)

مقدمہ ثالثہ:۔ جس کسی بھی زاویہ کے وتر کے منتصف کو مرکز مان کر وتر کے ایک کنارے

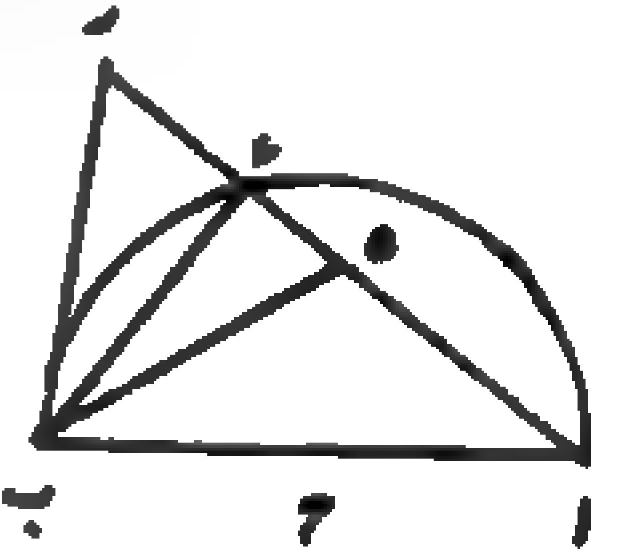
سے دوسرے کنارے تک زاویہ کی جہت میں کوئی قوس بنائی جائے۔ تو اگر زاویہ مذکورہ قائمہ ہوگا تو قوس اس کے راس سے۔ اور اگر زاویہ منفرجہ ہوگا۔ تو قوس زاویہ کے ورار سے اور زاویہ حادہ ہوگا تو قوس اس زاویہ کے نیچے سے گذرے گی۔

اسی کو الٹ کر یوں بھی کہا جا سکتا ہے۔ کہ اگر قوس زاویہ کے راس سے گذرے تو زاویہ قائمہ ہوگا اور قوس زاویہ کے ورارے گذرے تو زاویہ منفرجہ ہوگا۔ اور قوس زاویہ کے نیچے سے گذرے تو زاویہ حادہ ہوگا۔

اسی مدعا کا اظہار بلفظ دیگر یوں بھی ہو سکتا ہے۔ کسی بھی خط کے تنصیف کے بعد اس متنصف پر خط کے ایک کنارے سے دوسرے کنارہ تک قوس بنائی جائے۔ اور یہ خط کسی ایسے مثلث کے قاعدے پر منطبق ہو جائے۔ جو جانب قوس واقع ہے۔ تو اگر مثلث کا راس خود اسی قوس پر واقع ہو تو وہ زاویہ قائمہ ہوگا۔ اور اس قوس سے باہر کی طرف واقع ہو تو زاویہ حادہ ہے۔ اور قوس کے اندر واقع ہو تو زاویہ منفرجہ ہوگا۔

اور اسے الٹ کر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر زاویہ راس قائمہ ہو تو نفس قوس پر واقع ہوگا۔ اور حادہ ہو تو قوس کے باہر۔ اور منفرجہ ہو تو قوس کے اندر واقع ہوگا۔

(توضیح دعویٰ)



ہم نے مان لیا کہ اب ایک خط ہے جس کو مقام ج پر نصف کر دیا گیا ہے۔ اور اسی ج کو مرکز مان کر اسے شروع کر کے ح سے ہوتی ہوئی ب تک ایک قوس بنائی۔ ا ح ب پھر اسی خط اب کو تین مثلثوں ا ر ب، ا ر ب، ا ہ ب کا قاعدہ قرار دیا تو زاویہ، جو قوس پر واقع ہے قائمہ ہے۔ اور زاویہ ر جو قوس سے باہر ہے حادہ ہے۔ اور زاویہ ہ جو قوس کے اندر واقع ہے منفرجہ ہے۔

اور بالعکس یوں بھی کہہ سکتے ہیں اگر زاویہ قائمہ ہے تو قوس پر نا قد ہے جیسے زاویہ ۶ ۔ اور حادہ ہے تو قوس سے باہر ہے ۔ جیسے زاویہ ر اور اندر ہے تو زاویہ منفرجہ ہے جیسے زاویہ ہ

(ثبوت دعویٰ کی تقریر)

یہ اس لئے کہ قوس نصف دائرہ ہے ۔ اور اسی پر زاویہ واقع ہے ۔ اس لئے مقالہ ثالثہ کی تیسویں شکل کے حکم سے یہ ضرور قائمہ ہے ۔ اور چونکہ زاویہ قائمہ کے پہلو والا زاویہ بھی قائمہ ہوتا ہے ۔ اس لئے زاویہ ر کا حادہ ہونا ضروری ہے ۔ ورنہ مثلث ب ر ی بیک وقت دو زاویہ قائمہ ہونا لازم آئے گا ۔ جو مقالہ اولیٰ کی شکل بتیس[۳۲] کی رو سے محال ہے۔

اسی طرح اسی دلیل سے مثلث ب ہ ر کا زاو ہ بھی حادہ ہے ۔ (اور چونکہ حادہ کے پہلو زاویہ منفرجہ ہوتا ہے) اس لئے مثلث ب ا ہ کا زاویہ ہ ضرور منفرجہ ہے جیساکہ مقالہ اولیٰ کی تیرہویں شکل سے ظاہر ہے ۔

یا یوں کہئے زاویہ ر قائمہ ہے تو لامحالہ نفس قوس پر واقع ہے ۔ اس لئے کہ یہ ر کی طرح خارج قوس واقع ہو ـــــ یا ہ کی طرح تحت قوس تو جس طرح زاویہ ر قائمہ ہے اسی طرح ہ اور ر بھی قائمہ ہو جائیں گے ۔ اور ایک مثلث میں دو ۔ دو زاویہ قائمہ ہونگے۔

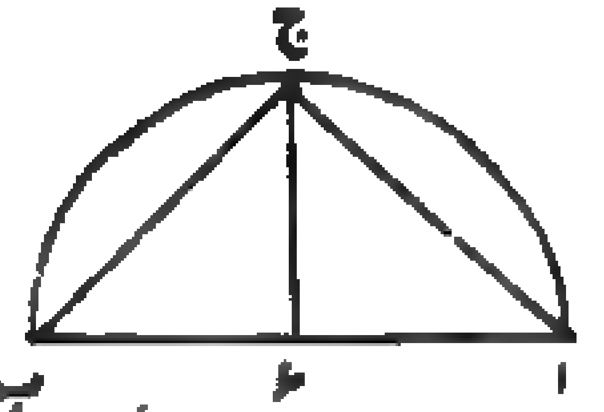
یا یوں کہیے کہ اگر زاویہ ہ منفرجہ ہے ۔ تو لامحالہ داخل قوس ہوگا ۔ کیونکہ اگر وہ نفس قوس پر ہو تو اس کا قائمہ ہونا لازم آئے گا ۔ یا خارج قوس ہو تو حادہ ہونا لازم آئے گا۔ دلیل مذکورہ بالا کی رو سے ۔

یا یوں کہئے کہ زاویہ س اگر حادہ ہے تو لامحالہ وہ خارج قوس ہوگا ۔ کیونکہ نفس قوس پر ہونے کی صورت میں لامحالہ وہ قائمہ ہو جائے گا ۔ یا داخل قوس ہو تو منفرجہ ہونا لازم آئے گا ۔ دلیل اوپر مذکور ہوئی ۔ اور یہی ہمارا دعویٰ تھا ۔ ہماری اس

دلیل سے پہلی عبارت اصلاً و عکساً ثابت ہوئی۔

مقدمہ رابعہ :- جس کسی زاویہ غیر حادہ کے راس سے اس زاویہ کے قاعدے پر عمود کا نزول ہو تو وہ عمود ہمیشہ قاعدے کا نصف ہوگا بشرطیکہ زاویہ قائمہ متساویۃ الساقین ہو ورنہ عمود بحالت۔ قاعدے کے نصف سے بھی چھوٹا ہوگا۔ (۲) خواہ وہ زاویہ مطلقاً منفرجہ ہو (۲) یا قائمہ مختلفۃ الساقین ہو۔

(۱ کی توضیح اور ثبوت)



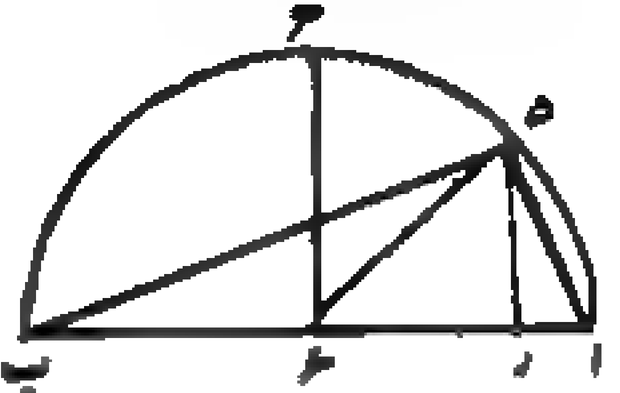
مان لیجیے کہ مثلث اب ج کا زاویہ ج قائمہ متساویۃ الساقین ہے تو عمود ج د جو اس زاویہ کے راس سے اس کے قاعدے پر ڈالا گیا ہے۔ وہ خط اب یعنی قاعدے کا نصف ہے۔ اس کی بہت سی دلیلیں ہیں۔ ایک دلیل مندرجہ ذیل ہے۔

ج اب اور ج ب ا یں ا ور ب دونوں زاویے مقالہ اولیٰ کی پانچویں (شکل ماموتی) شکل کی رو سے برابر ہیں۔ کیونکہ اس مثلث کی دو ساقین اج اور ج ب برابر ہیں۔ اور جب ج زاویہ قائمہ ہے۔ تو اس کے بقیہ دونوں زاویے یعنی ا اور ب نصف قائمہ ہوں گے مقالہ اولیٰ کی بتیسویں ۳۲ شکل کی رو سے۔ (اور زاویہ ج سے جو خط قاعدے تک آیا ہے۔ اس سے دو مثلث بن گئے ہیں۔ ا د ج اور ج د ب) اور اس خط کے عمودی ہونے کی وجہ سے زاویہ د قائمہ ہے۔ تو زاویہ ج نصف قائمہ ہوگا۔ مقالہ اولیٰ کی بتیسویں شکل کی رو سے اور زاویہ ب پہلے ہی بیان سے نصف قائمہ ثابت ہو چکا ہے۔ پس اس مثلث کی دونوں ساقین ج د اور د ب بھی مساوی ہوں گی مقالہ اولیٰ کی چھٹی شکل کی رو سے۔

اور اسی بیان سے دوسرے مثلث کی دونوں ساقیں ج د اور اد بھی مساوی

ہوں گی تو قاعدے کے دونوں ٹکڑے ا ر اور ر ب مساوی ہو گئے۔ اور قاعدے اب کا نصف نصف ہونگے۔ اور خارج ر کے بھی مساوی ہونگے کہ مساوی کا مساوی مساوی ہوتا ہے۔ تو ثابت ہوگیا کہ مثلث قائمۃ الزاویہ متساوی الساقین کے راس سے قاعدے پر اترنے والا خط قاعدے کا نصف ہوتا ہے۔

(عـ۲ کی توضیح اور ثبوت)



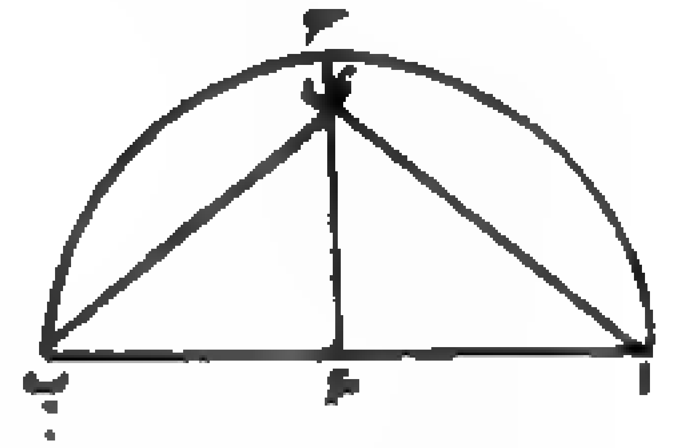
ہم نے فرض کیا کہ مثلث ا ہ ب۔ میں زاویہ قائمہ مختلف الساقین ہے۔ تو ہمارا دعویٰ یہ ہے خط ہ ر نصف اب یعنی نصف قطر سے چھوٹا ہے۔ اس لئے کہ ر یہاں مرکز نہیں۔ ورنہ پیش نظر دونوں مثلث یعنی ا ر ہ اور ہ ر ب۔ میں دونوں خط ا ر اور ر ب برابر ہو جائیں گے۔ اور ہ ر دونوں مثلثوں میں مشترک۔ اور دونوں مثلثوں میں ر زاویہ قائمہ (یعنی دو قائمے) پس مقالہ اولی کی شکل رابع سے لازم آئے گا کہ ا ہ اور ہ ب۔ دونوں ساقیں مساوی ہوجائیں اور یہ خلاف مفروض ہوگا (کہ ہم نے زاویہ قائمہ مختلف الساقین مانا تھا اور یہاں دونوں کا مساوی ہونا لازم آیا) جب ر کو مرکز ماننے پر خلاف مفروض لازم آیا۔ تو مان لیجئے کہ مرکز دراصل ر ہے اور ر ہ کو ملا کر نصف قطر کر لیجئے۔ اس صورت میں ہ ر ہ ر کے برابر ہو تو (مقالہ اولیٰ کی پانچویں شکل کے لحاظ سے زاویہ اور زاویہ ر دونوں برابر ہو ں گے۔ (اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ زاویہ ر قائمہ ہے۔ تو زاویہ ر بھی قائمہ ہوگا۔ تو ایک مثلث کے دو زاویے قائمہ ہو گئے (اور یہ محال ہے تو لامحالہ ہ ر ہ ر دونوں ساقیں برابر نہیں)

ایک صورت یہ بھی ہے کہ ہ ر کو ہ ر سے بڑا مانا جائے۔ تو مقالہ اولیٰ کی اٹھارہویں شکل سے لازم آئے گا کہ زاویہ ر جسکے وتر ہ ر کو ہم نے ہ ر سے بڑا مانا ہے۔ چھوٹے

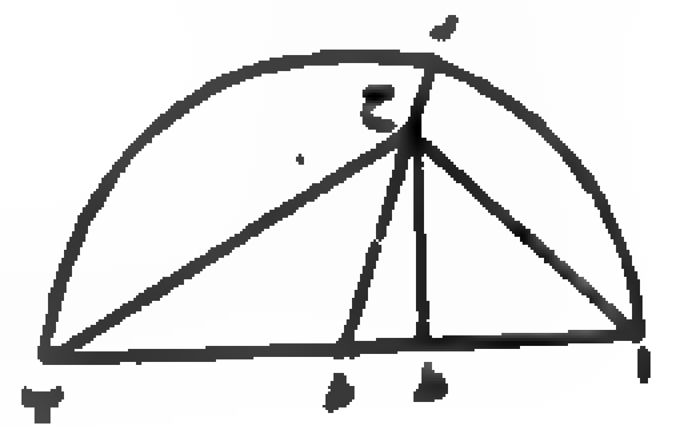
وتر والے زاویہ قائمہ یعنی ر سے بڑا ہو جائے۔ اور زاویہ قائمہ سے جو زاویہ بڑا ہو گا وہ منفرجہ ہی ہو گا۔ تو لازم آئے گا کہ ایک مثلث میں زاویہ قائمہ اور زاویہ منفرجہ دونوں جمع ہو گئے اور یہ بھی محال ہے۔ اور ہ س کے نصف قطر سے بڑے اور برابر ہونے کی صورتیں محال ہو گئیں۔ تو لامحالہ ہ س۔ ہ ر نصف قطر سے چھوٹا ہے اور ہم اسی کے مدعی تھے۔

(ج کی توضیح اور ثبوت)

زاویہ منفرجہ میں اس خط نازل کا نصف قطر سے چھوٹا ہونا زیادہ واضح ہے۔



زاویہ منفرجہ متساوی الساقین جیسے مثلث ای ب یا مختلف الساقین جیسے مثلث اح ب کیونکہ یہ زاویہ بہر تقدیر قوس کے اندر ہو گا۔ تو اس زاویہ سے جو عمود بھی قطر پر نازل ہو گا۔ یا تو مثلث ای ب کی طرح مرکز سے ہو کر گزرے گا۔ جیسے خط ر ی تو وہ یقیناً نصف قطر یعنی خط ر ج کا جز ہو گا۔ (اور اگر زاویہ مختلف الساقین میں ہو گا۔ جیسے ح ط کہ یہ مرکز سے ہو کر نہیں گزرتا۔)

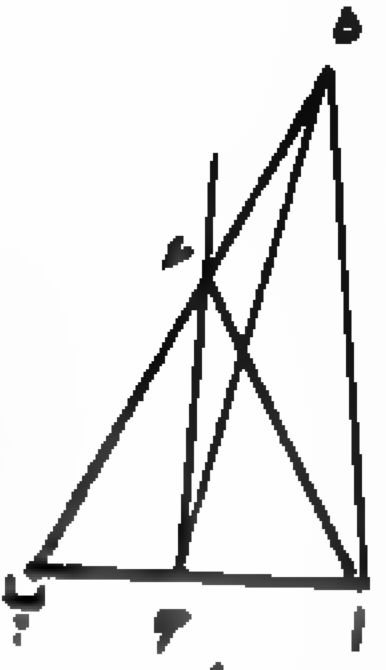


تو ہم ح کو ر ک کی طرف لے چلیں گے (اور ر ک نصف قطر ہے) تو ر ح۔ ر ک سے چھوٹا ہو گا۔ کیونکہ ر ک زاویہ قائمہ کا وتر ہے۔ جس کو ح ط سے بڑا ہونا چاہئے۔ جو زاویہ حادہ کا وتر ہے مقالۂ اولیٰ کی شکل ۱۸ کی رو سے اور یہی ہمارا مدعا ہے۔

مقدمہ خامسہ :۔ ہر وہ خط جس کے نصف پر کوئی عمود قائم کیا جائے۔ اور پھر اس خط کے دونوں کناروں سے ایسے دو خطوط کھینچیں۔ جو پہلے خط پر ایسے دو زاویئے پیدا کریں۔ جس کا مجموعہ دو قائمہ سے کم ہو۔ اور اس صورت میں یہ دونوں زاویئے برابر ہوں تو

خطین کا ملتقی عمود پر ہوگا۔ اور برابر نہ ہوں تو دونوں خطوں کا ملتقی عمود سے باہر ہوگا۔ اور ہر صورت میں اس کا احتمال ہے۔ کہ ان دونوں خطوں کے ملتقی کا زاویہ قائمہ۔ یا حادہ۔ یا منفرجہ ہو۔

(توضیح ثبوت)



مان لیجیے کہ ا ایسا خط ہے۔ جس کا نصف نقطہ ج ہے۔ اور اس پر ایک غیر محدود عمود ج ء قائم کیا گیا۔ پھر اس خط کے دونوں کناروں سے دو خط ا ء اور ب ء ایسے کھینچے گئے جو خط اول کے اوپر دو برابر زاویے اب پیدا کرتے ہیں۔ تو وہ دونوں خطوط عمود کے نقطہ ء پر ملیں گے۔ اور دونوں زاویے برابر نہ ہوں تو لامحالہ یہ دونوں خطوط عمود سے خارج ملیں گے۔

مثلاً مانا گیا وہ نقطہ ہ پر ملے ہوئے ہیں۔ ہم نے ہ ج کو ملا دیا۔ تو یہاں دو مثلث ا ج ہ اور ب ج ہ پیدا ہوئے۔ جس میں خط مفروض کے دونوں نصف ا ج اور ب ج بالفرض برابر ہیں۔ اور چونکہ زاویہ ا، اور زاویہ ب برابر فرض کیا گیا ہے۔ اس لئے مقالہ اولیٰ کی شکل خامس سے جس طرح ا ج اور ب ج برابر ہیں۔ اسی طرح ا ہ اور ب ہ بھی برابر ہوں گے۔ اور ہ ج دونوں مثلث میں مشترک ہے۔ تو لامحالہ مقالہ اولیٰ کی شکل ثامن کی وجہ سے زاویہ ا ج ہ اور زاویہ ہ ج ب برابر ہونگے۔ اور مقالہ اولیٰ کی شکل ۱۳ سے ثابت ہے کہ دونوں مل کر دو قائمہ ہونگے یعنی ہر زاویہ قائمہ ہوگا حالانکہ ا ج ء قائمہ ہے اور ا ج ہ بھی قائمہ ہوگیا (جو خود اس کا جزء ہے) اور اس صورت میں جزو کل کا مساوی ہونا لازم آتا ہے۔ جو محال ہے۔

دوسری صورت کی توضیح یہ ہے کہ ہم خط مفروض کے دونوں کناروں سے ایسے دو خط ا ہ اور ب ہ کھینچتے ہیں۔ خط کے اوپر مختلف زاویے بناتے ہیں۔ تو ہمارا دعویٰ یہ ہے ملتقی عمود سے خارج نقطہ ہ پر ہوگا ورنہ یہ ماننا پڑے گا۔ کہ یہ دونوں خط بھی

عمود کے نقطہ ر پر ملے ہیں اور یہاں مثلث اج ر۔ اور مثلث رج ب میں خط کے دونوں نصف اج اور ج ب برابر ہیں۔ اور رج دونوں مثلثوں میں مشترک اور زاویہ ج دونوں مثلث میں قائمہ اس لئے شکل رابع زاویہ اور ب برابر ہوئے حالانکہ ہم نے ان دونوں کو مختلف فرض کیا تھا۔ اور یہ خلاف مفروض دعویٰ کہ نہ ماننے سے لازم آیا۔ تو دعویٰ ثابت ہوا۔

تیسری صورت کہ دونوں قسم کے ملتقیٰ پر تینوں ہی قسم کے زاویے کا احتمال ہے۔ اسکی توضیح یہ ہے کہ دونوں کناروں سے کھینچے خطوط اور خط اول سے پیدا ہونے والے دونوں زاویوں کا مجموعہ اگر قائمہ کے برابر ہے تو ملتقیٰ زاویہ قائمہ ہوگا اور مجموعہ زاویتین اگر قائمہ سے چھوٹا ہے تو ملتقیٰ کا زاویہ منفرجہ ہوگا۔ اور اگر مجموعہ قائمہ سے بڑا ہے۔ تو ملتقیٰ کا زاویہ حادہ ہوگا۔ خواہ خط اول پر پیدا ہونے والے زاویے باہم برابر ہوں یا نہ ہوں۔ یہ ساری باتیں مقالہ اولیٰ کی شکل ۳۲ سے ثابت ہیں۔

مذکورہ بالا توضیحات کی معرفت اور لفظ بین یدیہ کے معنی کو دوبارہ ذہن میں تازہ کرلینے کے بعد (لفظ بین یدیہ کی وضاحت ہم اسی شمامہ کے لمعہ اولیٰ میں کر آئے ہیں۔ کہ بین یدیہ مرکب اضافی ہے۔ تو ایک معنی مضاف اور مضاف الیہ کے تفصیلی ترجمہ کے لحاظ سے ہوں گے۔ دونوں ہاتھ کے درمیان۔ اس معنی کے تین مصادیق ہیں۔ دونوں ہاتھ سامنے پھیلائیں تو وہ فضا جو دونوں ہاتھ کے درمیان محصور ہے۔ اور ایسے ہی پیچھے پھیلائیں تو پیچھے کی فضا کو جو دونوں ہاتھوں کے درمیان محصور ہے۔ اور جب ہاتھ لٹکالیں تو دونوں مونڈھوں کے بیچ کی دوری جس کو ایک خط کے ذریعہ سمجھا جا سکتا ہے۔ جو ایک مونڈھے کے وسط سے دوسرے مونڈھے کے وسط تک سیدھا فرض کیا جائے۔

لیکن اس لفظ کے عام استعمال کا معاملہ ہو یا خاص بین یدی الخطیب کا موقع ہو

عام طور سے اس لفظ کے معنی ترکیبی تفصیلی مراد نہیں ہوتے۔ بلکہ دوسرے معنی اجمالی عرفی یا لغوی مراد ہوتے ہیں۔ جس میں دونوں لفظ کے علٰحدہ علٰحدہ معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ مرکب لفظ کو اکائی مان کر پورے مرکب کے ایک ہی اجمالی معنی مراد ہوتے ہیں۔

تو لفظ بین یدیہ کے اجمالی معنی کو یوں سمجھئے کہ دونوں مونڈھوں کے درمیان جو سیدھا خط ہم نے فرض کیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ وہ جسم کے عرض میں ہی ہوگا۔ اس کے دونوں کناروں پر دو عمودی خطوط سامنے فرض کیا جائے۔ جو اسی فاصلہ پر بالکل متوازی سامنے چلے جائیں۔ ان دونوں خطوں کے درمیان جو بھی ہے۔ اسی کو بین یدیہ کہا جائے گا۔ اس مضمون پر ہم مدارک اور کشاف کی شہادۃ بھی پیش کر چکے ہیں۔) قہستانی کی مندرجہ بالا عبارت کے حسب ذیل جملہ کا مطلب مکمل ہو گیا۔

اذن ثانیا بین یدیہ ای بین الجهتین المسامتین لیمین المنبر اوالامام ویسارہ قریبا منه۔

دوسری اذان بین یدیہ ہوگی۔ یعنی ان دونوں متوازی جہتوں کے درمیان جو منبر یا امام کے دائیں بائیں اور اس سے قریب ہو۔

یہاں قہستانی کے لفظ قریبا منه کے یہ معنی نہیں کہ موذن امام یا منبر کے متصل ہو بلکہ ایسا قریب مراد ہے جو محل استعمال کے مناسب ہے۔ اور یہاں جب مسجد کے اندر مطلقاً اذان منع ہے۔ تو لامحالہ یہاں قریب کا مطلب مسجد سے باہر مسجد کے حدود کے اندر ہوگا۔ گذشتہ اوراق میں لفظ قریب پر بھی ہم بھرپور روشنی ڈال چکے ہیں۔

اب اس خط کو جو ہم نے دونوں مونڈھوں کے درمیان فرض کیا تھا۔ اور جس کا نام ہم نے خط کتفی رکھا تھا۔ اس کے ٹھیک بیچ میں ایک تیسرا عمود فرض کریں۔ تو یہ عمود دونوں متوازی خطوں کے بھی ٹھیک بیچ میں ہوگا۔ جس کو اہل لغت وَسَط بالتحریک کہتے ہیں۔ اور ان دونوں

متوازی خطوں کے درمیان میں جو کشادگی ہوگی۔ اسکو وسط بالسکون کہا جاتا ہے۔

علامہ قہستانی کی بقیہ عبارت مندرجہ ذیل ہے :-

وسطهما بالسكون فيشمل اذا اذن في زاوية قائمة۔ او حادة او منفرجة حادثة من خطين خارجين من هاتين الجهتين۔

اذان ثانی ان دونوں جہتوں کے وسط بالسکون میں ہوگی تو یہ ان سب صورتوں کو شامل ہوگی جب موذن زاویہ قائمہ اور حادہ یا منفرجہ میں کھڑا ہو۔ یہ سب زاوئے ان دونوں خطوں کے نکتہ اتصال پر پیدا ہوں گے جو ان دونوں جہتوں سے نکل رہے ہیں۔

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ موذن کے خطیب کے سامنے کھڑے ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ موذن کا عمود یعنی خط وسط پر کھڑا ہونا ضروری ہے۔ بلکہ خط کشی کے دونوں کناروں سے نکلنے والے خطوط متوازیہ کے درمیان کشادگی میں عمود وسط سے ادھر ادھر ہٹ کر کھڑا ہونا بھی کافی ہے۔ جیسا کہ شیخ قہستانی کے قول وسطهما بالسکون سے ظاہر ہے۔

اب جی چاہے وسطهما کا عطف قریبًا منہ پر مانو۔ کہ لفظ وسطهما اور قریبًا منہ پاس پاس ہی ہیں۔ یا بین الجہتین پر عطف تفسیری مانو ہر طرح معنی درست ہے۔

اس عمود وسط کے آزو بازو اور خطین متوازیین کے درمیان کہیں کھڑے ہونے کو قہستانی ریاضی کی زبان میں سمجھانا چاہتے ہیں۔ کہ موذن چاہے زاویہ قائمہ پر کھڑا ہو، چاہے زاویہ حادہ پر اور چاہے منفرجہ پر ہر طرح کھڑے ہونے کو بین یدی خطیب کہا جائیگا۔

سوال یہ ہے کہ یہ زاوئے جن کی ساقوں کے درمیان موذن کھڑے ہو کر اذان دے سکتا ہے مسجد کے اندر اس طرح کہ مفروضہ خط کشی کو ان مثلثوں کا وتر مانا جائے۔ اور اس کے

دونوں کناروں سے نکل کر جو دو خط عمود وسط پر ملتے ہیں۔ انھیں کے نکتۂ اتصال پر تلے اوپر جو زاویہ منفرجہ اور قائمہ پیدا ہوتے ہیں۔ وہی موذن کے کھڑے ہونے کا مقام ہو تو یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ خط کتفی کل ایک ہاتھ لانبا ہوگا۔ اور اس کا نصف ایک بالشت ہوگا۔ تو زاویہ اور وتر کے درمیان ایک بالشت یا اس سے بھی کم کی گنجائش ہوگی۔ جیساکہ ہم مقدمہ رابعہ میں ثابت کر آئے ہیں۔ اور آدمی کے قدم کی لمبان ایک بالشت سے زیادہ ہوتی ہے۔ جیساکہ اہل مساحت اور اہل ہیئت کا قول ہے کہ ایک قدم ذراع کا دو ثلث ہوتا ہے۔ جہاں وہ کہتے ہیں کہ زمین سے ناظر کی بلندی اتنے قدم پر ہو۔ یا وہ کہتے ہیں کہ خط افق سے اتنا قدم اور اتنا دقیقہ بلند ہو۔

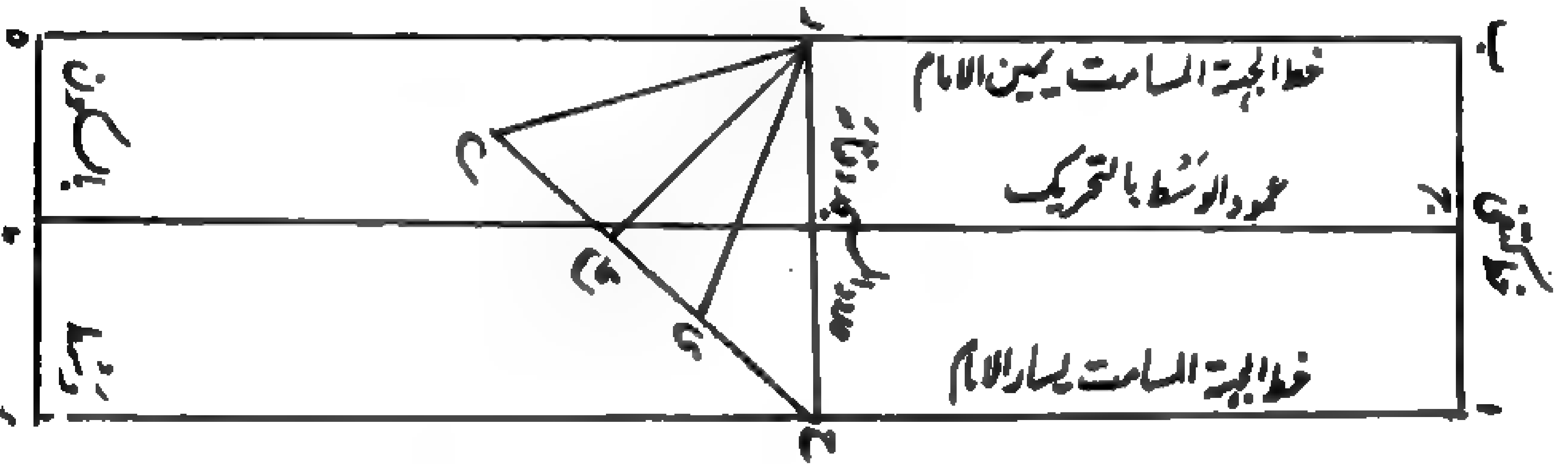
ان مسائل کے ضابطے اور تعریفیں بھی ہم اپنی فن توقیت کی تصانیف میں بخوبی بیان کر چکے ہیں۔

تو جب موذن کا قدم ایک بالشت سے زائد ہوتا ہے۔ اور وتر و زاویہ میں بالشت بلکہ اس سے بھی کم کا فاصلہ ہے۔ تو وہاں موذن کیسے کھڑا ہوگا۔ اس جگہ پر تو خطیب ہی بیٹھا ہوگا اور وہاں امام کے دائیں بائیں بھی۔ ان دونوں خطوط متوازیہ سے نکلنے والے خطوط سے کوئی ایسا زاویہ نہیں نکل سکتا جس پر موذن کھڑا ہو۔ (جس کا نام ہم خط مقام رکھ لیتے ہیں) تو لامحالہ خط کتفی سے آگے بڑھ کر طرفین کے خطوط متوازیہ میں کہیں اس مثلث کا قاعدہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ جس کے زاویوں کے اندر موذن کھڑا ہو۔ اسی کا اشارہ قہستانی کے اس قول سے بھی ہوتا ہے۔ کہ وہ فرماتے ہیں۔

زاوية قائمة او حادة او منفرجة حادثة من خطين خارجتين من ماتين الجهتين۔

زاویہ قائمہ حادہ یا منفرجہ جو ان دونوں خطوط سے پیدا ہوتے ہیں

جو امام کی جانب یمین اور شمال سے نکلے ہیں۔
دونوں طرف کے یہ دونوں خطوط تو غیر محدود ہیں۔ ان کی تحدید تو محل و مقام کے تقاضے کے موافق ہوگی۔ جیسے ہم دلائل قاہرہ سے ثابت کر آئے ہیں۔ کہ وہ مسجد سے خارج مسجد کے حدود اور بیرونی صحن میں ہوگی۔ تو معلوم ہوا کہ مقام موذن کے زاویہ کا وتر فقہاء کے قول اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے موافق مسجد کی آخری حد ہی ہوگی۔ اس کی شکل اس طرح ہوگی۔



مذکورہ بالا صورت میں خط اب خط کتفی ہے۔ اور ا ر، ب ہ دو خطوط جہۃ ہیں اور باہم متوازی ہیں۔ اور ح ط خط کتفی کے نصف پر عمود وسطٰی بالتحریک ہے ح ر مسجد کی حدود اور اس کا صحن ہے، مقام ح س سے دو خط مقام موذن کے ح ک اور س ک اور دونوں عمود پر ملے اور اس سے زاویہ قائمہ ک پیدا ہوا اور دونوں خط ح ی س ی مقام ی پر ملے تو زاویہ منفرجہ پیدا ہوا۔ اور دو خط ح ل س ل مقام ل پر ملے تو زاویہ حادہ پیدا ہوا۔ (علامہ قہستانی یہی کہنا چاہتے ہیں) کہ مقام ک پر موذن کا کھڑا ہونا ضروری نہیں ان تینوں زاویوں میں سے جہاں بھی کھڑا ہو کر اذان دیگا۔ بین یدی الخطیب ہوگا۔
اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ جسطرح زوایا ثلث کو شامل ہے۔ اس صورت کو بھی شامل ہے جب موذن کی پشت امام کی طرف ہو۔

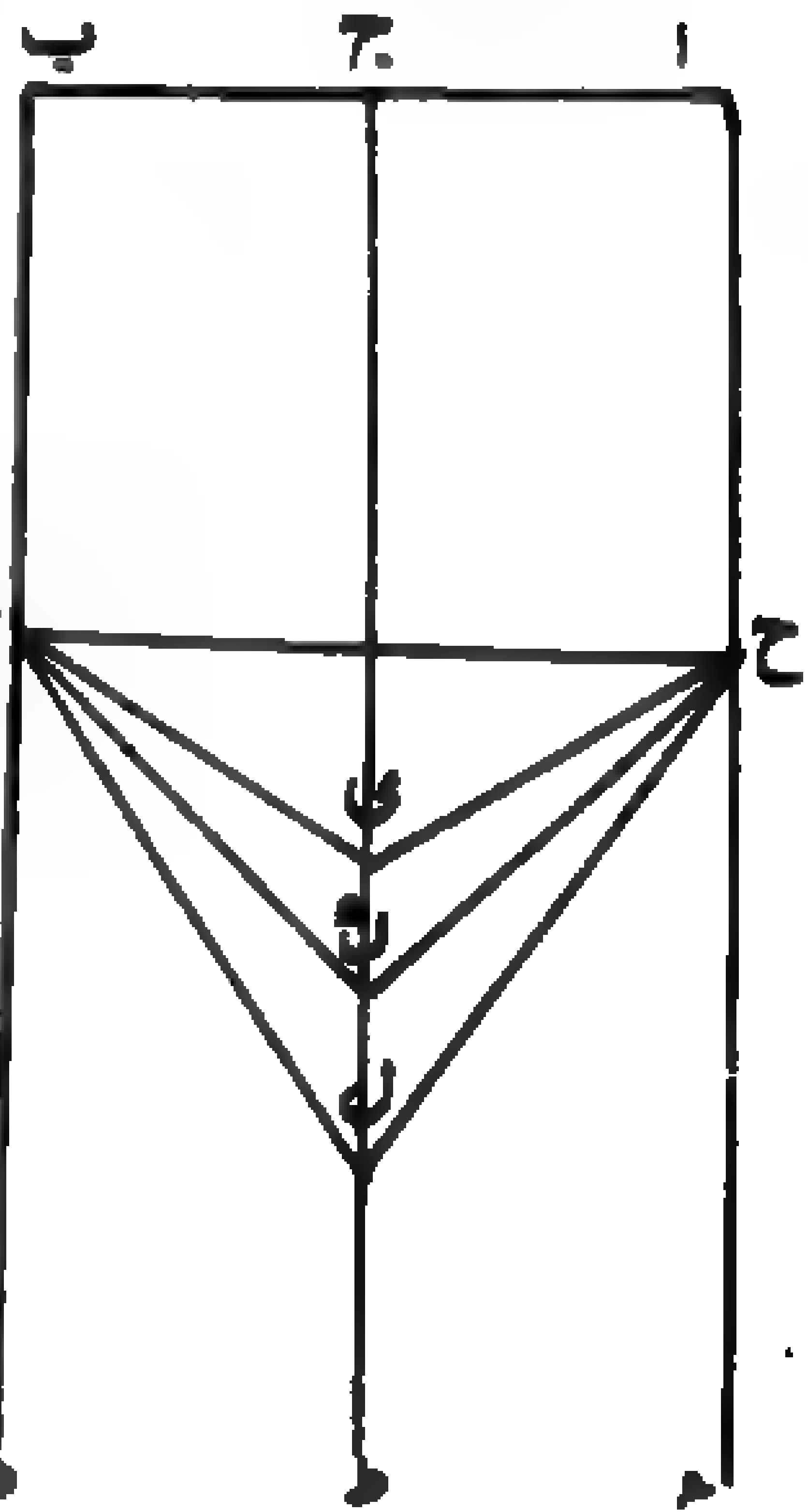
جواب یہ ہے کہ بیشک بین یدیہ کے مفہوم میں یہ صورت بھی داخل ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ لفظ کا مفہوم جس جس چیز کو شامل ہو سب لفظ سے مراد بھی ہوں۔ کیونکہ اطلاق مفہوم کے مغایر ہے۔ اور یہاں قرائن اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ لفظ بین یدیہ کا مراد و مطلب امام اور مؤذن میں سامنا ہے۔ اس لئے کہ امام منبر پر قبلہ کی طرف پیٹھ کیے ہوتا ہے۔ اور مؤذن کو اس کے سامنے ہو کر قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہے۔ تو متعین ہو گیا کہ مؤذن کا چہرہ امام کے چہرہ کی طرف ہوگا۔ اس کو اس طرح سمجھا جائے کہ لفظ بین یدیہ کے مفہوم میں امام سے متصل اس سے منفصل اور خارج مسجد بھی داخل ہے، لیکن دلائل سے یہ ثابت ہو گیا کہ داخل مسجد مراد نہیں، نہ مسجد سے اتنا دور مراد ہے کہ اس اذان کو اس مسجد کی اذان کہا ہی نہ جا سکے۔ تو متعین ہو گیا کہ بین یدیہ سے مراد حدود مسجد اور صحن مسجد ہے۔ تو جیسے اس پر یہ اعتراض کرنا غلط ہوگا کہ داخل مسجد مفہوم بین یدیہ میں داخل ہے اسی طرح یہ اعتراض بھی غلط ہے کہ یہ لفظ اس صورت کو بھی شامل ہے جب مؤذن قبلہ کی طرف پیٹھ کرکے اذان کرے۔

یہاں یہ اعتراض بھی کیا جا سکتا ہے کہ مؤذن کے رو بقبلہ اذان دینے کا قرینہ اس اس صورت کی نفی تو نہیں کرتا کہ مؤذن کی پشت امام کی پشت کی طرف ہو۔ اور مؤذن امام اور قبلہ کے بیچ میں کعبہ کی طرف رخ کرکے کھڑا ہو۔ کیونکہ بہت سی مسجدوں میں لوگ منبر اور دیوار قبلہ کے بیچ میں کافی وسیع جگہ چھوڑ دیتے ہیں۔ خود مکہ میں مسجد حرام کے اندر بھی ایسا ہی ہے کہ دو طرفہ متوازی جہتیں امام کے آگے اور پیچھے دونوں طرف ہی ہو سکتی ہیں۔

یہ اعتراض ضرور مشکل ہے مگر اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ متن میں سب کو امام کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہے۔ اور سب میں مؤذن بھی داخل ہے۔ اس لئے اس کو بھی امام کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔ مگر کوئی کہہ سکتا ہے کہ امام کی طرف رخ کرنیکا

حکم خطبہ کی حالت میں ہے نہ کہ اذان کی حالت میں ۔ قہستانی نے اسی لئے اس سوال کا جواب لفظ قیل سے دیا ہے ۔ جو جواب کے ضعف پر دلالت کرتا ہے ۔

یہاں تک قہستانی کی پوری عبارت کی توجیہ انھیں کے حسب منشا ہوئی ۔ مگر اس پر پہلا شبہ یہ ہے کہ زوایا ثلٰثہ کی وسط با سکون کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں یہ تو عمود پر ملتقی ہونے کے صورت میں بھی متحقق ہوں گے ۔ یہ بات مقدمہ خامسہ میں ظاہر ہو چکی ہے ۔



مندرجہ ذیل صورت میں جب ح م کے زاوئے برابر ہونگے ۔ تینوں زاوئے عمود پر ہی واقع ہوں گے ۔ اس کی توضیح بھی مقدمہ خامسہ میں ہو چکی ہے ۔ زاویہ ی منفرجہ ہے ۔ اور ک قائمہ ہے ۔ اور ل حادہ ہے ۔

مگر اس کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ یہاں اقسام کا شمول بتانا نہیں ہے ۔ افراد کا شمول بتانا ہے ۔ (یعنی یہ بتانا نہیں ہے کہ یہ تینوں زاوئے کس صورت میں متحقق ہو سکتے ہیں اور کس میں نہیں ۔ بلکہ یہ بتانا ہے کہ یہ تینوں زاوئے بیک وقت عمود اور اس کے اغل بغل میں وسط با سکون میں متحقق ہونگے)

دوسرا شبہ یہ ہے کہ قہستانی نے جس دوسرے اعتراض کو شکل کہہ کر پیش کیا ہے وہ سرے سے وارد ہی نہیں ہوتا ۔ کیونکہ بین یدیہ کے معنی تفصیلی و اجمالی کے بیان میں ہم یہ بتا چکے ہیں کہ یہاں معنی تفصیلی مراد ہی نہیں ہیں ۔ تو معنی تفصیلی کے ایک رخ سے اعتراض کے کیا معنی ؟ اور معنی اجمالی مراد ہیں جس کا مطلب امام کے سامنے ہے ۔ محاورہ میں سمت و جہت کہنے سے جدھر آپ کا چہرہ ہو وہی رخ مراد ہوتا ہے ۔ اسی طرح آدمی

کے ہاتھ کا رخ بھی اس کے چہرہ کی طرف ہی ہے۔ تو خطوط اگرچہ امام کے آگے پیچھے سبھی طرف نکل سکتے ہیں۔ لیکن ان ہاتھوں کے مقابل جو خط ہوگا وہ خطیب کے سامنے ہی ہوگا۔ تو بہتر یہ ہے کہ سرے سے یہ اعتراض ہی ساقط کر دیا جائے۔ اور وسطہا کے بجائے اوسطہا کہا جائے۔ تاکہ گلو پر اور اس کے آزو بازو کے مقابل کھڑے ہونے کی سبھی صورتوں کو شامل ہو۔ جب تک ان دو خطوں سے باہر نہ ہو۔ جن کا استقبال کعبہ میں حکم ہے کہ دائرے کے جس ربع کے وسط میں کعبہ واقع ہے۔ اس پورے ربع کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

استقبال قبلہ کا وافی اور کافی بیان بحمد اللہ ہماری کتاب ہدایۃ المتعال فی حد الاستقبال میں ہے۔

یہاں تک قہستانی کی عبارت کی تشریح اور اس پر پڑنے والے شبہات کا بیان ختم ہوا۔ اب ہم آزادیان ہند کی تگ و دو کی طرف رخ کرتے ہیں۔

علامہ قہستانی کی اس عبارت پر خامہ فرسائی کرنے والے پانچ صاحبان سامنے آئے ہیں۔ جن میں دو وہابی، دو جاہل ایک نام نہاد طالب علم ہیں۔ ایک وہابی صاحب نے قہستانی کی اس عبارت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس عبارت سے ثابت ہے کہ موذن اور خطیب کا سامنا ضروری نہیں ہے۔ اور علمائے اہل سنت کے اس دعویٰ کا قہستانی کی یہ عبارت رد ہے۔

موذن اور خطیب کا سامنا بلاشبہ سنت ہے۔ ہاں اگر سامنے کا مطلب یہ لیا جائے کہ دونوں کا چہرہ ٹھیک ایک دوسرے کے مقابل ہونا ضروری ہے۔ تو یہ نہ سنت سے ثابت نہ اہل حق اس کے مدعی۔ ہم سامنے کا مطلب کافی وضاحت سے سمجھا آئے لیکن جاہل کیا سمجھیں؟ اور باقیوں نے اس عبارت سے اس بات پر استدلال کیا ہے۔ کہ اذان ثانی مسجد کے

اندر منبر سے متصل ہو گی۔ دوسرے وہابی صاحب نے اس مدعا پر لفظ قریباً منہ سے استدلال کیا ہے۔ (کہ عبارت قہستانی میں اس اذان کے منبر کے قریب ہونے کی تصریح ہے) لیکن اس سے کیا حاصل؟ قریب کے لفظ پر تو ہم بار بار روشنی ڈال چکے ہیں۔ کہ یہ اپنے معنی میں کس قدر وسعت رکھتا ہے۔ اور اسی شخص نے قہستانی کے لفظ جہتین مسامتین کی تفسیر کی کہ امام کی یمین ویسار کی دو جہتوں کے درمیان۔ بھلا ایسے جاہل مخاطبہ کے لائق بھی ہیں؟

اور نام نہاد طالب علم صاحب نے تو اور گل کھلایا۔ کہ شطرنج کی بساط پر فچر دوڑا دیا۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ قہستانی نے لفظ قریباً منہ کو لفظ عند المنبر کے بعد رکھا۔ حالانکہ یہاں قہستانی کے پورے کلام میں عند المنبر کا لفظ کہیں نہیں۔ تو یہ طالب صاحب قہستانی پر افترا کر رہے ہیں۔ وہ بھی افترا بے مزہ کیونکہ قہستانی کی اصل عبارت میں یہ لفظ ہوتا۔ تب بھی ان کی تسلی کا کوئی سامان نہ تھا۔ کہ ہم کو قریب منبر ہونے سے کب انکار ہے۔ ہمارا تو کہنا یہ ہے کہ قریب بہت وسیع المعنی لفظ ہے۔ اس لئے قریب ہونے کے لئے اذان کا مسجد میں ہونا ضروری نہیں۔

اور ان دو جاہل صاحبان نے (ریاضی) کے سمندر میں غوطہ لگایا۔ جو خود انہیں کو لے ڈوبا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ مثلث کا وتر منبر کی چوڑان ہے۔ جبکہ ہم پہلے کہ آئے ہیں کہ علماء کی تحریروں میں منبر کے لفظ سے بھی امام اور اس کے دونوں مونڈھوں کا بیچ مراد ہے۔ اور یہ بھی ظاہر کر آئے ہیں کہ اس جگہ کا مذکورہ مثلث کا وتر ہونا محال ہے۔

اور دوسرے جاہل صاحب کا خیال ہے کہ قہستانی کے بقول دونوں خط امام کے دائیں بائیں سے نکل کر زاویہ قائمہ یا حادہ یا منفرجہ پر ملیں گے، اور مؤذن اسی زاویہ پر کھڑے ہو کر اذان دیگا۔ اور چونکہ حضور کے عہد مبارک میں آپ کے منبر کی چوڑان دو ہاتھ کی تھی۔ اور

آدمی کا قدم سوا بالشت کا ہوتا ہے اور وہاں مثلث متساوی الاضلاع بنایا جائے تو زاویہ حادہ پیدا ہوگا اور فاصلہ دو ہاتھ سے ذرا کم ہوگا۔ اور قائمہ میں اس سے کم اور منفرجہ میں کم سے بھی کم۔ اور زاویہ حادہ مسجد سے باہر بھی فرض کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس احتمال کو قہستانی کی یہ عبارت ساقط کر دیتی ہے۔ کہ موذن زاویہ کے اندر کھڑے ہو کر اذان دے۔ کیونکہ دروازہ مسجد اگر منبر سے چالیس ہاتھ کی دوری پر ہو۔ اور مثلث کا وتر بھی دو ہاتھ کا ہو تو اس وتر پر چالیس ہاتھ کی دوری پر جو زاویہ حادہ پیدا ہوگا وہ بے حد تنگ ہوگا۔ وہاں ایک باریک لکڑی کی بھی گنجائش نہ ہوگی۔ حالانکہ قہستانی کا مقصد تو یہ ہے کہ وہاں تینوں زاوے پیدا ہوں اور اس صورت مذکورہ بالا میں باب مسجد پر سوائے حادہ کے اور کسی زاویہ کا امکان ہی نہیں۔

میری گذارش یہ ہے کہ یہ ریاضی کی بحث تو کیا ہوگی۔ یہ تو ہذیان ہے جو جہل اور سوء فہمی کی پیداوار ہے۔

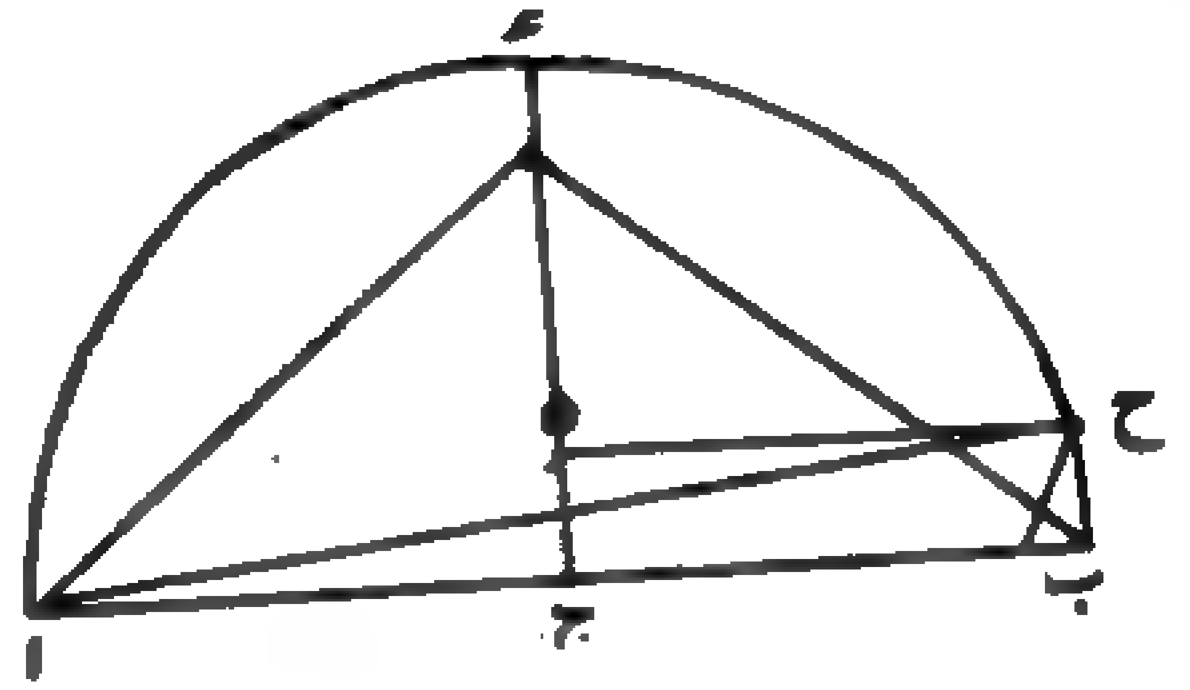
اولاً۔ قہستانی نے مقام موذن کے خطوط کو امام کے دونوں مونڈھوں سے نکلنے کی بات نہیں کہی بلکہ وہ تو جبین کے دونوں خطوط سے نکلتی ہیں۔ مونڈھوں سے نہیں جیسا کہ ہم واضح کر آئے ہیں۔

ثانیاً۔ اگر امام کے دونوں مونڈھوں سے خط نکالا جائے۔ تو ان پیدا ہونے والے زاویہ قائمہ اور منفرجہ میں بھی موذن کا قیام ناممکن ہے۔ جیسا کہ واضح کیا جا چکا ہے۔

ثالثاً۔ اس جاہل کے منہ سے غفلت میں ایک سچی بات نکل گئی کہ لحاظ یہاں امام کے دائیں بائیں کا ہوگا۔ پھر تقریر مبسر کو ملمع نظر بتا کے کی۔ حالانکہ اس کا بطلان بھی ظاہر ہو چکا ہے۔

رابعاً۔ زاویہ حادہ کی مثلث متساوی الاضلاع کے ساتھ تخصیص بھی از خود نطاق میں تنگی پیدا کرتا ہے (کہ زاویہ حادہ کچھ متساوی الاضلاع کے ساتھ ہی خاص نہیں) یہ

جاہل عمود کی مقدار بھی متعین نہ کر سکا۔ اس کو اندازہ سے بیان کیا کہ وہ ذراع سے ذرا کم۔ حالانکہ عمود کی نسبت ذراعین کی طرف۔ مربع کی طرف تا آنجا الطہ کی نسبت کی طرح ہے۔ اگر وہ جانتا تو کہتا کہ عمود ایک ذراع یا اس سے کم ہوگا۔ پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ زاویہ منفرجہ میں زاویہ اور وتر کا فصل قائمہ سے کم ہو۔ حالانکہ بسا اوقات منفرجہ کا فاصلہ قائمہ سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے۔



خط اب پر ہم نے ایک قوس بنائی، اور اب کے نصف پر ہم نے ایک عمود ج ر قائم کیا۔ اور ہم نے عمود کے دونوں کناروں سے عمود کا ثمن ج ہ اور ر ر ممتاز کیا۔ اور ار ب کو ہم نے خطوط سے ملا دیا۔ تو ایک مثلث منفرج الزاویہ پیدا ہوا۔ (کہ زاویہ کا رأس قوس سے نیچے ہے) جس کا عمود ج ر ہے۔ پھر ج ب کے مقابل ہم نے ایک خط ہ ح کھینچا۔ اور ہم نے اح ب کو بذریعہ خطوط ملا دیا۔ یہ ایک مثلث بن گیا جس کا زاویہ ح قائمہ ہے۔ کیونکہ اس زاویہ کے رأس پر قوس واقع ہے) اب ہم اس زاویہ قائمہ سے ایک عمود ح ط نازل کرتے ہیں۔ تو یہ عمود مقالہ اولیٰ کی ۳۴ویں شکل کی رو سے ج ہ کے برابر اس مقدار کو ہم ج ر کا ⅛ فرض کر آئے ہیں۔ تو یہاں منفرجہ کا فاصلہ زاویہ قائمہ اور اس کے وتر کے فاصلے سات گنا بڑھ گیا ہے۔ اور ہزار گنا بلکہ لاکھوں گنا بھی تفاوت ہو سکتا ہے۔ تو یہ کہنا کہ منفرجہ کا وتر سے فاصلہ بنسبت قائمہ کے کم ہوگا۔ مطلقاً صحیح نہیں ہوا۔ پس جب تینوں زاویوں کا حال یکساں ہے، پھر حادہ کی تخصیص کیسی ؟

خامساً۔ اس جاہل کا یہ گمان انتہائی جاہلانہ ہے کہ زاویہ قائمہ اور منفرجہ میں

تو انسان کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ مگر زاویہ حادہ علی باب المسجد میں گنجائش نہیں ہوگی اور یہ نہ سمجھ سکے کہ دو خطوں کا نقطہ اتصال تو جزلا یتجزی ہوتا ہے۔ جہاں رائی کے ہزارویں حصہ کی بھی گنجائش نہیں تاآنکہ وہ جوہر فرد نہ ہو جائے۔

سادساً۔ اس جاہل نے کہا کہ زاویہ قائمہ اور منفرجہ میں تو آدمی کا کھڑا ہونا ممکن ہے زاویہ حادہ میں نہیں۔ تو انھیں سمجھانے کیلئے ایک مثلث بنایا جائے، جس کی دونوں ساقیں جو یا نصف جو کے برابر ہوں۔ اس طرح ◺ اور ان سے کہا جائے کہ یہ ایک زاویہ قائمہ ہے آپ اس میں یوں کھڑے ہو کر دکھائیے۔ کہ آپ کے جسم کا کوئی حصہ اس سے باہر نہ ہو۔ تو اگر وہ یہ کہیں کہ تو میرے بس سے باہر ہے۔ تو انھوں نے اپنی کہی ہوئی بات جھٹلائی۔ کہ زاویہ قائمہ میں انسان سما سکتا ہے۔ کہ وہ کہہ آئے ہیں کہ منبر کے پاس مثلث متساوی الاضلاع کے زاویہ حادہ میں آدمی سما سکتا ہے۔ اور یہ زاویہ قائمہ اس حادہ سے دوگنا بڑا ہے۔ کہ یہ زاویہ قائمہ ہے اور سارے ہی زاوئے قائمے برابر رہتے ہیں۔ تو وہاں تو حادہ میں وہ وسعت اور یہاں قائمہ تنگ پڑ گیا۔ پس یا تو آپ ہی بھاری بھر کم ہو گئے۔ یا آپ میں تخلخل ہو گیا۔ یا قائمہ ہی تنگ و تکاسف ہو گیا۔ تب انھیں اپنی جہالت مشاہدہ میں آئے گی۔ اور خود بذات خود علی رؤس الاشہاد تجربہ کر کے اعتراف کریں گے۔

سابعاً۔ اور ان کا یہ زعم کہ دروازہ پر زاویہ قائمہ اور منفرجہ متحقق نہیں ہوگا۔ اور بڑی جہالت ہے۔ جس کا مبنیٰ منبر کو تو مثلث قرار دینا ہے۔ ورنہ ہم خوب ظاہر کر چکے ہیں کہ یہ تینوں زاوئے خارج اباب کیسے پیدا ہو سکتے ہیں۔ اور یہ ہماری آخری بات ہے جو ان کے تمام اوہام کے ازالہ پر حادی ہے۔ ان اوہام کی بات الگ ہے جس سے ہذیان بھی شرمائے۔

ویسے ان کی ہر چھوٹی بڑی کتھا کار دمیری اولاد اور میرے احباب کے رسائل میں ہے جیسے اذان من اللہ - وقایہ اہلسنت، نفی العار - سیف القہار تعبیر خواب، وحق نما فیصلہ وغیرہ جن کی تعداد دس تک پہونچی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے ابتداء اور اسی کے لئے انتہا میں حمد ہے۔ ہمارے سرداروں اور ان علمائے کرام سے (جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ نفع پہونچایا) امید ہے کہ ہماری اس تحریر کا انصاف سے مطالعہ کریں۔ اور رفع خلاف میں کوشش کریں۔

بزرگ و برتر رب العالمین کے لئے حمد ہے۔ اور افضل درود اور کمل سلام اس کے حبیب سید المرسلین اور خاتم النبیین اور ان کے آل و اصحاب عظام پر ہو ان کے صاحبزادے اور ان کی تمام جماعت پر ہو۔ ہر ذرہ کے بدلے ہزار ہزار بار ہر آن و ہر گھڑی ابدالآباد تک۔

۱۰ر شوال ۱۳۲۲ھ (صاحب ہجرۃ صلی اللہ علیہ وسلم پر بزرگ تحیہ اور سلام ہو (-) کو قلم نے آرام پایا۔ اور حق روشن ہوا۔

اللہ تعالیٰ کے لئے حمد اور پاک پروردگار کے لئے پاکی ہے۔ اس سے جو اس کے بارے میں وہ کہتے رہتے ہیں۔ اور اسی کیلئے حمد ہے جو رب العالمین ہے۔

اپنی زبان سے کہا۔ اپنے قلم سے لکھا۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے دروازہ کے کتے احمد رضا محمدی سنی حنفی بریلوی نے۔ اللہ تعالیٰ اس کو بخشے اس کی امیدیں پوری کرے۔ اور اس کے اہل کو صلاح و فلاح دے۔ حضور نبی اکرم کے جاہ مقبول کے طفیل، ان پر اور ان کے آل و اصحاب پر برکت و سلام اتارے۔ اپنے حسن و جمال اور جود و نوال اور انعامات واکرامات کے حساب سے آمین۔

نفحہ (۲۲) اضافات افاضات

جاننا چاہیے کہ میں بندہ محتاج اپنی کتاب ختم کر چکا تھا۔ جس میں سمجھداروں کیلئے بے نیازی تھی۔ کہ اک تحریر نے اخیر میں اپنے چہرے سے نقاب الٹی۔ اور الحمدللہ ہماری کتاب میں وہ سب باتیں جمع ہیں۔ جو اس تحریر کو سوخت کر سکتی ہیں۔ لیکن احباب کیلئے بھلائی کی زیادتی بھلی ہے۔ اور عام طالب علموں کے لیے۔ تصریح تو تلویح (اشارہ وکنایہ) سے بہتر ہے میں نے ایسے افادات کے اضافہ کو پسند کیا۔ جو حق کو ظاہر کریں۔ میری توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ میرا بھروسہ اسی پر ہے۔ اور میرا لوٹنا اسی کی طرف ہے ——— خصومت وعناد اور خصلت حسادیں انتہا کو پہنچا ہوا۔ رد کے تمام ہونے تک خموش رہا۔ اور پورے رد پر غور وخوض کر کے۔ اس کے مہلکات سے بچنے کی راہ ڈھونڈتا رہا۔ تو اس کے شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا کہ لغت، شرح، اصطلاح و اصول سب کے خلاف عرف عام کی پناہ لے۔ اور اسی ایک حربہ سے قرآن وحدیث اقوال ائمہ تفسیر وشروح حدیث اور ائمہ لغت واصول نے جو کچھ بھی لفظ بین یدیہ اور عند کی تحقیق میں کہا ہے۔ سب سے چھٹکارا حاصل کرے کہ ہمارا کلام تو عرف عام میں ہے۔ اور عرف عام میں بین یدیہ اور عند دونوں کے معنی قریب کے ہیں۔ اور قریب بھی وہ جو ہم کہہ رہے ہیں۔ جس سے اذان منبر کے نزدیک اور متصل ہو۔ اور سوچا کہ اس سوراخ میں داخل ہو کر ان الفاظ کے سلسلہ میں تمام ارشادات سے نجات مل جائے گی۔ جو قرآن وحدیث اور تفسیر میں وارد ہوئے ہیں کہ وہ سب عند اور بین یدیہ کے معنی شرعی کو بتاتے ہیں۔ اور لغات معنی لغوی کا اظہار کرتے ہیں۔ کتب اصول معنی اصطلاحی بیان کرتی ہیں۔ اور یہاں تو بحث عرف عام میں ہے اور یہ سمجھ نہ سکا کہ اس کی اس ایک حیلہ سازی نے اس کی ساری

عمارت ہی ڈھادی۔ اور کاتا کوتا کپاس کر دیا۔

اولاً۔ آپ نے امام راغب اصفہانی کے قول سے استدلال کیا۔ انکی کتاب تو لغت عرب اور محاورات قرآن میں ہے۔ اور آپ نے ان دونوں کو چھوڑ کر عرف عوام کی پناہ لی (پھر آپ نے اپنے نئے عرف کے لئے ان کی کتاب سے کیسے استدلال کیا) امام راغب کا یہ قول کہ یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لفظ کو لغت عرب سے نکال کر عرف جدید تھوڑا ہی بنا دے گا۔ اور اگر آپ کو یہی اصرار ہے۔ کہ استعمال کا سبب جدید ہے، تو تاج العروس اور رضی نحوی کے بارے میں کیا کہیں گے۔ وہ بھی تو کہتے ہیں کہ بین یدیہ کے معنی ہر وہ شے جو تمہارے سامنے ہو (تاج) اور عند قریب اور بعید دونوں کیلئے مستعمل ہوتا ہے (رضی)

ثانیاً۔ آپ نے کشاف اور مدارک کی پناہ کیسے ڈھونڈی، کیا یہ تفاسیر میں سے نہیں۔ ان دونوں نے جو کچھ کہا ہے محاورۂ قرآن کی شرح ہے۔ اور آپ قرآن عظیم کے محاورہ کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں۔ زمخشری یا امام نسفی نے اپنی تفسیروں میں جو فرمایا۔ حقیقۃ قولھم، ان کے قول کی حقیقت تو۔ ان ھم سے مراد عرب ہی ہیں۔ اور عرب کی بول چال تو لغت عرب ہے (تو پھر آپ لغت سے کیسے استدلال کرتے ہیں، آپ تو عرف عام کے دعویدار ہیں) قصہ اصل یہ ہے کہ آپ کے عوام کا عرف بین یدیہ اور عند میں اگر ہوگا تو معنی منقول اور چونکہ نقل خلاف اصل ہوتا ہے۔ تو اس کیلئے بھی آپ کو دلیل لانی پڑے گی۔ وہ کہاں سے لائیں گے؟

ثالثاً۔ یونہی قرآن عظیم عربی مبین میں نازل ہوا۔ اس پاک کلام میں ہے۔ ہم نے اس کو عربی زبان میں اتارا۔ اور یہ بیشک تمہارے ہی کلام کی طرح ہے۔ تو قرآن کریم میں عرب کے ہی محاورے ہوں گے۔ عربیوں کے محاوروں کے خلاف اگر کچھ ہو تو اس کے لئے نقل شرعی کا ثبوت درکار ہے۔ تو قرآن میں کوئی لفظ کسی معنی میں بولا جانا یہ اس بات

کی سب سے بڑی دلیل ہوگی کہ اس لفظ کے محاورۂ عرب میں یہ معنی ہیں۔ اور معنی شرعی کے لئے نقل کا ثبوت ضروری۔ اور مسئلہ بین یدیہ میں اس کا ثبوت محال اور خالی دعویٰ لایعنی بڑھ ہے۔

حضرت محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اور صاحب بحر نے بحر الرائق میں۔ اور علامہ شامی نے رد المحتار میں فرمایا:

" قرآن کا خطاب لغت عرب میں ہی ہے۔ جب تک کہ نقل سے ثابت نہ ہو جیسے لفظ صلوٰۃ وغیرہ۔ ثبوت نقل کے بعد البتہ یہ منقول شرعی ہو جائیگا۔"

حضرت مولانا عبد العلی بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ فواتح الرحموت میں فرماتے ہیں:

نقل کا دعویٰ اللہ تعالیٰ پر ایک دعویٰ ہے۔ تو اس کا ثبوت دلیل قطعی سے ضروری ہے۔ اور فیما نحن فیہ علامت ظنی بھی نہیں، تو کسی مسلمان کیلئے یہ درست نہیں کہ بے جانے اللہ تعالیٰ پر یہ جرأت کرے۔

(تو آپ جو یہ فرماتے ہیں کہ بین یدیہ کے معنی متصل منبر ہوتا ہے۔ نہ محاورہ قرآنی ہے۔ نہ حدیث کی بول چال ہے۔ نہ لغت و اصول میں ہے۔ یہ تو عرف عام ہے۔ بے ثبوت آپ کا یہ عرف عام پیدا کہاں سے ہوگا؟)

رابعاً۔ ہر کلام میں متکلم کے محاورہ اور عرف عام کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ اہل عرب اور صاحب لسان عرب ہیں۔ آپ کا کلام بھی عربی بول چال اور عربی محاورہ میں ہی ہوگا۔ عرف کے خلاف ان کی کوئی خاص اصطلاح نہ ہوگی۔ انھوں نے بین یدیہ کا لفظ دروازہ مسجد کے لئے استعمال کیا۔ اور اس معنی پر ہم نے لغت عرب کے بھی کئی محاورے نقل کئے جس کا انکار ہٹ دھرمی ہے۔ اس کے بعد یہ دعویٰ کرنا کہ عرف عام نے ان لفظوں کو بالکل پاس کے معنی میں خاص کیا ہے۔ یا تو جہالت ہے یا افترا پردازی خامساً۔ علم اصول فقہ کا لفظ جو شخص سنے گا۔ وہی یہ فیصلہ کرے گا۔ کہ فن علم فقہ

کے قواعد وضوابط اور مصطلحات کیلئے وضع ہے۔ اور یہ بھی یقین کرے گا کہ فقہا اور علم اصول فقہ کے اصطلاحات میں کوئی اختلاف نہیں۔ جس لفظ کے جو معنی ائمہ اصول فقہ نے متعین کیا۔ فقہا کے نزدیک بھی وہ مسلم ہے۔

مسئلہ اذان ثانی میں فقہا نے عند المنبر کا لفظ کتابوں میں استعمال کیا۔ ائمہ اصول فقہ نے عند کے معنی حضور قرار دئے۔ تو ظاہر ہے کہ فقہاء کے عرف میں بھی اس لفظ کے یہی معنی ہونگے۔ بالفرض اس لفظ کیلئے کوئی دوسرا عرف بھی ہو۔ اور اس نے کوئی اور معنی قرار دیئے ہوں۔ تب بھی یہاں ضرورت تو فقہا کے عرف کی ہے۔ کہ یہاں یہ لفظ انھیں کے کلام میں استعمال ہوا ہے۔ کسی دوسرے عرف سے کیا سروکار، دوسرا عرف تو یہاں کے لئے بالکل بے کار ہے۔

لیکن یہ کیسی بوالعجبی ہے کہ مدعی کس ڈھٹائی سے ائمہ اصول فقہ کی تصریحات سن کر کہتا ہے۔ کہ یہ سب فضول ہے۔ یہاں تو عرف عوام کی ضرورت ہے۔ بھلا کلام فقہا میں عرف عوام کی کیا ضرورت؟ سچ یہ ہے کہ تعصب آدمی کو اندھا اور بہرا کر دیتا ہے۔

سادساً۔ آخر یہ معاند اس کا کیا جواب دیں گے۔ کہ علامہ خیر الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں۔ کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ میری بیوی کو تین طلاق۔ اگر میں اس شہر میں جاڑے میں اپنی بیوی کے ساتھ رہوں۔ اور اس نے اس شہر کی جامع مسجد میں جاڑا گزارا۔ تو اس کی عورت پر طلاق نہ پڑے گی۔ کیونکہ شرط جاڑے میں شہر میں بیوی کے ساتھ رہنے کی تھی۔ اور وہ نہیں پائی گئی۔ اور عند کا لفظ حضور کے لئے ہے۔ ہاں ھذا البلد سے اس کی نیت جامع مسجد کی بھی ہو تو طلاق پڑ جائے گی۔ مسائل حلف کی بنا عرف پر ہے اور امام رملی نے صاف بیان کر دیا کہ عند حضور کے لئے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عند کے بارے میں ائمہ اصول نے جو فرمایا۔ وہ بھی معنی عرفی ہی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہاں لغوی معنی کا کوئی نائب نہیں ۔ اور زبان شرع اور اصول و فقہ اور عرف سب لغوی معنی کے ہی موافق ہیں ۔ جیسا کہ ہم نے بین یدیہ اور عن کے معنی میں بیان کیا ہے ۔ والحمد للہ

سابعًا ۔ اگر ان سب باتوں سے قطع نظر بھی کرلی جائے تو مذکورہ حیلہ کی ڈھال دو باتیں ہیں ۔ یہ کہ عند اور بین یدیہ کے معنی قریب کے ہیں ۔ اس کے ثبوت میں راغب وغیرہ سے استدلال کیا ہے ۔ ہم اس کے جواب میں کہہ چکے ہیں کہ اس سے ہم کو انکار نہیں ۔ لیکن وہ آپ کو مفید نہیں ۔ اور اس سے ہمارا نقصان نہیں ۔

دوسری بات یہ کہ قرب عرف عام میں خطیب کے بالکل متصل ہونے کے لئے خاص ہے ۔ اور یہی مدعیوں کا خاص مقصد ہے ۔ لیکن اس مقصد پر دراز لسانیوں کے علاوہ کوئی دلیل نہیں دی ۔ اور ہم ایسے بہت سے محاورات ذکر کر چکے ہیں جس سے اس دعوٰی کی تکذیب ہوتی ہے تو یہ ساری دراز لسانیاں بے فائدہ ہیں ۔

ثامنًا ۔ اگر اس سے بھی قطع نظر کر کے مان لیا جائے کہ یہاں حسب ادعائے مدعی کوئی عرف ہے ۔ تو عوام کے کسی گروہ کا ہوگا ۔ تو ایک بات تو یہ ہے کہ مدعی یہاں عرف عوام اور عرف عام میں فرق نہیں کرتا ۔ دوسری بات یہ کہ یہاں ضرورت تو فقہائے کرام کے عرف کی ہے (نہ کہ عرف عوام یا عرف عام کی) تو کیا آپ کے پاس کوئی دلیل ہے جس سے ثابت ہو کہ فقہاء قرب کو اسی خاص معنی میں بولتے ہیں ۔

آپ کے اس دعوٰی کے بطلان پر بہت سی دلیلیں ہیں ان میں سے چند کو ہم بیان کرتے ہیں ممکن ہے آپ کو حق کی ہدایت ہو ۔ اور اگر مرضی الٰہی یہ نہ ہو تو کسی دوسرے کو ہی ہدایت ہوگی ۔

اقول بتوفیق اللہ ۔ بلاشبہ قرب ایک اضافی چیز ہے ، تو جب دونوں حدوں

کا ذکر کر دیا جائے۔ تو پاگل ہی یہ خیال کرے گا کہ قرب اسی پر ختم ہے۔ اور اس سے متجاوز نہ ہوگا۔ ورنہ جب تک عالم ختم ہو جائے۔ ہر اگلی منزل قریب ہو سکتی ہے۔ کیونکہ کوئی چیز جو کسی چیز سے دور ہو۔ جب ہم اس کو اس سے دور والی چیز کی نسبت سے دیکھیں گے۔ تو یہ قریب ہو جائے گی۔

جیسے کرسی زمین سے بہ نسبت عرش کے قریب ہے اور وہ بہ نسبت اجسام عرش کے بعد زمین سے سب سے زیادہ دور ہے۔ اتنا دور کہ اس کی دوری کا اندازہ، اس کا پیدا کرنے والا ہی کر سکتا ہے۔ یا وہ جسے اللہ تعالیٰ بتلائے۔ لیکن بسا اوقات ایک چیز کو بہ نسبت دوسری چیز کے ایسی حالت ہوتی ہے۔ جس پر لفظ قریب کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور اس میں کسی تیسری چیز کی طرف اضافت کا لحاظ نہیں ہوتا، اس قرب کی اختلاف مقام کے لحاظ سے مختلف قسمیں ہیں۔ اسی سے ایک قرب تناول ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ شئی ایسی جگہ ہے جہاں تمہارا ہاتھ پہونچ سکے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہل کی طرف گئے۔ اور ایک گرم بھنا ہوا بچھڑا لائے اور اسے فرشتوں کے قریب کیا۔ اور ان سے کہا کیوں نہیں کھاتے ہو۔

قرب سمع۔ جہاں تک آپ کی آواز پہونچ سکے۔

قرب یسیر۔ یہ کہ وہاں تک پہونچنے میں آپ کو زیادہ حرج نہ لاحق ہو۔

تو اگر فقہا نے اپنے کلام میں قرب کو قرب تناول تک ہی خاص کیا ہوتا۔ تو آپ کا مقصد حاصل ہوتا۔ لیکن وہ حضرات اس سے بری ہیں۔ ان کے بیشتر کلمات میں قرب کا لفظ یقیناً تین معنوں میں سے کسی ایک کے لئے استعمال ہوا ہے۔

فی الوقت قرب مطلق کی تفسیر میں فقہا کی دس عبارتیں مجھے یاد ہیں (اور جو مستحضر نہیں وہ بھی اس سے زائد ہونگی)۔ جن کا بیان مندرجہ ذیل مسائل میں ہے۔

الاولیٰ ۔ سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ پانی قریب ہو تو مسافر کو تیمم جائز نہیں اور دور ہو تو جائز ہے اور قرب و بعد مسافت میں اس کے باوجود اختلاف ہوا کہ قرب سے مراد سب کے نزدیک وہی مسافت ہے جو آسان ہو ۔ مگر اس پر اجماع ہے قرب تناول مراد نہیں

صاحب حنایہ فرماتے ہیں ۔

یہ بات شرع میں منصوص ہے کہ تیمم کیلئے پانی کا معدوم ہونا عذر ہے ۔ اور صورت مسئولہ میں پانی حقیقۃً معدوم بھی ہے ۔ لیکن یہ بھی یقیناً معلوم ہے کہ پانی نہ ہو مگر بہ آسانی دستیاب ہو جائے ۔ تو یہ جواز تیمم کیلئے عذر نہیں ورنہ دریا کے کنارے گھر بنانے والے کے گھر میں پانی نہ ہو تو وہاں بھی وہ تیمم کرنے لگیگا ۔ اس لئے قرب و بعد میں حاصل حرج کو قرار دیا گیا ۔

بنایہ میں ہے کہ ۔

پانی قریب ہو تو آدمی کو تیمم کی اجازت نہیں

اسی میں ہے :

(مقدار میں ایک میل کی مسافت معتبر ہے) یعنی پانی کی دوری کی مقدار میں اور اس مقدار کے معتبر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پانی کا بہت قریب ہونا جواز تیمم کو مانع ہے ۔ اور بعد سے تیمم جائز ہوتا ہے ۔ تو اس کی مقدار ایک میل مقرر کی گئی ۔ کہ اس سے زائد مقرر کرنے میں مکلف کو پانی تک پہونچنے میں حرج لاحق ہوتا ہے ۔

اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسافر اور شہر کے درمیان دو میل کا فاصلہ شرط ہے ۔

اور قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دوری کی حد یہ ہے کہ پانی

کی تلاش کیلئے آنے جانے میں قافلہ نگاہوں سے اوجھل ہو جائے اور یہ بہت عمدہ ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ پانی نگاہوں سے دور ہو۔ دوری کی تعین میں کچھ اختلاف ہوا۔ تو کسی نے ایک میل کہا، امام محمد نے دو میل فرمایا۔ ایک قول دو فرسنگ کا ہے۔ اور کہا گیا کہ اتنی دور جس کے بعد نماز قصر کی جاتی ہے۔ کسی نے کہا کہ جہاں تک اذان کی آواز پہونچے کسی نے کہا کہ اتنی کہ وہاں سے آبادی کا شور نہ سنائی دے۔

اور کہا گیا کہ اتنی دور کہ شہر کے کنارے کھڑے ہو کر پکارا جائے تو مخاطب سن نہ سکے۔

بدائع میں لکھا ہے:

اتنی دور کہ وہاں جانے پر قافلہ کا شور و غوغا سنتا رہے اور پیچھے والوں کی آواز بھی آتی رہی تو قریب ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے۔ کہ

پانی کے پاس رہنے والوں کی آواز آتی رہے تو قریب ہے۔ قاضی خاں نے فرمایا کہ اکثر مشائخ اسی کو مانتے ہیں۔ ایسا ہی امام کرخی نے فرمایا۔ اور ہمارے نزدیک اقرب الاقوال ایک میل کا اعتبار ہے۔

اس پر اگر کوئی اعتراض کرے کہ آیت قرآنی تو مطلق ہے۔ اس کو رائے سے مقید کرنا کیسے جائز ہوگا تو میں کہوں گا کہ قریب کا مانع ہونا اور بعید کا نہ مانع ہونا۔ ایک اجماعی مسئلہ ہے۔ اس لئے حد فاصل ایک میل کو قرار دیا گیا۔ اھ

الثانیہ:۔ تنویر الابصار میں ہے۔

کواں یا حوض یا نہر کسی آدمی کی ملک ہوں۔ اس سے قریب ہی کہیں اور پانی ہو۔ تو کھانے، پینے، دھونے، نہانے اور جانوروں کو پلانے والوں کو وہ اپنے کنویں وغیرہ سے روک سکتا ہے۔

علامہ شامی علامہ مقدسی کا قول نقل کرتے ہیں کہ

قرب کی مقدار کہیں نظر سے نہیں گذری۔ تو تیمم کی طرح یہاں بھی ایک میل کو ہی حد فاصل مقرر ہونا چاہیے:

میں نے شامی کی اس تحریر پر حاشیہ لکھا۔ یہاں ایک میل کی مسافت میں تامل ہے۔ کہ پیاسوں میں بسا اوقات اتنی دور جانے کی تاب نہیں رہتی۔ اور حدث کا یہ حال نہیں شاید اسی وجہ سے علماء نے کوئی مقدار متعین نہیں کی۔ اور مقدار کا معاملہ مبہم چھوڑ دیا۔ تو ہر ضرورت مند اپنی ضرورت کے حساب سے قرب وبعد کی مقدار مقرر کرے۔

الثالثہ۔ درمختار کے باب الشہادۃ میں ہے۔

مدعی کے طلب پر گواہ کو سات شرطوں کے ساتھ گواہی دینا واجب ہے۔ جن کا ذکر بحرالرائق وغیرہ میں تفصیل سے ہے۔ جس میں ایک قاضی کی عدالت اور ادائے شہادت کی جگہ کا قریب ہونا ہے۔ شامی اور بحرالرائق دونوں میں ہی تصریح ہے۔ کہ اگر قاضی دور ہو۔ کہ دن بھر میں گواہی دیکر گواہ اپنے گھر واپس نہ پہونچ سکے تو گواہی دینا واجب نہیں۔ کہ اتنی دور تک آنے جانے سے گواہ کو ضرر پہنچے گا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کاتب اور گواہ کو ضرر نہیں دیا جائے گا۔

دیکھئے ان تینوں مثالوں میں قرب سے مراد قرب میسر ہے (قرب متناول مراد نہیں ہے)

الرابعہ۔ محقق امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں ارشاد فرمایا۔

خطبہ کی حالت میں کلام منع ہے گو امر بالمعروف ہی کیوں نہ ہو۔ یونہی تسبیح یا کھانا پینا اور کتابت سبھی منع ہے (الی ان قال) یہ احکام اس وقت ہیں کہ مقتدی امام کے اتنا قریب ہو کہ امام کی آواز سن رہا ہو۔ اور اگر دور ہو کہ امام کی آواز تو متاخرین نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے۔ حضرت محمد ابن مسلمہ سکوت پسند کرتے ہیں۔ اور نصیر الدین یحیٰ قرأت پسند کرتے ہیں۔

الخامسة۔ عالمگیری کے باب تکبیرات عیدین میں ہے۔

کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نماز عیدین تکبیرات زوائد کے بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو پسند کرتے تھے (یعنی چھ زائد تکبیریں) امام اگر اس کے علاوہ اتنی تکبیریں کہے جو کسی فقیہ کا مذہب نہ ہو تو مقتدی امام کی پیروی نہ کرے۔

پھر بدائع سے نقل کیا۔

یہ اس وقت ہے جب مقتدی امام کے قریب ہو۔ کہ خود اس کی آواز سن رہا ہو۔ اور اتنی دور ہو کہ خود نہ سنتا ہو، بلکہ مکبروں سے سن کر ادا کرتا ہو۔ تو جتنی سنے سب ہی ادا کرے۔ اگرچہ وہ اقوال صحابہ سے بھی باہر ہو۔ کیونکہ غلطی کا امکان مکبروں کی طرف سے بھی ہے۔ تو کچھ تکبیریں چھوڑنے میں خطرہ یہ ہے کہ کہیں۔ امام کی کہی ہوئی تکبیریں ہی نہ چھوٹ گئی ہوں۔

السادسہ۔ بحر الرائق کے باب الجمعہ میں ہے۔

مضمرات میں ذکر کیا کہ شیخ امام اجل حسام الدین نے فرمایا کہ جمعہ شہر سے قریب والے مواضع کے باشندوں پر واجب ہے جو اتنے قریب ہوں

کہ منارہ پر بلند آواز سے اذان کہی جائے تو سنیں ۔

السابعہ ۔ تنویر الابصار میں ہے ۔

جس کافر کو کسی مسلمان آزاد مرد یا عورت نے امن دیدیا گو امن دینے والے فاسق ہی کیوں نہ ہوں ۔ ان کا قتل منع ہے ۔ اس شرط کے ساتھ کہ امن دینے والوں کی آواز انھوں نے خود سنی ہو ۔ تو دور والوں کو امن نہیں ملیگا ۔

الثامنہ ۔ تنویر اور شرحہا در میں ہے ۔

کسی مسلمان یا ذمی نے کوئی بنجر زمین آباد کی اور وہ کسی کی ملک نہ ہو ۔ نہ مسلمان نہ ذمی ، اور یہ آبادی سے اتنی دور ہو کہ کنارہ آبادی سے پکارا جائے ۔ اور پکارنے والا بلند آواز ہو (بزازیہ) تو آواز سننے میں نہ آئے ۔ تو آباد کرنے والا اس زمین کا مالک ہوگا ۔

کفایہ میں ذخیرہ سے مروی ہے ۔

قریب و بعید کے درمیان حد فاصل حضرت قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے ۔ آپ نے فرمایا ایک بلند آواز آدمی آبادی کے انتہائی سرے سے کسی بلند جگہ سے کھڑے ہو کر پوری طاقت سے پکارے اور اور آواز وہاں نہ پہونچے تو وہ بعید ہے ۔

التاسعہ ۔ درمختار میں ہے ۔

اگر کوئی مقتول شارع عام میں قیدخانہ میں اور مسجد جامع میں پایا گیا ۔ تو اس کا تاوان کسی پر نہیں ہے ۔ البتہ اس کی دیت بیت المال سے ادا کیجائیگی یہ جب ہے کہ وہ جگہیں محلوں سے بعید ہوں ۔ اور اگر قریب ہوں تو جو محلہ وہاں سے سب سے قریب ہو اس پر تاوان ہے ۔

امام شامی نے فرمایا کہ:

ظاہر یہی ہے کہ یہاں قرب سے مراد آواز سننے کا قرب ہے

العاشرہ ۔ ہدایہ میں ہے

اور اگر ویرانہ میں مقتول پایا گیا۔ جس کے قریب آبادی نہ ہو تو اس کا خون ضائع ہے۔ اور قریب کی تفسیر وہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔ کہ وہاں سے آواز سنی جا رہی ہو ۔ یہ سب مثالیں قرب سماع کی ہیں۔

الحادی عشر ۔ لمعہ ثانیہ عودیہ میں ہم ذکر آئے ہیں۔ کہ جوہرہ نیرہ میں ہے۔

یہ حکم تب ہے کہ نگراں اس سے اتنی قریب ہو کہ اسے دیکھ رہا ہو اور اتنی دور ہو کہ نہ دیکھے تو حافظ اور نگراں ہی نہیں۔

یہ قرب بصر کی مثال ہے۔ اور فقہاء کے عرف میں یہ سارے معانی قرب مطلق کے ہیں تو اگر آپ کے وہاں یہی رسم ہو کہ خطیب موذن کو کھاتا ہو اور خطیب موذن کو نگلتا ہو تو ضرور یہاں قرب سے قرب تناول ہوگا۔ ورنہ یہاں قرب تناول کو متعین کرنے اور اس پر برانگیختہ کرنے والی کیا چیز ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے حق وہدایت کے طالب ہیں۔

تاسعًا ۔ یہ شخص یہ اعتراف کر چکا ہے کہ عندہ ہر مقام پر قرینہ کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ قرب کے لئے ہے۔ تو اس کو دلیل سے یہ ثابت کرنا چاہیئے تھا کہ مسئلہ مقام اذان میں امام سے قرب کی یہ حد ہے۔ لیکن اس نے ایک دعویٰ کیا۔ اور ثبوت کے لئے اسی دعویٰ کو کافی سمجھا ۔ اگر ثبوت کے لئے صرف دعویٰ کافی ہوتا۔ تو ہر مبہوت دلیل والا ہوتا ۔ لیکن ان کا عجیب شیوہ ہے کہ اقرار کر کے انکار کرتے ہیں۔ اور حق کی طرف مائل ہو کر اسی سے گریز بھی کرتے ہیں۔

عاشرًا - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ درست میزان سے تولو ، اور میزان ومعیار تو ہر چیز کے لئے ہے ۔ چنانچہ زبان کے ترازو کے دو پلے ہیں، شرع اور عقل تو جسے ان دونوں سے حصہ ملا ہے ۔ وہ ہر بات کو اسی کے موافق محمول کریگا اور جاہل کے ہاتھ میں نہ میزان ہے، نہ وہ اوزان کو جانتا ہے، تو جب اس سے کوئی اس کا زبردست حاکم کہے کہ اٹھو اور ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر نماز پڑھو ۔ تو وہ یہ سوچ سکتا ہے کہ مجھے تو فی الفور نماز پڑھنے کا حکم ہے ، اگر میں وضو کرنے لگوں تو فورًا نماز پڑھنے میں تاخیر ہو جائیگی ۔

یونہی اگر زید نے قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہے گا ۔ اور فورًا ہی نکلنے کی تیاری کرنے لگا ۔ سامان منتقل کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ۔ اور اسی میں ایک دن لگ گیا ۔ تو جاہل گمان کرے گا کہ زید تو حانث ہو گیا ۔ کہ قسم کے بعد بھی ایک دن اسی گھر میں رہا ۔ لیکن عالم خوب جانیگا کہ پہلی صورت میں وضو کرنے کی مقدار ۔ اور دوسری صورت میں آسانی سے سامان جتنی دیر میں منتقل ہو سکے عقلاً مستثنیٰ ہے تو اس دیر سے فورًا میں خلل نہیں پڑے گا ۔ خانیہ اور ہندیہ میں ہے ۔

جس نے قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہے گا ۔ خود تو وہ گھر سے باہر ہو گیا ۔ اور منتقل ہونے کے لئے دوسرا گھر تلاش کرنے لگا جو چند دن نہ مل سکا ۔ اہل و عیال اور اسباب اسی گھر میں رہے ۔ اور ایسا ممکن تھا کہ اس مکان سے وہ اسباب باہر نکال لے مگر نہیں نکالا ۔ تب بھی حانث نہیں ہوگا ۔

یونہی سواری کی تلاش میں چند روز کی تاخیر ہوئی ۔ جس پر سامان لاد کر جائے ۔ یا قسم رات میں کھائی ، اور رات کی وجہ سے صبح تک نکلنا ممکن نہ ہو سکا ۔ یونہی سامان زیادہ تھا جسے وہ خود ہی ڈھو کر منتقل کرنے لگا ۔ اس میں

تاخیر ہوئی۔ وہ سواری کر سکتا تھا مگر سواری نہیں کی۔ ان سب صورتوں میں وہ شخص حانث نہ ہوگا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ اس نے از خود سامان ڈھونے میں کوئی کوتاہی نہ کی ہو۔ معمولاً جیسا ڈھوتے ہیں ویسا ہی ڈھویا ورنہ حانث ہوگا۔

ایسے ہی کوئی عالم افادہ وتعلیم یا درس مسائل کے لئے خطاب کر رہا تھا اور سامعین دروازہ تک صف در صف بیٹھے ہوئے تھے۔ کوئی طالب علم مسئلہ پوچھنے آیا۔ اس کو مجلس کی ہیبت نے عالم سے قریب ہونے نہیں دیا۔ تو خود عالم نے اسے قریب ہونے کا حکم دیا۔ یا بادشاہ نے اپنے بعض حاشیہ نشینوں کو اپنے نزدیک آنے کا حکم دیا۔ تو جاہل تو یہی کہے گا کہ مطلقاً قریب ہونے کا حکم ہے اور عرف میں اس سے انتہائی قرب مراد ہوتا ہے۔ تو وہ لوگوں کے کندھوں پر سوار ہوتے اور گردنیں پھلانگتے ہوئے۔ عالم کی گود میں جا بیٹھے گا۔ اور بادشاہ کے دربار میں فرش کو روندتا، تخت پر چڑھ جائیگا اور بادشاہ کے پہلو سے پہلو ملا کر بیٹھ جائے گا۔ اور بادشاہ کی تعذیر، اور آخرت کی تعذیب کا مستحق ہوگا۔ معاذاللہ رب العالمین۔

اور عقلمند خوب سمجھے گا کہ یہاں وہی قرب مراد ہے۔ جس کی شرعاً اور عرفاً گنجائش ہے۔ تو سائل دروازہ کے پاس مجلس عالم سے پرے۔ اور بادشاہ کا حاشیہ نشین اپنے منصب تک، دربان دروازے تک اور وزیر تخت کے قریب کھڑا ہو جائے گا۔

اور پتہ چل جائیگا کہ جاہل نے عرف کے سمجھنے میں غلطی کی، اس لئے کہ مطلقاً قرب کا مطلب وہ مقدار ہے جہاں تک بڑھنے کی گنجائش ہو۔ نہ کہ تمام حدود کو پھلانگنے کا نام ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ لفظ مطلقاً بولا جاتا ہے ۔ اور عقل و شرع اور عرف سب اس پر متفق ہیں کہ مراد تمام شروط و قیود و آداب کو ملحوظ رکھنے والا مقام ہوتا ہے ۔ اور جو ان سب کو بالائے طاق رکھ کر صرف لفظ کو دیکھے گا ۔ تو ایسے آدمی کا سب سے ہلکا لقب پاگل ہوتا ہے ۔ امام زیلعی تبیین الحقائق کی کتاب الذبائح میں فرماتے ہیں کہ:

کسی شے کے شرائط معروف ہوں ۔ اور اسے مطلق بولا جائے تو انھیں شرائط کے ساتھ ملحوظ ہوگا ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نماز قائم کرو ۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے شروط کے ساتھ ۔

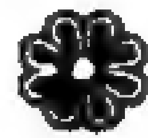
جب صورت حال یہ ہے تو مان لو کہ فقہا رنے قریب المنبر کہہ کر انتہائی قرب مراد لیا ۔ لیکن اس پر نادانوں کی آنکھ ٹھنڈی نہ ہونا چاہیے ۔ کیونکہ اس انتہائی قرب سے مراد بھی وہی قرب ہوگا جس کی شریعت میں گنجائش ہو ، اور شرع مقدس کا یہ حکم شائع اور ذائع ہے کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے ، ایسی صورت میں قرب کی انتہا حد و مسجد تک ہوگی ۔ اور اس حد میں بھی گنجائش ہے ۔ کہ منبر سے سب سے قریب وہ مقام ہوگا جو اس کے ٹھیک مقابل ہو اس لئے کہ جب ہم منبر سے نیچے کی طرف خطوط کھینچیں تو جو خط سیدھا اس کی طرف جائے وہ حادہ کا وتر ہوگا ۔ اور بقیہ خطوط قائمہ کے وتر ہونگے ۔ تو موذن اگر اِدھر اُدھر کے خطوط پر کھڑا ہوگا تو منبر سے دور ہوگا ۔ اور سامنے کھڑا ہوگا تو اتنا قریب ہوگا کہ اس سے زیادہ قرب ممکن نہیں ۔ تو فقہا کے قول قریب منبر کے یہ معنی ہوئے کہ قریب ہونیکی جو انتہائی گنجائش نکل سکتی ہے ۔ وہاں کھڑا ہو ۔ تو حق ظاہر ہوگیا ۔

اللہ تعالیٰ کیلئے حمد ہے اور ہمارے سردار سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور انکے آل اور جمیع اصحاب پر پڑھنے والوں کا بہترین درود و سلام ہو ۔ آخری دعا یہ ہے کہ حمد رب العالمین کیلئے ہے ۔ فقط

ترجمہ :- عبد المنان اعظمی
۲۰ محرم ۱۴۰۱ھ

اُمّ الکتاب

(تفسیر سورہ فاتحہ)



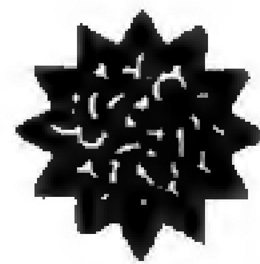
از افادات

علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب تدوین

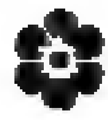
سید محمد ناصر عثمان شاہ گیلانی

ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات



نوری کتب خانہ ۔ لاہور

ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت

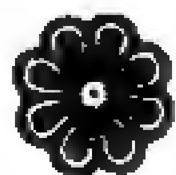


از

اعلیٰحضرت امامِ اہلسنت الشاہ محمد احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ العزیز

مرتبہ

مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا محمد مصطفےٰ رضا خاں قادری نوری قدس سرہ العزیز



نوری کتب خانہ لاہور

خوبصورت معیاری اور دیدہ زیب کتابیں

اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی قابل مطالعہ کتب

فتاویٰ افریقہ

زمین ساکن ہے!

اللہ جھوٹ سے پاک ہے

بلا سود بینکاری کا شرعی طریقہ کار

تعلیماتِ اعلیٰحضرت

ملفوظاتِ اعلیٰحضرت

خطباتِ رضویہ

ایمان اور قرآن

کفریات ابی الوہابیہ

حرمتِ سجدہ تعظیمی

الامن والعلی

کتاب الحج

سیرت سید المرسلین ﷺ

احکام شریعت

عرفان شریعت

علوم مصطفیٰ ﷺ

شمع شبستانِ رضا

شمع شبستانِ نوری

عملیاتِ امام احمد رضا

حدائق بخشش

نوری کتابیں

نوری کتب خانہ لاہور